73
۸۶

تَبْرِیْدُ النَّوَاظِرِ

فِیْ

تَحْقِیْقِ الحَاضِرِ وَالنَّاظِرِ

یَعْنِے

آنکھوں کی ٹھنڈک

DATA ENTERED

طبع چہارم

صدیق اینڈ
تاجران کتب و
لوہاری دروازہ

مؤلفہ

ابُوالزّاہِدْ محمد سرفراز خاں صفدر

قیمت ۰—۱۲—۲

Marfat.com

صرف ایک اسلام

برادرانِ اسلام سے مخفی نہیں ہے کہ اس پُرفتن دور میں جو مذاق دین سے اڑایا جاتا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے اڑایا جاتا ہوگا۔ کہیں معجزہ اور کرامت سے استہزا ہے تو کہیں نماز، روزہ سے کہیں داڑھی کا تمسخر اڑایا جاتا ہے تو کہیں دستار اور مسواک سے ٹُلف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے والے وہ حضرات ہیں جو بزعم خویش مسلمان اور اسلام کے بڑے ہمدرد ہیں اور جناب امام الانبیاء سید الرسل خاتم النبیین محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے وہ مذاق اُڑایا جا رہا ہے کہ الامان والحفیظ۔ حدیث شریف پر اس بیباکی اور کھلی جسارت سے اپنے نفس امارہ کی پیروی میں کام کرنے والوں کے اختراعات کو سننے سے قبل حیا سے کہیے کہ وہ آنکھیں بند کرلے، غیرت سے کہیے کہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے شرم سے کہیے کہ وہ منہ چھپالے کہ اب ذکر آرہا ہے ان لوگوں کا جو حدیثِ رسول کو تسلیم کرنا گناہ عظیم سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کی عالمگیر ذلت اور رسوائی کا اسے ذمہ دار قرار دیتے ہیں حالانکہ مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کا واحد سبب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرنا ہے اور قرآن کریم کے بعد حدیث شریف کو پس پشت ڈالنا ہے۔ اسلم جیراجپوری جی، غلام احمد پرویز، جناب تمنا صاحب اور غلام جیلانی صاحب برق اس کفر و الحاد و زندقہ کو پھیلانے میں پیش پیش ہیں۔ چنانچہ غلام جیلانی صاحب برق کی کتاب دو اسلام کا بہترین اور مدلل جواب بصورت کتاب "صرف ایک اسلام" آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس میں ایسے مسکت اور دندان شکن جوابات دیئے گئے ہیں کہ منکرین حدیث کی تمام فریب کاریاں اور مکاریاں پیوندِ زمین ہو جاتی ہیں۔ اور ہر طبقہ کے مسلمان اس سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتے ہیں یہ کتاب اردو زبان میں ہے اور نہایت سہل اور سلیس اور صدہا آیات اور روایات اور تاریخی واقعات سے لبریز ہے۔

صفحات ۱۷۶۔ تقطیع $\frac{20}{16} \times 13$۔ کتابت و طباعت بہتر۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے علاوہ محصول ڈاک

نوٹ: منکرینِ حدیث کی کتاب مقام حدیث اور طلوعِ اسلام وغیرہ کی تردید میں قابلِ قدر کتاب تصدیق حدیث زیر ترتیب ہے جس کے ذریعے انشاء اللہ ان کے تمام عقلی اور نقلی اعتراضات کافور ہو جائیں گے

ناظم انجمن مدرسہ عربیہ اسلامیہ۔ جامع مسجد بوہڑ والی۔ گکھڑ منڈی۔ ضلع گوجرانوالہ

مہتمم شعبہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم۔ نزد گھنٹہ گھر۔ شہر گوجرانوالہ۔

Marfat.com

۲۹۷۶۴
۱۰۹۴۲

جملہ حقوق محفوظ

وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ

اور اللہ تعالےٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں

چوں میگویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

تَبْرِیْدُ النَّوَاظِرْ

فی تحقیق الحاضر والناظر

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند۔
(اقبال)

— یعنی —

آنکھوں کی ٹھنڈک

— جسمیں —

بڑی تحقیق و جستجو سے قرآنِ کریم، صحیح احادیث، عقائد صحابہ کرامؓ اور جمہور سلف و خلف اور فقہاء احناف کے صریح فتووں سے یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام بجگہ حاضر و ناظر (اور عالم الغیب) نہیں ہیں اور فریق مخالف کے دلائل کے دندان شکن جوابات بھی درج کئے گئے ہیں۔

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ

اَبُو الزَّاھِدْ محمد سرفراز خاں صفدر فاضل دیوبند
خطیب جامع مسجد گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ

بار چہارم • تعداد ۱۰۰۰

Marfat.com

طبع ——— چہارم

تعداد ——— ایکہزار

قیمت ———

ملنے کا پتہ

(۱) مکتبۂ زاہدیہ ——— گکھڑ منڈی۔ ضلع گوجرانوالہ

(۲) ناظم شعبۂ نشرواشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر۔ گوجرانوالہ

مطبوعہ

اشرف پریس ۷۔ ایبک روڈ لاہور۔

۱۰۹۴۲

فہرستِ مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	تقریظات	۵
۲	دیباچہ	۹
۳	سخنہائے گفتنی	۱۱
۴	مقدمہ اور چند ضروری باتیں	۱۳
۵	پہلی بات۔ کیا اللہ تعالیٰ پر حاضر و ناظر کا اطلاق صحیح ہے؟	۱۳
۶	دوسری بات۔ عقیدہ کا اثبات کیسی دلیل پر موقوف ہے؟	۲۳
۷	تیسری بات۔ قرآن کریم کا کونسا معنیٰ اور مطلب درست ہوگا؟	۲۵
۸	چوتھی بات۔ سب تفسیروں سے جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر مقدم ہے۔ اور آپ کے مقابلہ میں کسی کی تفسیر حجت نہیں ہے۔	۲۵
۹	پانچویں بات۔ ہمارے دلائل قرآن کریم صحیح احادیث اور فقہ حنفی پر ہی موقوف ہوں گے۔	۲۵
۱۰	چھٹی بات۔ یہ کتاب کتنے ابواب پر مشتمل ہوگی؟	۲۶
	پہلا باب	
۱۱	حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے	۲۷
۱۲	" لوط " " " " " "	۳۰
۱۳	" یعقوب " " " " "	۳۲
۱۴	" موسیٰ " " " " "	۳۶
۱۵	" سلیمان " " " " "	۳۹
۱۶	" داؤد " " " " "	۴۲
۱۷	فریق مخالف کا حاضر و ناظر سے متعلق کیا نظریہ ہے؟	۴۳
۱۸	حضرت زکریا علیہ السلام بھی عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہ تھے۔	۴۴
۱۹	کسی کی شرمگاہ دیکھنی تو کہاں سے جائز ہوتی، ران کا دیکھنا بھی جائز نہیں ہے	۴۶
	دوسرا باب	

Marfat.com

نمبر	مضمون	صفحہ
۲۰	صحیح احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر ناظر ہونے اور عالم الغیب ہونے کی نفی کرتی ہیں۔	۵۹
	تیسرا باب	
۲۱	محدثین کرام اور فقہاء عظام کا دین میں کیا مقام ہے؟ اور خصوصاً فقہاء احنافؒ کا؟	۶۵
۲۲	فقہاء احنافؒ ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور بزرگانِ دین) کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھتا ہے۔	۶۸
۲۳	فریق مخالف کی طرف سے ان عبارات پر اعتراضات اور ان کے مسکت اور مسقط جوابات	۷۲
	چوتھا باب	
۲۴	فریق مخالف کا پہلا استدلال اور اس کا پسِ منظر۔	۸۱
۲۵	فریق مخالف کی دوسری دلیل اور اس کا حال	۱۱۶
۲۶	" " تیسری " " بیان	۱۳۷

نمبر	مضمون	صفحہ
۲۷	فریق مخالف کی چوتھی دلیل اور اس کا بطلان	۱۳۱
۲۸	" " پانچویں " " کی تردید	۱۳۵
۲۹	" " چھٹی " " حقیقت	۱۳۸
۳۰	" " ساتویں " " کا حشر	۱۵۹
۳۱	مسئلہ حیات النبیؐ کی مدلل بحث	۱۶۶
۳۲	فریق مخالف کی آٹھویں دلیل اور اس کا انجام	۱۷۳
۳۳	" " نویں " " البطال	۱۷۶
۳۴	" " دسویں " " رَدّ	۱۷۸
۳۵	" " گیارہویں " " کی ماہیت	۱۸۰
۳۶	" " بارہویں " " جواب	۱۸۲
۳۷	" " تیرھویں " " مدافعت	۱۸۵
۳۸	" " چودہویں " " پر ابراد	۱۸۷
۳۹	" " پندرہویں " " کا ازالہ	۱۸۸
۴۰	" " سولہویں " " دفعیہ	۱۸۹
۴۱	" " سترھویں " " دفاع	۱۹۲
۴۲	" " اٹھارہویں " " قلع قمع	۱۹۶

Marfat.com

تصدیقات علماء کرام

(۱)

اسوۃ الصلحاء قدوۃ العلماء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صاحب کی تصنیف تابید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر اس عاجز نے متعدد مقامات سے بنظر غائر دیکھی جس میں مولانا ممدوح نے دیوبندی حضرات کے مندرجہ ذیل عقیدہ کہ

"انبیاء علیہم السلام نہ تو ہر جگہ حاضر اور ناظر ہوتے ہیں اور نہ جمیع ما کان و ما یکون کے عالم ہوتے ہیں"۔

اس عقیدہ کی مولانا ممدوح نے قرآن مجید سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات سے تائید فرمائی ہے۔ کہ ان حضرات سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جگہ حاضر اور ناظر نہیں ہوا کرتے تھے اور نہ ہی ما کان (جو کچھ ہو چکا) اور ما یکون (جو کچھ آئندہ ہوگا) کے عالم ہوتے تھے۔ ہاں ان حضرات کو اللہ جل شانہ جس چیز کے متعلق مطلع فرماتے تھے اتنی چیزیں ان کے علم میں آجاتی تھیں اور جن چیزوں پر نہیں مطلع فرماتے تھے ان چیزوں کا انہیں علم نہیں ہوتا تھا۔

قرآن مجید کی شہادتوں کے علاوہ صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی احادیث سے بھی اسی عقیدہ کی تائید ثابت کی ہے اور احادیث کی یہ دونوں کتابیں علاوہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے خود احناف حضرات کے ہاں مسلم اور واجب التعظیم ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا ممدوح نے احناف حضرات کے فتاویٰ کے حوالوں سے بھی حضرات دیوبند کے عقیدہ کی تائید ثابت کی ہے ان فقہائے عظام سے احناف کو جو عقیدت ہے اس کی بنا پر ہر حنفی کو ان کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔ ان فقہائے عظام کو جو علمی قابلیت اور فہم صحیح۔

Marfat.com

اور وسعتِ نظر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی وہ آجکل کے زمانہ میں کتنے علماءِ احناف کو حاصل ہے۔ مذکورۃ الصدر خوبیوں کے نہ ہونے کے باعث ہی تو حنفی حضرات اپنے ان بزرگوں کی تقلید للذمی قرار دیتے ہیں اور جو شخص ان کی تقلید کے دائرے سے نکل جائے اس پر طرح طرح کی طعن و تشنیع ہوتی ہے۔

لہٰذا ہر حنفی المذہب مسلمان کو اپنے مسلمات کی بنا پر ان حضرات کا بیان کردہ عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ماکان اور مایکون کے متعلق مان لینا فرض عین ہے اور اگر نہ مانے تو وہ پکا حنفی نہیں رہے گا۔ بلکہ ایسے شخص پر غیر مقلد کا الزام لگایا جائے گا۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ دیوبندی علماء کرام اپنے قول کے پکے اور اپنے وعدہ تقلید پر سچے ثابت ہو رہے ہیں کہ جو ان حضرات کا عقیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا ہم اسی پر قائم ہیں۔ کہ انبیاء علیہم السلام نہ تو ہر جگہ حاضر اور ناظر ہوتے تھے ..... اور نہ جمیع ماکان و مایکون کے عالم ہوتے تھے۔

دیوبندی حضرات کے عقیدہ کے متعلق حنفیوں کے مسلم التعظیم محدث حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ کا عقیدہ سنیے جو حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے تبرید النواظر کے صفحہ ۱۶۵ کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے حضرت ملا علی القاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ درود و سلام پہنچانے کیلئے فرشتوں کا تقرر

مخصوص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور (مرقات ج ۲ ص ۶)

اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے دور ہو۔

اور نیز لکھتے ہیں۔

لئلا یظن ان دعاء الغائب لا یصل الخ (مرقات ج ۲ ص ۶)

تاکہ یہ گمان نہ کر لیا جائے کہ شاید آپ تک غائب کا سلام نہیں پہنچتا اسلئے اللہ تعالیٰ نے درود و سلام پہنچانے کیلئے فرشتے متعین کر دیئے ہیں۔

اور اسی مسئلہ کو انہوں نے شرح شفا میں پیش کیا ہے۔

لا لان روحہ فی بیوت المسلمین۔

یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مومنوں کے گھروں میں موجود ہے (بلکہ بتوسط ملائکہ آپ تک سلام پہنچتا ہے)

Marfat.com

سچے حنفیوں پر اتمام حجت کے لئے ..... یہ بیان کافی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرات دیوبند اپنے مسلم التعظیم عقیدہ کے صحیح معنوں میں پابند ہیں کہ ہم اپنے اسلاف کے مقلد ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا ممدوح نے مخالفین کی اٹھارہ دلیلوں کے بہترین جوابات دیئے ہیں الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ مولانا ممدوح نے دیوبندی حضرات کا دامن ان تمام اعتراضات سے جو مخالفین کیا کرتے ہیں دندان شکن جوابات دینے کے علاوہ قرآن مجید۔ حدیث شریف۔ فقہائے عظام کے فتاووں سے مخالفین پر ایسا اتمام حجت کر دیا ہے کہ قیامت کے دن مخالفین اپنے غلط اعتقادات کے متعلق یہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے۔ کہ اے اللہ ہمیں ان دندان شکن جوابات کی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔ ورنہ ہم اپنے مصنوعی یعنی خود ساختہ عقائد سے یقیناً تائب ہو جاتے اور آج تیری بارگاہ میں مجرم نہ قرار دیئے جاتے۔

ہر حنفی سے درخواست کرتا ہوں کہ حضرت مولانا سرفراز خان صاحب کی اس کتاب کو پڑھیں تاکہ کوئی مخالف انہیں گمراہ نہ کر سکے بلکہ ہو سکے تو گمراہوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کر سکیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

احقر الانام احمد علی عفی عنہ ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۷۸ھ

(۲)

استاذ العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ العالی

(سابق وزیر معارف شرعیہ ریاستہائے متحدہ بلوچستان شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

محترم المقام زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ خیریت جانبین نصیب گکھڑ سے تین کتابوں کا پارسل مجھے پہنچا گوجرانوالہ کا پارسل ابھی تک نہیں پہنچا۔ تبرید النواظر کے متعلق میری بے لاگ رائے یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع میں بیمثال ہے کتاب چار ابواب اور ایک مقدمہ پر مشتمل ہے باب اول میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ان جملہ وقائع قرآنیہ کو بیان کر دیا گیا ہے جن سے حاضر و ناظر ہونیکی تردید ہوتی ہے باب دوئم میں احادیث صحیحہ سے ان واقعات کو مرتب کیا گیا ہے جن سے خاتم الانبیاء صلی

اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونیکی نفی لازم آتی ہے۔ باب سوئم میں اقوال آئمہ محدثین اور فقہاء سے استدلال کیا گیا ہے اور باب چہارم میں فریق مخالف کی بجائے نام اور بیجان اٹھارہ دلائل کا جواب دیا گیا ہے کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف دام مجدہ کو ترتیب و بسط دلائل و تردید بدعات میں خاصہ ملکہ حاصل ہے اس موضوع پر ایسی عمدہ جامع و پُر از معلومات کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گذری۔ میرے خیال میں اگر فریقِ مخالف اس کتاب کا منصفانہ اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کرے اور توفیق الٰہی بھی دستگیری فرمادیں تو قوی امید ہے کہ ان کو اس کتاب سے ہدایت نصیب ہوگی۔ اللہ مؤلف علام کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کو قبول فرماویں۔

احقر شمس الحق عفا اللہ عنہ۔ مقام ڈاک خانہ ترنگ زای۔ ضلع پشاور۔ مورخہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ
۲۴ نومبر ۱۹۵۹ء

(۳)

فخر الاماثل حضرت مولانا الحافظ الحاج القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم

(مہتمم دار العلوم دیوبند)

حضرت المحترم زید مجدکم السامی : سلام مسنون نیاز مقرون گرامی نامہ باعث شرف ہوا یہ زمانہ اکثر و بیشتر سفروں میں گذرا اس لئے جواب عرض نہیں کر سکا وہاں کی حاضری کے وقت جناب نے جو کتابیں عنایت فرمائی ہونگی وہ کتب خانہ کے جنگل میں مستور ہیں اُن کا تلاش کرنا اور نکالنا اس عدیم الفرصتی اور ہجوم کار میں بہت ہی بھاری سا نظر آتا ہے۔ راہِ ہدایت اور تبرید النواظر اب پہونچی ہیں اس میں حیاۃ النبی کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ کچھ صفحات کا اضافہ کر کے اس میں اس مسئلہ کو بھی لگایا ہے اُدھر سے تلاش کیا مگر نہ فہرست میں عنوان ملا نہ کتاب میں یہ مسئلہ نظر سے گذرا چونکہ یہ مسئلہ آج کل چھڑا ہوا ہے اس لئے اس کیطرف نظرِ اشتیاق زیادہ بڑھی مگر ملا نہیں جناب کی تالیفات بحمد اللہ محققانہ ہوتی ہیں نہ ہم جیسوں کی تقریظ کی محتاج ہیں اور ترمیم کی تو کیا ہوتیں؟ یہ تو جناب کا علو ظرف ہے کہ اس کمال پر پھر بھی ہم جیسوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تالیفات کو قبول فرمادیں اور خلق اللہ کو ان سے منتفع فرمادیں۔ آمین۔ فرصت ملی تو استفادہ کرونگا بے حد ہجوم کار ہے اور کسی وقت فرصت نہیں ملتی۔ تاہم شوقِ استفادہ ہر وقت ہے سعی کرونگا کہ کسی وقت استفادہ کر کے خیال عرض کروں۔

اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوگا۔ دعاء کا مستدعی ہوں۔ والسلام

محمد طیب از دیوبند ۳۰/۱۱/۷۸ھ

Marfat.com

دیباچۂ طبع چہارم

راقم الحروف نے فریق مخالف کی متعدد کتابوں اور رسالوں (خصوصاً خان صاحب بریلوی اور مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی اور مولوی محمد عمر صاحب اور مولوی سید احمد صاحب کاظمی حال ملتانی وغیرہ کی کتابوں) میں جب یہ غلط اور باطل عقیدہ دیکھا، اور پڑھا کہ وہ امام الانبیاء سیّد الرسل خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اور دیگر انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو ہر جگہ حاضر و ناظر (اور عالم الغیب) سمجھتا ہے اور اس عقیدہ کو خالص دین اور باعثِ نجات یقین کرتا ہے اور اس عقیدہ کو تسلیم نہ کرنے والوں کو گستاخ بے ادب اور بے ایمان حتیٰ کہ کافر سمجھتا ہے (العیاذ باللہ) تو بمقتضائے الدین النصیحۃ راقم نے اس مسئلہ کے اثباتی اور منفی پہلو کے دلائل پر آج سے کئی سال پہلے یہ کتاب لکھی۔ اس کا خیال اور وہم بھی نہ تھا کہ اس کو مسلمانوں کے مختلف طبقات میں اتنی مقبولیت حاصل ہوگی کہ اس کو خواص اور عوام عقیدت کی نگاہوں سے پڑھیں گے۔ اور ذوق و شوق کے ہاتھوں سے لیں گے مفسرین نے آیات کی تفسیر سے لُطف اٹھایا تو محدثین نے اس میں پیش کردہ احادیث سے استفادہ کیا، مناظرین نے اس کے استدلالات کو سراہا تو ادباء نے اس کے اُردو ادب کی داد دی۔ الغرض جید علماءِ کرام اور کالجوں، مدرسوں اور اسکولوں میں یہاں تک کہ اہلِ دل تاجروں تک نے اس سے تسکینِ قلب حاصل کی اور سینکڑوں خطوط ملے جن میں انہوں نے عقیدت اور عشق کے پھول اس کتاب کے طرز بیان پر نچھاور کئے اور تھوڑے سے عرصہ میں یہ کتاب بالکل نایاب ہوگئی اور بیسیوں خطوط اس کی چہار بارہ اشاعت کے موصول ہوئے اب اس کتاب کو معمولی اضافات اور ترامیم کے ساتھ ہدیۂ قارئین کرام کیا جا رہا ہے ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

احقر ابو الزاہد

سخنہائے گفتنی

مشرکینِ عرب کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں اور عقائد میں بھی ابراہیمی ہیں اولادِ ابراہیمؑ ہونے میں وہ ایک حد تک سچے تھے لیکن عقیدہ میں ان کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی نسبت نہ تھی مگر چونکہ مشرکینِ عرب کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیحد محبت اور عقیدت تھی۔ اس لئے وہ جن عقائد کو اپناتے تھے ان کی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھی نسبت کرتے تھے۔ اور جو بزرگ (یعنی جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) صحیح طور پر ابراہیمی تھے۔ ان کو مشرکین اپنی اصطلاح میں صابی (یعنی بے دین) کہا کرتے تھے (العیاذ باللہ) قرآن کریم نے جابجا ان کی تردید کی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مشرک نہ تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ کم و بیش یہی حال زمانہ رواں کے کلمہ گو مشرکین کا ہے کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور بزرگانِ دین کیطرف ایسے گندے عقائد منسوب کرتے ہیں جن کی تردید کے لئے قرآن کریم اور شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) وقف ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں کو صابی کہا کرتے تھے اور آجکل کے کلمہ گو مشرک قرآن اور حدیث کے ماننے والوں اور سلف صالحین کی صحیح اتباع کرنے والوں کو وہابی کہتے ہیں۔ بس ان کے نزدیک اسلام صرف یہی ہے کہ مسلمانوں کا سا نام رکھ لیا اور زبان سے بزرگوں کی محبت کا دعویٰ کر لیا۔ ؎

صبر و خودداری و دلیری، حق پرستی اب کہاں　　رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلمان ہو گئے

ان کے شرکیہ عقائد تو بہت ہیں مگر منجملہ ان شرکیہ عقائد کے ایک مسئلہ حاضر و ناظر بھی ہے فریقِ مخالف کا یہ دعویٰ ہے کہ جسطرح اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور ہر چیز اس کے قریب ہے اسی طرح انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی یہ صفت ذاتی اور قدیم ہے اور مخلوق کی یہ صفت عطائی اور حادث ہے تو جس طرح اللہ تعالےٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ کوئی چیز اس سے دور اور مخفی نہیں اسی طرح بزرگانِ دین سے بھی خداداد قوت کے ماتحت کوئی چیز چھپی ڈھکی نہیں۔

Marfat.com

اور خصوصاً جناب ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حاضر و ناظر ہونے پر تو اہلِ حق سے بار بار فریق مخالف نے مناظرہ بلکہ مکابرہ اور مجادلہ بھی کیا ہے اور اہلِ حق کی تکفیر بھی کی ہے۔ فریق مخالف کی اس چال اور گورکھ دھندے کے سمجھنے سے ہم تو قاصر رہے ہیں کہ کسی کو تو کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر وقت اور ہر ایک کے لئے حاضر و ناظر ہیں اور کبھی کسی وقت حاضرینِ جلسہ سے کھڑا ہونے کا حکم فرمایا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے ہیں با ادب کھڑے ہو جاؤ اور قیام کرو جب آپ ہر جگہ موجود ہیں تو تمہارے جلسہ میں کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ وہ تو پہلے ہی سے موجود تھے۔ اور کسی کو کہہ دیتے ہیں کہ مجالس مولود میں آپ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور کسی سے کہہ دیتے ہیں کہ جس آدمی کا تعلق اور رابطہ آپ سے قوی ہوتا ہے اس کے لئے آپ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور کسی کو لطائف اور امثال کے شطحی محاورات میں اُلجھا دیا جاتا ہے اور کبھی کسی کو طی الارض کی مستند اور غیر مستند کرامت سے مغالطہ دیا جاتا ہے اور ان جزوی اور شخصی واقعات سے قاعدہ کلیہ بنا کر عامۃ المسلمین کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ ؎

اک سوال اور سینکڑوں ان کے جواب ہم سے کچھ غیروں سے کچھ دربان سے کچھ

مخالفین نے کہیں تو کسی مجمل آیت اور حدیث سے استدلال کیا ہے حالانکہ خود قرآن کریم کی دوسری آیات اور صحیح احادیث اس کی تفصیل اور تشریح کرتی ہیں اور کہیں جزوی واقعات (یعنی معجزات و کرامات) سے اپنے باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ مخالفین کے پیش کردہ دلائل کی حقیقت سے عامۃ المسلمین کو آگاہ کر دیا جائے کہ یہ دلائل پرکاہ کا وزن بھی نہیں رکھتے اور اہل السنّت والجماعت کے اٹل دلائل اور براہین بھی ہدیۂ قارئین کر دیئے ہیں تاکہ ہر ایک فریق کے دعاوی اور دلائل کا صحیح معیار اور توازن معلوم ہو سکے۔ اگرچہ اس مسئلہ پر متعدد علمائے حق نے مختلف زمانوں اور متعدد زبانوں میں کتابیں اور رسالے لکھے ہیں لیکن اس بندہ ناچیز نے بھی اپنی محدود بساط کے مطابق اس مسئلہ پر قلم اٹھانا ضروری سمجھا کیونکہ ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیان اور

Marfat.com

میں قارئین کرام سے ملتجی ہوں کہ اگر کسی دلیل کے پیش کرنے میں کوئی ضعف یا سقم نظر آئے تو قصور میرا سمجھنا جمہور سلف وخلف کا قصور نہیں ہوگا اور ان دلائل کو یوں سمجھنا کہ۔

ع چراغِ راہ ہیں منزل نہیں ہیں

رَبَّنَا اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا ۝

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

Marfat.com

مقدمہ اور چند ضروری باتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد فاقول لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ فی ذاتہ ولا فی صفاتہ ولا فی افعالہ وبہ استعین۔

اما بعد اس سے قبل کہ ہم مخالفین کے دلائل پیش کر کے ان کے جوابات عرض کریں اور جمہور اہل اسلام کے براہین نقل کریں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بطور تمہید ایک مختصر مقدمہ عرض کریں اور اسمیں بعض ایسی اہم اور ضروری چیزیں نقل کریں جن کے معلوم کر لینے سے اصل مقصد آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکے۔

ہم اس مقدمہ میں چند اصولی باتیں عرض کرتے ہیں۔ قارئین کرام ان کو ٹھنڈے دل اور گہری نظر سے ملاحظہ فرمائیں تاکہ مسئلہ کی تہ تک پہنچنے میں یہ ممد اور معاون ثابت ہوں۔

(۱) پہلی بات :- فریقِ مخالف کو جب پبلک بحث اور مباحثہ کے لئے میدان میں لا کھڑا کرتی ہے۔ تو ان کے علماء حق پرستوں کے دلائل و براہین کی تاب نہ لاتے ہوئے مجلس مناظرہ کو درہم برہم کرنے اور اپنی جان چھڑانے کی بے شمار راہیں اختیار کرتے ہیں۔ اور کبھی اہل حق کے مناظر کی تقریر میں شور و غل مچاتے ہیں۔ اور کبھی شکستِ فاش کھا کر بھی کامیابی کے ترانے گانے لگتے ہیں تاکہ عوام الناس کے دلوں سے ان کی سیادت ختم نہ ہو جائے۔ لیکن ان بیہودہ باتوں سے کیا حاصل! پبلک خود ہی دودھ اور پانی کو بخوبی سمجھ لیتی ہے۔ مسئلہ حاضر و ناظر میں بھی فریقِ مخالف کے مناظر مناظرہ میں یوں جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ حاضر و ناظر ہونا تو خدا تعالےٰ کی صفت ہی نہیں ہو سکتی لہذا اسمیں کسی اور کو شریک ماننا شرک کیسے ہوا! بلکہ حاضر و ناظر تو مخلوق کی صفت ہے اور خصوصاً حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اس دعویٰ کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اول تو اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ان ناموں میں حاضر و ناظر کا کوئی نام نہیں آتا۔ دوسرے حاضر اس کو کہتے ہیں جو پہلے نہ ہو اور پھر آجائے اور یہ معنی تو اللہ کی شان کے لائق ہی نہیں اور ناظر اس کو کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ جب اللہ تعالیٰ کی جسمانی

Marfat.com

آنکھیں نہیں، تو وہ ناظر کیسے ہوا؟ بلکہ حاضر و ناظر تو جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر بزرگانِ دین تھے جو پہلے نہ تھے۔ اور پھر دنیا میں تشریف لے آئے اور اپنی حسّی اور جسمانی آنکھوں سے دیکھا بھی کرتے تھے۔ لہذا یہی حاضر و ناظر ٹھہرے۔ بلکہ مفتی احمد یار خاں صاحب تو لکھتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدائے پاک جگہ اور مکان سے پاک ہے الیٰ ان قال خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسولِ خدا ہی کی شان ہے (جاء الحق و زھق الباطل صفحہ ۱۵۳) یہ ہے فریقِ مخالف کی منطق یا مجددانہ مغالطہ، میں نے ان کی دلیل عرض کر دی ہے کیونکہ ؎

مری ضد سے ہوا ہے مہربان دوست　　مرے احسان ہیں دشمن پر ہزاروں

محترم قارئین کرام! اب ملاحظہ فرمایئے کہ صحیح دلائل کے سیلِ رواں میں یہ کاغذ کی کشتی کس طرح ڈوبتی ہے۔

جواب اول :- اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان کا محتاج نہیں ہے اور اس کے مشہور و معروف نام ننانوے ہیں لیکن کیا ان ناموں کے علاوہ اور نام خدا تعالیٰ کے نہیں ؟ اگر فریق مخالف کو عرسوں اور ختموں سے فرصت نہیں مل سکی۔ تاکہ وہ کتابوں کی طرف رجوع کر سکے۔ تو آیئے۔ میں آپ کو صرف چند حوالے بتلاتا ہوں۔ علامہ نوویؒ شرح مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۳۴۲ میں اور علامہ خازنؒ تفسیر جلد دوم صفحہ ۲۶۲ میں رقمطراز ہیں۔

"تمام علماء کا اتفاق ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام صرف یہی ننانوے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں (اسی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ امام ابوبکر بن العربیؒ نے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام جمع کئے ہیں پھر صاف لکھا ہے وھذا قلیل۔ یہ بھی ابھی تھوڑے ہیں" امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ علماء کے نزدیک ایک اور ایک ہزار (۱۰۰۱) نام اللہ تعالیٰ کے مشہور و معروف ہیں جو کتاب و سنت میں پائے جاتے ہیں، (تفسیر کبیر مقدمہ ج ۱ صفحہ ۳) حافظ ابن کثیرؒ نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار دو نام ہیں جو قرآن کریم، صحیح حدیث اور سابق آسمانی کتابوں میں نازل کئے گئے ہیں (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۹) جب تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام انہی ننانوے ناموں میں منحصر نہیں تو ان کا یہ سوال کہ ہمیں ان ناموں میں حاضر و ناظر

Marfat.com

کے نام نہیں مل سکے۔ باطل ہے۔ ؎

تجھ کو کرنے ہیں ہزاروں دشت طے ❊ مضطرب کیوں پہلی ہی منزل میں ہے

جوابِ دوم :- چلئے ہم دو منٹ کے لئے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صرف یہی ننانوے نام ہیں۔ لیکن یہ تو فرمائیے۔ کہ کیا ان ناموں میں سے کسی نام کا عربی زبان میں سہولت اور آسانی کے لئے ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ یا نہیں؟ اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر آپ یوں لب کشائی فرمائیں کہ خدا کہنا جائز ہے تو کیا ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ان ننانوے ناموں میں تو خ۔ د۔ ا (یعنی خدا) کوئی نام نہیں آیا۔ پھر یہ جائز کیسے ہو گیا؟ یہی تو آپ کہیں گے کہ یہ مالک، یا رب وغیرہ کا فارسی یا کسی اور زبان میں ترجمہ ہے۔ یعنی عربی زبان میں مالک فارسی زبان میں خدا۔ اسی طرح آپ یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ ان ننانوے ناموں میں سے کسی کا ترجمہ شاید حاضر و ناظر ہو۔ کیا یہ احتمال ہی ہے؟ نہیں بلکہ آپ ذرا بین السطور مشکوٰۃ شریف ج ۲ ص ۱۹۹ اصح المطابع نکال کر دیکھیں۔ کہ الشہید کا معنیٰ لکھا ہے الحاضر اور مشہور لغت اور ڈکشنری صراح ص ۱۳۴ میں لکھا ہے شہید، حاضر و گواہ۔ اسی طرح بصیر کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ بینا۔ دیکھنے والا یعنی ناظر دیکھو صراح ص ۱۶۰۔ اب فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ شہید اور بصیر بھی ہے یا نہیں؟ اور کیا شہید کا معنیٰ حاضر اور بصیر کا معنیٰ بینا یعنی ناظر درست ہے یا نہیں؟ ہمارا اور فریقِ ثانی کا منصف اور حاکم صرف خدا ہی ہے کیا خوب کہا گیا ہے۔ ع

خدا دانا بینا ہے ہر نیک و بد کا۔

اب آپ اپنی توپ کا دہانہ شراح حدیث اور آئمہ لغت کی طرف پھیر دیجئے کہ تم نے شہید کا معنیٰ حاضر کیوں کیا! حاضر تو ہماری خانہ ساز منطق کے رو سے صرف وہ ہو سکتا ہے جو پہلے نہ ہو اور پھر آجائے ؎

اور ہوں گے جو سہیں ان کی جفائیں بے محل ❊ ہم کسی کا غمزۂ بے جا اٹھا سکتے نہیں

باقی رہا یہ سوال کہ جب شہید کا معنیٰ ہے حاضر تو یہ لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر بھی بولا گیا ہے لہذا وہ بھی حاضر ہوں گے تو اس کا مفصّل جواب آئندہ آپ کو ملیگا۔ اِنْشَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز۔

جوابِ سوم :- فریق مخالف کا یہ بھی کہنا ہے کہ ناظر وہی ہو سکتا ہے جو جسمانی آنکھوں سے دیکھے

اِس لئے اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر ہم ان کا علمی اور تحقیقی شکریہ بجا لائیں گے۔ کہ ہمیں ذیل کی آیات اور احادیث کا مطلب سمجھا دیں۔

(۱) قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ اور قصہ جس میں انہوں نے اپنی قوم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

قَالَ عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (پ۹۔ ک۵ آیت۳)

کہا نزدیک ہے کہ تمہارا رب ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو اور تمہیں زمین کا خلیفہ بنا دے۔ پھر وہ نظر کرے تم کیسا کام کرتے ہو

اگر نظر کرنا اسی کا کام ہے جو جسمانی آنکھیں رکھتا ہو۔ تو بتلائیے کہ اس آیت میں فَیَنْظُرَ (یعنی خدا نظر کرے) کے کیا معنی ہوئے۔ ارشاد تو فرمائیے۔ دیدہ باید

(۲) اللہ تعالیٰ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (پ۱۱۔ یونس۔ ک۲)

پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں ان کے بعد کہ نظر کریں تم کیا کرتے ہو۔ اس آیت میں بھی لِنَنْظُرَ کا لفظ موجود ہے

(۳) مسند طیالسی ص۲۸۶ میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ جملہ بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَسْتَخْلِفُكُمْ فِیْهَا فَیَنْظُرُ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

(و مثلہ فی المشکوٰۃ ص۴۶۲ ج۲ عن مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین کا خلیفہ بنائیگا۔ پھر نظر کرے گا تم کیا کام کرتے ہو۔

(۴) صحیح مسلم ج۲ ص۳۸۵ اور مشکوٰۃ کی ایک طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ الحدیث

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر نظر کی اور دیکھا۔ تو تمام عرب و عجم والوں پر ناراض ہوا۔ مگر اہل کتاب میں کچھ آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ گئے۔

ایک حدیث میں یوں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ یَّنْظُرُ اِلٰی اَعْمَالِكُمْ الحدیث (مسلم ج۲ ص۳۱۷ و مشکوٰۃ ص۴۶۲)

کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا (یا یوں کہ کون خوبصورت اور کون بدشکل ہے) لیکن تمہارے اعمال کو وہ دیکھتا ہے

Marfat.com

ان دونوں حدیثوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نظر کی اور نظر کرے گا اور دیکھتا ہے لیکن مخالفین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نظر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی جسمانی آنکھیں ہی نہیں۔ مگر آپ کو مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ یہ مخالفین کی قرآن اور حدیث سے جہالت اور بغاوت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح نظر کرتا ہے جو اس کی شان کے لائق اور مناسب ہے کیونکہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ لیکن نظر بہرحال وہ کرتا ہے۔ اسی طرح وہ ہر ایک کے ساتھ ہے مگر جس طرح اس کی شان کے شایان ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ خدا کی معیت کا انکار کرنا سراسر بے دینی اور قرآن کریم کی قطعی بغاوت ہے اور اہل السنت والجماعت کے مسلّمہ و متفقہ عقیدہ کی صریح خلاف ورزی ہے۔

(۵) بلکہ ترمذی شریف ج ۲ ص ۴۲ ابن ماجہ ص ۲۹۷ مستدرک ج ۴ ص ۵۰۵ اور مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۷ میں یہ جملہ صاف طور پر موجود ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین کا خلیفہ بنانیوالا ہے۔ اور پھر دیکھنے والا ہے کہ تم کیا کرتے ہو

اس حدیث میں تو اللہ تعالیٰ کے لئے صاف ناظر کا لفظ موجود ہے۔ یہ بھی ملاحظہ کر لیجئے اور مولوی سید احمد صاحب کاظمی امروہی ثم ملتانی کا یہ بیان بھی دیکھ لیجئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں حاضر و ناظر کوئی نام نہیں اور قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذات باریتعالیٰ کے لئے وارد نہیں ہوا۔ نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرامؓ یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔ بلفظہٖ (تسکین الخواطر ص ۱) کاظمی صاحب ہی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمائیں (بشرطیکہ ان کا دل بھی ہو) کہ کیا یہ حدیث نہیں ہے؟ اور کیا اس میں ناظر کا لفظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات باریتعالیٰ کے لئے اطلاق نہیں کیا؟ اور کیا اس حدیث کے پہلے راوی حضرت ابو سعیدؓ الخدری رضی صحابی نہیں ہیں جو اس حدیث میں لفظ ناظر کو باری تعالیٰ پر اطلاق کر رہے ہیں؟ اور کیا ابو نضرہ رح تابعی نہیں ہیں جو یہ روایت نقل کر رہے ہیں؟ اور کیا پچھلے راوی اور اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رح اور شیخ عبد القدوس گنگوہی رح وغیرہ

(جن کے حوالے آگے آرہے ہیں) سلف صالحین میں شامل نہ تھے؟ کاظمی صاحب کو سوچ کر بتانا ہوگا کہ انہوں نے یہ بے بنیاد اور باطل دعویٰ کس طرح کر دیا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر کاظمی صاحب کا یہ غلط دعویٰ بھی ملاحظہ کیجئے کہ۔ اور اسی طرح متاخرین کے زمانہ میں جب بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر کہنا شروع کیا تو اس دور کے علماء نے ان پر انکار کیا (کس عالم نے انکار کیا اور کب کیا یہ نہ پوچھئے صفدر) بلکہ بعض علماء نے اس اطلاق کو کفر قرار دے دیا (وہ کب اور کس دور میں؟ شاید کاظمی صاحب نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔ صفدر)

یہ ہے فریق مخالف کا مبلغ علم اور تحقیقی معیار سبحان اللہ۔ اب مخالفین کو چاہئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے زعم فاسد کی بنا پر حاضر وناظر ہیں تو ان سے پوچھ لیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے لئے ناظر کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے؟ ایک تو اس لئے کہ غانوے ناموں میں ہمیں یہ مل نہیں سکا اور دوسرے اس لئے کہ اس کی جسمانی آنکھیں ہی نہیں ہیں تو وہ کیونکر ناظر ہوگا ؎

ٹوٹ جائے نہ تیغ اے قاتل — سخت جان ہوں ذرا سمجھ کر کھینچ

جواب چہارم: — اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۝ (پ۸۔ اعراف۔ ک۱) — اور نہیں ہیں ہم غائب۔

اور بخاری شریف ج۲ ص۶۰۵ اور مسلم شریف ج۲ ص۳۴۶ وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کسی وقت باآواز بلند[1] ذکر کر رہے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے ان کو منع کیا اور فرمایا۔

إِنَّكُمْ لَا تَدْعُونَ أَصَمَّ وَلَا غَائِبًا۔ — تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو بلکہ تم تو سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو پھر بلند آواز سے چلانے کا کیا فائدہ؟

---

[1] علامہ ابن حزمؒ نے یہ کہا ہے کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے۔ لیکن حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ

المذاهب الاربعة على عدم استحبابه (البدایہ والنہایہ ج۱۰ ص۲۷۰ وفتح الباری ج۲) کہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جہراً ذکر کرنا مستحب نہیں ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

(حاشیہ بقیہ صفحہ نمبر ۱۸)

اور امام نووی رح لکھتے ہیں کہ :

امّا الدعاء فیستحب بہ بلا خلاف (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱)

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ دعا آہستہ ہونی چاہئے۔

صاحب سراجیہ اور ملا علی القاری رح لکھتے ہیں کہ :-

یستحب فی الدعا الاخفاء ورفع الصوت بالدعاء بدعۃ (سراجیہ ص ۷۲ و موضوعات کبیر ص ۱۷)

مستحب یہ ہے کہ دعا آہستہ کی جائے اور بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے۔

علامہ حلبی رح لکھتے ہیں۔

وَلابی حنیفہ ان رفع الصوت مخالف للامر فی قولہ تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ (پ ۸ - اعراف - ک)

کہ حضرت امام ابوحنیفہ رح فرماتے ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے منافی ہے کہ اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو بیشک اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

(کبیری ص ۵۶۶)

یہ تو عام ذکر کا قصہ ہوا۔ اب آپ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کا مسئلہ بھی سن لیجئے۔ علامہ علی القاری حنفی لکھتے ہیں کہ

وقال بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام۔

ہمارے بعض علماء احناف نے صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے بولنا اگرچہ ذکر ہی کیوں نہ ہو حرام ہے۔ (مگر وعظ و تقریر اور درس وغیرہ دوسرے دلائل سے اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔)

(مرقات حاشیہ مشکوۃ ج ۲ ص ۴۷)

ابو نعیم بحر میں یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

عن ابن مسعود رض انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھرا فراح الیھم فقال ما عھدنا ذلک فی عھدہ صلی اللہ علیہ وسلم وما اراکم الا مبتدعین ومازال یذکر ذلک

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رض نے ایک مسجد میں لوگوں کا اجتماع دیکھا جو بلند آواز سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھتے تھے اور بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے تھے تو فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ کارروائی نہیں ہوتی تھی اور میں تو یہی کہوں گا کہ تم

(باقی حاشیہ ص ۲۰ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹)

حتی اخرجھم من المسجد۔ (بحوالہ نظم البیان ص۲۳)

بدعتی ہو بار بار یہ کہتے رہے حتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان کو مسجد سے نکال دیا۔

علامہ شامی الحنفیؒ فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے یکرہ الصوت بالذکر والدعاء کی دلیل نقل کرتے ہیں کہ:

عن فتاوی القاضی انہ حرام لما صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جھرا وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین۔

(شامی ج۱ ص۳۵۰ طبع مصر)

فتاویٰ قاضی میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور دعا کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے خارج کر دیا تھا کیونکہ وہ جماعت بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تو تمہیں بدعتی ہی سمجھتا ہوں۔

متاخرین نے ذکر بالجہر سے متعلق کیا کہا ہے بحث اس سے نہیں ہے دیکھنا صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند پایہ صحابیؓ نے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے اور درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی فرماتے ہوئے مسجد سے خارج کر دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعودؓ پسند نہ کرے اس چیز کو میں بھی تمہارے لئے پسند نہیں کرتا۔ (الاستیعاب ج۱ ص۳۵۹) اور حضرت ملا علی قاری الحنفیؒ نے حدیث اقلھا تکلفا کی شرح میں صحابہ کرامؓ کی سادہ زندگی کا نقشہ کھینچ کر بتایا ہے جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ۔ صحابہ کرامؓ کا گروہ ذکر اور درود شریف کو مسجدوں یا گھروں میں حلقہ بنا کر بلند آواز کے ساتھ نہ پڑھتے تھے۔ (مرقات ج۱ ص۲۱۴)

اور علامہ شاطبی غرناطیؒ المتوفی ۷۹۰ھ لکھتے ہیں کہ:

وَاَمَّا ارتفاع الاصوات فی المساجد فناشئ عن بدعۃ الجدال فی الدین (الاعتصام ج۲ ص۲۵۶)

بہرحال مسجدوں میں آواز بلند کرنا تو دین کے اندر جھگڑا پیدا کرنے کے لئے یہ بدعت ایجاد کی گئی ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ کی سابق روایت فریق مخالف کے نزدیک بھی مسلّم ہے چنانچہ وَقَدْ صَحَّ کے الفاظ سے یہ روایت مولوی عبدالسمیع صاحب نے نقل کی ہے۔ (دیکھئے انوار ساطعہ ص۳۸) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جہر سے ایک جماعت ذکر اللہ کرنے والوں کو دھمکایا۔ اور ان کے فعل کو بدعت کہا۔ کتب فقہ و حدیث میں

(باقی حاشیہ ص۲۱ پر)

قرآن کریم کی اِس آیت سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ غائب نہیں ہے اور اس حدیث سے بھی جہاں بلند آواز سے ذکر اور اذکار کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ یہ چیز بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشاد کے مطابق غائب نہیں یعنی فریقِ مخالف کی منطق کے رو سے اللہ تعالیٰ حاضر نہیں اور نص قرآنی اور ارشاد نبویؐ کے مطابق وہ غائب نہیں۔ اب فرمائیے ہم بیچارے کیا کریں؟ اور کہاں جائیں؟ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن ہم تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ حاضر ہے غائب نہیں۔ اور مخالفین جو مناسب سمجھیں کہیں۔ ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ بر احوال جزئی وکلی او مطلع است وحاضر وناظر شرم باید کرد۔ (مکتوب ۵۸ دفتر اوّل حصہ دوم ص ۶۸) اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح لکھتے ہیں۔ و بدانکہ خدا تعالیٰ حاضر است غائب نہ۔ (مکتوبات قدوسیہ ص ۱۲۹

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۰)

یہ روایت مذکور ہے۔ (انوار ساطعہ ص ۲۴) ذکر بالجہر کی مزید تشریح (اور اسی طرح جملہ مشہور بدعات کی مسکت تردید) راقم الحروف کی معرکۃ الآراء کتاب "المِنہاجُ الواضِح" یعنی "راہِ سُنّت" میں ملاحظہ کیجئے۔

بلند آواز سے عموماً جمعہ اور صبح کے وقت مسجدوں میں درود شریف پڑھنے والے غور کریں کہ وہ کس کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں افسوس کا مقام ہے کہ قرآن کریم۔ صحیح احادیث۔ صحابہ کرامؓ ائمہ اربعہ رح اور خاص طور پر حضرت امام ابوحنیفہ رح اور فقہاء احناف کی تحقیق پر عمل کرنے والا تو آج باعثِ ملامت ہے اور اس کو وہابی کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے اور ہر قسم کی بدعات اور خرافات کو حنفیت کہا جاتا ہے۔ فوا اسفا گر ؎

بوقت صبح شود ہمچو زور معلومت — کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

(نوٹ) عید اور حج وغیرہ کے موقعہ پر جہاں شریعت میں بلند آواز سے ذکر کا حکم آیا ہے وہ اپنے مقام پر صحیح ہے اور احیاناً کسی شرعی مصلحت کے پیشِ نظر علی الخصوص انفرادی صورت میں ذکر بالجہر بھی محلِ نزاع نہیں ہے۔ ہاں البتہ جہاں جہر کا حکم نہیں یا سلف صالحین کا انکار موجود ہے خصوصاً صدرِ اول میں تو اس مقام پر ذکر جہر بدعت اور ممنوع ہوگا ایسے مواقع پر صریح نصوص اور آئمہ مجتہدین کے قول کے مقابلہ میں متاخرین کا استحسان یا فتوائے جواز کیا وقعت رکھتا ہے! فرضی نمازوں اور جمعہ کی نماز کے بعد اجتماعی صورت میں بلند آواز سے درود شریف پڑھنا اور ذکر بالجہر ممنوع اور بدعت ہے (راقم الحروف)

Marfat.com

مولوی سید احمد صاحب کاظمی نے کُتب لغت سے حاضر کے چند معانی نقل کرکے پھر یہ لکھا ہے "کہ لفظ حاضر اپنے حقیقی لغوی معنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی شان کے ہرگز لائق نہیں" اھ (تسکین الخواطر ص۷) اور نیز لکھا ہے "کہ اہلِ علم غور فرمائیں کہ معانی منقولہ کے اعتبار سے کیا اللہ تعالیٰ پر لفظ حاضر کا اطلاق ممکن ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں" اھ (حاشیہ تسکین الخواطر ص۷) یہ ان کی جہالت یا علمی خیانت ہے۔ اولاً اس لئے کہ منقولہ معانی جو ائمہ لُغت نے نقل کئے ہیں وہ مخلوق کے حال کے مناسب نقل کئے ہیں انہوں نے کب کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر لفظ حاضر کا اطلاق ناجائز ہے؟ اور انہوں نے یہ کب کہا ہے کہ حاضر کا لفظ جب خدا تعالیٰ کے لئے اطلاق کیا جائے تو اس سے یہی منقولہ معانی مراد ہوگی؟ کیسی اور کیسی اخلاقی پستی کا ثبوت دیا ہے۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ حاضر (جو شہید کا لفظی ترجمہ ہے) کا اطلاق جب اللہ تعالیٰ پر ہوگا تو اسی طرح ہوگا جو اس کی جلالت شان کے لائق اور مناسب ہوگا۔ اور اس کے لئے حاضر کے معنیٰ ساکن الحضر اور المقیم فی المدن والقریٰ وغیرہ وغیرہ نہ ہونگے جو مخلوق کی شان کے لائق ہیں محض صراح۔ مختار الصحاح۔ مجمع البحار اور مفردات کے حوالے نقل کردینے سے کیا ہوتا ہے۔ دعویٰ اور دلیل میں تطابق بھی اہل علم و انصاف کے نزدیک شرط ہے۔ وثانیاً شرح حدیث نے الشہید کے معنی جو الحاضر کے لئے ہیں۔ اور اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رح اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رح نے اللہ تعالےٰ کے لئے جو حاضر کا لفظ اطلاق کیا ہے وہ کیسا ہے؟ کیا یہ سمجھا جائے کہ ان بزرگوں نے ناجائز لفظ بول کر اللہ تعالیٰ کی توہین کا ارتکاب کیا ہے؟ (العیاذ باللہ) سوچ کر اور ذرا سنبھل کر بتلانا کیونکہ جواب دہی ہوگی ؎ نہ بھول اس زندگی پہ غافل نہیں ہے کچھ اعتبار اسکا۔ کہ رہے گی یہ اپنی ایکدن عدم کا رستہ تجھے بتاکر

لطیفہ:۔ اگر فریقِ مخالف ناگوار نہ سمجھے اور قارئین کرام مجھے اپنا وکیل سمجھ لیں تو فریق مخالف کے اس قول کی (کہ اللہ تعالےٰ ناظر نہیں) ایک توجیہ اور صحیح محمل عرض کردوں۔ وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اقرار اور اپنی قسموں پر تھوڑا مال خریدتے ہیں ان کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ اسی طرح بخاری ج ۲ ص۸۶۱ اور مسلم ج ۲ ص۱۹۵ میں یہ حدیث آتی ہے۔

Marfat.com

لَا یَنظُرُ اللّٰہُ مَن جَرَّ ثَوبَہٗ خیلاءَ

یعنی اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ کرے گا جس نے اپنے ٹخنوں سے نیچے شلوار اور تہبند لٹکایا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نماز کی حالت میں ایک شخص نے اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھا تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا (ابوداؤد ج ۱ ص ۹۳ و ج ۲ ص ۲۰۹)

مذکورہ آیت اور حدیث سے یہ امر ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ شفقت سے وہی لوگ محروم ہوں گے جو خدا تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ چونکہ فریقِ مخالف شرک اور بدعت میں ایسا منہمک ہے کہ ان کو توحید اور سنت سے تو ذاتی عداوت ہے لہذا اگر ایسے مجرموں پر اللہ تعالےٰ نظرِ شفقت نہ کرے۔ تو قرینِ قیاس بھی ہے اسلئے اگر فریقِ مخالف یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناظر نہیں تو وہ بیچارے ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کی طرف واقعی اللہ تعالےٰ نظرِ شفقت کرتا ہی نہیں ؎

ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی — جھپکی نہ آنکھ بھی کہ اِدھر سے اُدھر گیا

(۲) **دوسری بات** کتب عقائد میں یہ مسئلہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ کہ عقیدہ کے اثبات کے لئے خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے۔ یعنی ایسی حدیث جس کے راوی اگرچہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہو۔ تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شرح مواقف ص ۷۲۷ شرح فقہ اکبر ص ۶۸ مسامرہ ج ۲ ص ۵۸ اور شرح عقائد ص ۱۰۱ میں ہے۔ کہ خبر واحد اگرچہ صحت کی تمام ان شرائط سے متصف ہو جن کا اصولِ فقہ (اور حدیث) میں بیان کیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے ظن کا فائدہ ہی ہو سکتا ہے اور عقائد کے باب میں ظنیات کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اور حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

الاحادیث اذا کانت فی مسائل عملیۃ یکفی فی الاخذ بھا بعد صحتھا افادتھا الظن اما اذا کانت فی العقائد فلا یکفی فیھا الا ما یفید القطع۔

یعنی جن مسائل کا تعلق عمل کے ساتھ ہے ان میں صحیح احادیث سے استدلال کافی ہے کیونکہ اعمال کے لئے ظنی دلائل ہی کافی ہیں۔ لیکن جب عقائد کی باری آئے گی تو ان میں صرف وہی حدیثیں قابل قبول ہوں گی جو قطع اور یقین کا فائدہ دیں

Marfat.com

(فتح الباری ج ۸ ص ۲۳۲)

(یعنی صرف متواتر حدیثیں ہوں عام اس سے کہ تواتر لفظی ہو یا معنوی تواتر طبقہ ہو یا تواتر توارث ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے)

قارئین کرام آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ عقیدت اور چیز ہے اور عقیدہ اور ہے۔ عقیدہ کے اثبات کے لیے کوئی قطعی نص یا خبر متواتر وغیرہ درکار ہے۔ یہاں خبر واحد صحیح سے بھی گاڑی نہیں چل سکتی۔ اور قرآن کریم کے مقابلہ میں تو خبر واحد کا پیش کرنا ہی ناجائز ہے۔ چنانچہ فریقِ مخالف کے قائد مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلی الفیوض الملکیہ ص ۱۵۲ اور انباء المصطفیٰ ص ۲ میں لکھتے ہیں کہ عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بافی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ عقائد کا اثبات صحیح حدیث سے بھی درست نہیں ہے جبکہ وہ خبر واحد ہو اور ایسی حدیث کو قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش کرنا خاں صاحب کی اصطلاح میں ہرزہ بافی ہے تو نہ معلوم کہ بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کی مجمل اور گول مول باتوں سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر ہوتے ہیں یا ایک بزرگ کو کئی مقامات میں دیکھا گیا یا لطائف متشکل ہو جایا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ بلکہ ایسی تمام گول مول باتوں کو شریعت اسلامی تسلیم ہی نہیں کرتی چنانچہ وہی اکابر جن کی بعض مجمل عبارات سے مخالفین گاڑی چلانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں صاف اس کی تردید کرتے ہیں۔ مثلاً مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

نیست حجت قول و فعل ہیچ پیر　　قول حق و فعل احمدؐ را بگیر

اور حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات دفتر اوّل ص ۳۳۵ میں لکھتے ہیں "عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم" جب حلال اور حرام کے مسئلہ میں صوفیائے کرامؒ کی بات حجت اور سند نہیں تو عقائد میں ان کی گول مول اور مجمل باتیں کب قابلِ قبول ہو سکتی ہیں۔

اور شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلویؒ اخبار الاخیار ص ۹۳ میں لکھتے ہیں: "و مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب و سنت مے باید" جب پیر کی بات سرے سے حجت ہی نہیں بلکہ کتاب اور سنت سے استدلال کرنا ضروری ہے تو نہ معلوم ان کی بات سے عقائد کا اثبات اور پھر قرآن کریم کا مقابلہ کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

اور شاہ ولی اللہ صاحب بھی "بلاغ المبین" میں صاف طور پر اس کی تصریح کرتے ہیں۔ کہ کسی پیر اور صوفی کی بات حجت نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم اور صحابہ کرام رضؓ کی اتباع ہی ایمان ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔ اب جو صاحب اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کریں۔ ان کو یہ بات اچھی طرح مدنظر رکھنی چاہئے کہ ایسے اہم مسئلہ میں کسی بزرگ کا کوئی قول حجت نہیں بلکہ خود خبر واحد صحیح بھی حجت نہیں۔ اور قرآن کریم (اور متواتر حدیث) کے مقابلہ میں اس کا پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے۔ مگر ہوش شرط ہے۔ ؎

سنبھل کر قدم رکھیو دشت خار میں مجنوں کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

(۳) تیسری بات: قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر جب بسند صحیح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو تو اس کے مقابلہ میں اگر کوئی بڑے سے بڑا مفسر بھی کچھ کہے تو اس کی بات مردود ہوگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر ہی قابل اخذ ہوگی۔ جبکہ اس کی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح بھی ہو۔ اس لئے فریق مخالف بگوش ہوش سن لے۔ کہ لفظ شاہد ہو یا شہید یا اور کوئی، اس کی تفسیر اگر بالفرض کسی نے کچھ اور کی بھی ہو تو وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی تفسیر خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔ جیسا کہ اس کی پوری تشریح قارئین کرام کے آگے پیش کی جائیگی انشاء اللہ العزیز۔

(۴) چوتھی بات: اگر قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے کہ جس سے قرآن کریم کی دوسری آیات یا بعد کو نازل ہونے والی آیات سے تعارض واقع ہوتا ہے تو ایسا مطلب قطعاً باطل ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کا کلام ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی تعارض اور اختلاف واقع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس آیت کا وہی معنی اور مطلب صحیح ہوگا جو قرآن کریم کی دوسری آیات اور خصوصاً بعد کو نازل ہونے والی آیات سے ٹکر نہ کھاتا ہو اور مطلب بھی وہ ہو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعین رح نے اس کو پیش کیا ہو اس میں اکیلے دو کیلے مفسرین کی ذاتی رائے خواہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں (اگر وہ قابل تاویل نہ ہو تو) مردود ہوگی۔

(۵) پانچویں بات: ہم اپنے استدلال اور مخالفین کے جواب میں نص قرآنی پیش کریں گے اور اس کی تائید

Marfat.com

میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابی عوانہ اور مؤطا امام مالک کی صحیح حدیثیں عرض کی جائیں گی۔ اور مستدرک کی وہ احادیث عرض ہوں گی جن کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہوں گے۔ ان کتب کے علاوہ ہم جو حدیثیں کسی اور کتاب سے نقل کریں گے تو وہ محض شاہد اور اعتبار کے درجہ میں ہوں گی اور ہمارا استدلال ان سے نہ ہوگا۔ اور ایسی حدیثوں کو آپ یوں سمجھ لیجئے کہ۔ ع چراغِ راہ ہیں منزل نہیں ہیں

(۶) **چھٹی بات:** کتاب ہذا کے چار باب ہوں گے۔ پہلا باب قرآن کریم کے بعض واقعات (اور چند حدیثوں) پر مشتمل ہوگا۔ دوسرا باب صرف صحیح احادیث پر شامل ہوگا۔ اور تیسرا باب فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم کے فتووں اور اقوال پر حاوی ہوگا۔ اور چوتھا باب فریقِ مخالف کے پیش کردہ نقلی اور عقلی دلائل کے جوابات پر منطوی ہوگا۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اور بغور ان ابواب کا مطالعہ کریں۔ تاکہ آپ کو حق اور باطل میں نمایاں فرق نظر آجائے اور پھر حق کو قبول کرنے کے لئے ہمہ تن تیار رہیئے اور حق کے قبول کرنے سے کوئی چیز مانع اور رکاوٹ ثابت نہ ہو اور یہ کہتے ہوئے منزل مقصود کی طرف قدم اٹھائیے کہ ؎

ہزار مرحلے آئیں مگر کہیں نہ رُکے ہم آرزوئے نگاراں کے ساتھ ساتھ ہے

Marfat.com

بابِ اوّل

ہم باب اوّل میں قرآنِ کریم کے چند وہ واقعات جو صرف اُولوالعزم انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہیں، ہدیۂ قارئین کرام کرتے ہیں۔ آپ ان واقعات کو انصاف کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ ع تمنا مختصر ہے مگر تمہیدِ طولانی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ: قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر آیا ہے۔ کہ چند فرشتے (بصورتِ انسان) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان ہو کر آئے۔ انہوں نے سلام کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا۔ اور دل میں کہا قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ کوئی اجنبی لوگ ہیں۔ انہیں بٹھایا بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لا کر ان کے سامنے رکھا۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کو دیکھنے لگے۔ کھائیے! وہ خاموش ——— پھر کہا، کیوں نہیں کھاتے؟ انہوں نے پھر کھانے کو ہاتھ نہ اٹھائے۔ حضرت ابراہیمؑ ڈر گئے۔ مبادا دشمن ہوں۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے کہا تم کون ہو جو ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے؟

مہمان سمجھ گئے کہ حضرت ابراہیمؑ خوفزدہ ہیں۔ انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم فرستادۂ خدا ہیں۔ قوم لوط کے پاس (ان کی تباہی اور بربادی کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔ قرآن کریم کے اصل الفاظ اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ؕ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؕ

(پ ۱۲۔ سورۃ ھود۔ ع ۷)

اور البتہ آچکے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر۔ بولے سلام، وہ بولے سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے تک ان سے متوحش ہوئے اور کھٹکا دل میں ان سے ڈر۔ وہ بولے مت ڈر ہم (فرشتے ہیں) بھیجے ہوئے ہیں قوم لوطؑ کی طرف۔

Marfat.com

اگر ابراہیم علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ یہ تو فرشتے ہیں میرے سامنے اور میرے روبرو آسمان دنیا سے نیچے اتر کر آئے ہیں، اور پھر فلاں راستہ سے ہوتے ہوئے میرے پاس پہنچے ہیں۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کو معلوم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں تو ان کے لئے بچھڑا کیوں ذبح کیا؟ اور پھر بھون تل کر سامنے کیوں لا رکھا؟ جب معلوم ہے کہ فرشتے کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ پھر عمداً یہ مذاق ان سے کیوں کیا؟ اور دل میں ڈر کیوں پیدا ہوا؟ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حاضر و ناظر تھے۔ تو ان کو پریشانی کیوں لاحق ہوئی؟ حالانکہ اس بُرے عقیدہ کے اعتبار سے وہ فرشتوں کے ساتھ ساتھ حاضر بھی تھے اور ناظر بھی ..... اس واقعہ سے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاضر و ناظر ہونے کی تردید ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ جمیع ماکان ومایکون کا علم بھی نہیں رکھتے تھے۔ دل چاہے تو بخاری (ج ۱ ص۴۷۹) کی ایک حدیث بھی سُن لیجئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عزیز کے حکم سے جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہؑ اور شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چٹیل اور بیابان جگہ یعنی مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا اور جب باپ کو بیٹے سے ملے بہت دن گذر گئے تو محبت پدری نے جوش مارا۔ اور حکم خدا کا انتظار رہنے لگا۔ اذن خداوندی ملا تو حضرت سارہؑ سے رخصت ہوئے۔ مکہ مکرمہ کا راستہ لیا۔ آئے مکان پر گئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نہیں ملے وہ شکار کو گئے ہوئے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی اہلیہ سے حضرت ہاجرہؑ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ پوچھا ہاجرہؑ کی قبر کہاں ہے؟ اس نے ترش روئی سے جواب دیا کہ مقام حجر میں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صدمہ ہوا اور دوہرا صدمہ بی بی ہاجرہؑ کے انتقال کا اور بہو کی ترش کلامی اور بے رخی کا۔ زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ کہا۔ اپنے شوہر سے کہہ دینا۔ کہ اپنے گھر کا دروازہ بدل دیں" اور واپس ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیلؑ آئے۔ بیوی نے پیغام دیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے کہا کہ وہ تو میرے والد محترم تھے۔ اور اس پیغام کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں علیحدہ کر دوں۔ باپ کا حکم ہے۔ تعمیل ضروری ہے لہذا طلاق۔ دوسری شادی کی۔ عرصہ گذر گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر لختِ جگر کی ملاقات کو روانہ ہوئے۔ تمنائے ملاقات، شوقِ دیدار، سفر کی مشقتیں، اس پر محرومی ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کی دنیا کا کیا حال ہوگا؟ مگر وہ پیغمبر تھے۔ راضی برضا واپس چلے گئے۔ بہو کی تعریف کی اور اپنا پیام حضرت اسمٰعیلؑ کے نام چھوڑ گئے۔ بعض الفاظ اصل ملاحظہ کیجئے

Marfat.com

فجاء ابراهيم بعد ما تزوج اسمٰعيل
يطالع تركته فلم يجد اسمٰعيل فسأل
امرأته عنه فقالت خرج يبتغي
لنا ثم سأل عن عيشهم
(بخاری ج ۱ ص ۴۷۵)

جب حضرت اسمٰعیلؑ کی دوسری شادی ہو چکی۔ تو حضرت ابراہیمؑ
ان کی ملاقات کو آئے۔ تاکہ اہل وعیال کو دیکھ بھال لیں لیکن
انہیں حضرت اسمٰعیل نہ مل سکے۔ ان کی بیوی سے پوچھا اسمٰعیلؑ
کہاں ہے؟ وہ بولی ہمارے کھانے کا انتظام کرنے گئے ہیں۔
پھر اس سے گذرانِ اوقات کا سوال کیا۔ انہوں نے شکوہ وشکایات
کے دفتر کھول دیئے

کیا خوب ؎

لے گئے تھے بزم میں ان کی ایک آرزو لوٹے وہاں سے شکووں کے دفتر لئے ہوئے

قارئین کرام سمجھ چکے ہوں گے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حاضر وناظر ہوتے تو علاقہ شام سے مکہ مکرمہ تک تقریباً ایک ہزار میل کی مسافت طے کرکے انکو حالات دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو گھر رہتے ہوئے بھی دیکھ سکتے تھے۔ پھر بار بار سفر کی زحمت کیوں گوارا کی؟

لطیفہ: اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام حاضر وناظر تھے تو ملک بابل سے ہجرت کرکے شام کیوں گئے تھے؟ پھر شام سے بار بار اپنے لختِ جگر اور رفیقۂ حیات کی ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ کیوں تشریف لے جاتے رہے؟ کیونکہ جو ہر جگہ حاضر وناظر ہوگا اس کے لئے ایک جگہ کو چھوڑنا اور پھر دوسری جگہ جانا سمجھ سے بالاتر ہے اور کوئی بھی باشعور آدمی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا۔

غرضیکہ اس عقیدہ کے رُو سے انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہجرت کرنا اور نقل وحرکت کرنا وغیرہ سب باطل ٹھہرتا ہے۔ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک، نیز معراج مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک، اسی طرح جنگِ بدر، خیبر، تبوک، حنین اور طائف وغیرہ کا سفر کرنا نیز حج اور عمرہ وغیرہ کرنا بلکہ گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر تک اور مدینہ طیبہ کی ایک گلی سے دوسری گلی تک اور ایک کوچہ سے دوسرے کوچہ تک آنا جانا بالکل باطل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ جب آپ ہر جگہ حاضر وناظر تھے تو مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا کیا مطلب؟ اور جب آپ ہر جگہ

Marfat.com

حاضر تھے تو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے یکے بعد دیگرے سب آسمانوں کی ایک ہی رات میں بجسد عنصری اور بحالت بیداری سیر کرنے اور معراج کا کیا معنیٰ ؟ اس خبیث اور ناپاک عقیدہ کے بموجب نہ تو آپ مہاجر ہو سکتے ہیں اور نہ آپ صاحب معراج ہو سکتے ہیں (العیاذ باللہ)۔ غرضیکہ آپ کے تمام سفر جو ہجرت، جہاد، معراج اور حج وغیرہ کے لئے ہوئے تھے۔ سب کا انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب آپ ہر ایک جگہ حاضر و ناظر تھے تو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد بھی مکہ مکرمہ میں ہی رہے پھر ہجرت کیسی! وعلیٰ ھذا القیاس دوسری اشیاء کو بھی اسی پر قیاس کیجئے اور اس سے ان بناسپتی حنفیوں اور گندم نما جو فروش مجبوّں کی عقیدت اور محبت کا تو اندازہ کر لیجئے کہ ایک طرف تو قرآن کریم اور صحیح حدیث کا انکار کیا جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کی ہجرت، معراج، جہاد اور حج وغیرہ کا صاف انکار لازم آتا ہے۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نوٹ: مولوی محمد عمر صاحب کا مقیاس حنفیت ص ۳۲۳ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عالم الغیب ہونے پر رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ آلایۃ سے اور وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ الآیۃ سے استدلال کرنا صرف مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کام ہے ان کے نزدیک کچھ نہ کچھ کہہ دینا اور لکھ دینا ہی استدلال اور جواب تصوّر ہوتا ہے ان کو اس سے مطلق کوئی غرض ہی نہیں ہوتی کہ دعویٰ اور دلیل میں تطابق ہے یا نہیں؟ ان کا اس پر خوب عمل ہے کہ "ملّاں آں باشد کہ چیپ نشود"۔ مسئلہ علم الغیب پر راقم کی کتاب اِزَالَۃُ الرَّیْب ملاحظہ کریں وہاں اسکی مفصل بحث ہے۔ **حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ:** قرآن کریم میں ان کا واقعہ بھی مختلف اسالیب اور متعدد مقامات میں بیان کیا گیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ چند فرشتے (حضرت جبرائیلؑ، حضرت میکائیل اور حضرت اسرافیل علیہم السلام مگر حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو بشر اور انسان خیال کیا، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۷۹) خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان بن کر آئے۔ قوم لواطت اور بدکاری میں مشہور تھی۔ قوم نے سنا تو رہ نہ سکی۔ بھاگتی ہوئی آئی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کو دیکھا۔ گھبرائے۔ مگر خاموش دل کی دنیا میں اتار اور چڑھاؤ۔ چہرہ پر غمی کے آثار۔ قوم کو سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ ارادہ بد سے باز آجاؤ

مجھے مہمانوں کے بارے میں تنگ نہ کرو، نہ ستاؤ۔ مگر قوم تھی کہ ان پر بدفعلی کا بھوت سوار تھا۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام نے معقول وجہ سے سمجھایا۔ مگر قوم کی وہی ضد اور اصرار۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی تین صلبی بیٹیاں (جیسا کہ مستدرک ج ۲ ص ۳۴۴ میں ہے) پیش کرتے ہیں۔ یا قوم کی لڑکیوں کو پیار اور شفقت سے بیٹیاں کہا اور ویسے بھی پیغمبر قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے اور فرماتے ہیں ان سے نکاح کر لو۔ تمہارے لئے یہ بہتر ہوگا۔ مگر قوم کہتی ہے کہ ہمیں لڑکیوں سے کیا تعلق؟ آپ ہمارا مقصد اور ارادہ جانتے ہی تو ہیں۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا تو حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کاش آج میرے پاس قوت اور طاقت ہوتی۔ تو میں تمہیں بتا دیتا کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کس طرح کی جاتی ہے۔ فرشتے یہ سب کچھ سنتے ہیں مگر ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی بے بسی کی انتہا ہو چکی تو فرشتے کہتے ہیں۔ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ ہم تو اللہ کے فرستادہ ہیں۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِیٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ۔

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس تو وہ غمگین ہوا ان کے آنے سے اور تنگ ہوا دل میں اور بولا آج کا دن بڑا ہی سخت دن ہے۔

چند آیات کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ۔

(پ ۱۲۔ سورۃ ھود۔ رکوع ۷)

فرشتے بولے اے لوطؑ ہم تو (انسان نہیں بلکہ) تیرے رب کے فرشتے ہیں۔ ہرگز یہ نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک یعنی آپ کو جو اپنے مہمانوں کی بے عزتی کا ڈر اور خوف ہے وہ دل سے نکال دیجئے ہم تو فرستادۂ خدا ہیں۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ یہ وہی فرشتے ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق کی خوشخبری سنائی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ ہم قوم لوطؑ کی طرف روانہ کئے گئے ہیں۔ تاکہ اس کا خاتمہ کر دیں۔ اگر حضرت لوط علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ یہ وہی فرشتے تو ہیں جو آسمانِ دنیا سے میرے سامنے نازل ہوئے ہیں۔ اور وہی تو ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سنانے کے بعد یہ کہا تھا کہ

ہم فرشتے ہیں اور قوم لوطؑ کی گت بنانے جاتے ہیں۔ مگر حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی اور پھر اپنی بیٹیوں کی قربانی اور طاقت اور قوت کے فقدان کے لئے افسوس کرنا! یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے ایک حق پرست کی رہنمائی آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ مگر ضدی اور ہٹ دھرم کے لئے دفتر بھی بیکار ہیں۔ یہ چیز بھی بھول جائیے کہ یہ وہ وقت ہے جب کہ حضرت لوطؑ اپنی قوم پر اتمام حجت کر چکے ہیں۔ اور اپنی پیغمبرانہ ڈیوٹی ادا کر چکے ہیں۔ مومنوں کی نجات اور کافروں کی تباہی کا وقت سر پر کھڑا ناچ رہا ہے اور گویا یوں کہہ رہا ہے کہ ؎

غنیمت جان لوں بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

اس واقعہ سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ حضرت لوط علیہ السلام کو جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود ماکان ومایکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ وہ اتنے پریشان نہ ہوتے مگر ان کی یہ پریشانی اور دلگیری آپ کے سامنے ہی تو ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ: قرآن کریم میں ان سے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی اور فراق کا قصہ مفصل موجود ہے۔ اور اس کو قرآن کریم نے احسن القصص یعنی بہترین قصہ اور بیان کہا ہے واقعہ یوں پیش آیا۔ کہ حضرت یوسفؑ نے بچپنے میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند ان کے سامنے سربسجود ہیں۔ نبی کا خواب تھا اپنے اندر حقیقت رکھتا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خواب کا پس منظر سمجھ لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو منع کر دیا کہ اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا مبادا کہ وہ تجھے اذیت پہنچائیں۔ کیونکہ انسان ہیں اور بشر، قدرت کا کام دیکھئے کسی طریق سے اس خواب کا علم بھائیوں کو بھی ہو گیا۔ وہ خانوادۂ نبوت کے چشم و چراغ تھے۔ سمجھ گئے کہ اس خواب میں کیا کیا رمزیں ہیں۔ ستاروں اور سورج کا مصداق بھی سمجھ ہی گئے مشورہ ہوا کہ یوسفؑ کو قتل کر دو تاکہ تمہارے اوپر فوقیت اور مرزیت کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ آخر لے دے کے بعد معاملہ طے پایا کہ اس کو کسی گمنام کنوئیں میں ڈال کر توبہ کر لو۔ مجلس مشاورت اور میٹنگ کے بعد اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم کل سیر و سیاحت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ہمارے بھائی یوسفؑ کو بھی ہمارے ہمراہ بھیج دیجئے۔ تاکہ وہ بھی شغل میلہ دیکھ آئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ چونکہ ہمارے ملک میں بکثرت بھیڑیئے ہیں اس لئے کہیں میرے فرزند کو تمہاری

Marfat.com

غفلت میں بھیڑیا نہ کھا جائے۔ بیٹوں نے کہا۔ بھیڑیا ہمارے عزیز بھائی کو کھا جائے ——— ہم کہاں ہونگے، اگر ایسا ہوا تو ہم تو گویا دنیا میں رہنے کے قابل ہی نہیں۔ باپ نے ان کی بات پر یقین کر لیا اور یوسفؑ کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ وہ ان کو لے گئے اور ایک گمنام گہرے کوئیں میں ڈال آئے حضرت یوسفؑ نے اس وقت اپنے بڑے بھائیوں سے رحم کی کیا کچھ اپیل نہ کی ہوگی۔ اگر اور نہ سہی تو کم از کم یہی کہا ہوگا کہ مجھے میرے لئے نہیں اپنے بوڑھے اور ضعیف باپ کے لئے ہی چھوڑ دو۔ جو تمہارا بھی باپ ہے اور نرا باپ ہی نہیں بلکہ پیغمبر خدا بھی ہے، اے میرے بھائیو! جب تم واپس جاؤ گے اور وہ مجھے نہ دیکھے گا تو اس پر کیا گذرے گی؟ مگر بھائی بڑے تنگ دل بلکہ سنگ دل واقع ہوئے تھے ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور وہ حضرت یوسفؑ کے قمیص پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے آئے کہ ابّا جان ہم مسابقت کر رہے تھے اور بھائی یوسفؑ کو اپنے کپڑوں اور سامان کے پاس چھوڑا تھا۔ افسوس کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ یہ اس کا قمیص ہے خون آلودہ آپ مانیں یا نہ مانیں بات سچی یہی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت دیکھئے اور یوسفؑ کی کس مپرسی ملاحظہ کیجئے۔ نئی عمر، گہرا کنواں، تنہائی اور تاریکی، وحشت ہر طرف سے گھیرے ہوئے۔ دہشت ہر جانب منڈلاتی ہوئی تصور کی عینک سے دیکھو۔ اس وقت غریب یوسف کا کیا حال ہوگا۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ	بھیج یوسفؑ کو ہمارے ساتھ کل خوب کھائے اور کھیلے اور ہم اس کے
لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا	نگہبان ہیں حضرت یعقوبؑ نے فرمایا۔ مجھ کو غم ہوتا ہے اس سے کہ تم
بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ	اس کو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم
غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ	اس سے بے خبر رہو بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم ایک جماعت
اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ (پ ۱۳۔ سورۃ یوسف رکوع ۲)	ہیں قوت در تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی نہ تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور قرآن کریم میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ بظاہر اسی کی تائید کرتا ہے اور دوسرے ان کو نبی تسلیم کرتے ہیں اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو (جو اگرچہ موقوف

Marfat.com

ہے لیکن معنی مرفوع ہے جس کو امام حاکمؒ مستدرک میں روایت کرتے ہیں (دیکھئے ج ۲ صـ۵۷۲) اور جس کی تصحیح امام حاکم اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں) آپ تسلیم کرلیں تو دوسرے گروہ کی تائید ہوجاتی ہے مضمون اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کے گھرانے کے کل افراد جو کنعان سے مصر آئے تھے ان کی تعداد تین سو نوے تھی جس میں بچے بوڑھے مرد اور عورتیں شامل تھیں (رجالھم انبیاء ونسائھم صدیقات) مرد سب نبی اور عورتیں سب سچی تھیں۔ ان میں حضرت یوسفؑ کے سب برادر بھی تھے۔ الغرض ان کے مومن ہونے میں تو کسی کو کسی طرح کا کوئی کلام نہیں ہے۔ صرف ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔ اب پوچھنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت یعقوبؑ حاضر و ناظر ہوتے تو جب ان کے صاحبزادوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کا مشورہ کیا تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ قصہ معلوم ہونا چاہیئے تھا۔ اور پھر جب بھائی کنوئیں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈال آئے تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام جاکر ان کو نکال لاتے۔ کیونکہ ان کے سامنے ہی تو وہ کنوئیں میں ڈالے گئے تھے جب حاضر و ناظر تھے۔ تو ان کو یہ سب ماجرا معلوم ہونا چاہیئے تھا۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر کے مومن بیٹوں کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ ہمارے باپ جو خدا کے نبی ہیں حاضر و ناظر ہیں۔ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا تو اس قسم کی سازش وہ ہرگز نہ کرتے۔ کیونکہ ان کو معلوم ہوتا کہ ہمارے باپ سے ہمارا کونسا عمل غائب اور پوشیدہ رہ سکتا ہے وہ تو ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور پھر حضرت یعقوبؑ ہیں جو تقریباً چالیس برس تک پریشان رہے (دیکھئے مستدرک ج ۴ صـ۳۹۶)

آہ! حضرت یعقوب علیہ السلام پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹا اور بری طرح ٹوٹا۔ آہ و نالہ، خدا سے فریاد، یوسف کی سلامتی کی دعا، حسین بیٹے کی صورتِ زیبا کا تصور، جدائی کا خیال، غربت کا احساس، موت و حیات کا اندیشہ ایک دل اور وہ بھی غمزدہ اور ہزاروں آفتیں اور دردناک کیفیتیں۔ ع وائے بر صیدِ کہ یک باشد و صیاد چند

حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہر وقت یہی خیال ہے کہ کہاں ہے یوسفؑ؟ آنکھوں کا نور، دل کا سرور، نورِ نظر، لختِ جگر، دل کا چین ——— کہاں ہے میرا چین۔ کہاں ہے میرا صبر و قرار۔ کہاں ہیں میرے ہوش و حواس — آہ! یوسفؑ۔ حسین و جمیل یوسفؑ تو کہاں ہے؟ کہاں جاؤں اور تجھے کہاں سے پاؤں، رو رہے ہیں اور بے تحاشا رو رہے ہیں۔ اب آؤ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کے غمکدے میں چھوڑ دو۔ اور چلو مصر کی

Marfat.com

جانب، جدھر کو قافلہ گیا ہے۔ اسمٰعیلیوں کا قافلہ۔ وہ تجارتی قافلہ، جس کے ہاتھ یوسفؑ سا حسین بکا وہ دیکھو ——— پیغمبر زادہ مصر کے بازار میں کھڑا ہے۔ چاند کا سا خوبصورت چہرہ۔ موہنی صورت، کٹارہ سی آنکھیں، سڈول بدن، موزوں قد و قامت، چہرے پر نور بک رہا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لاڈلا حضرت اسحٰقؑ کا پوتا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پرپوتا۔ اور قدرت کے اسرار پر کیسے آگاہی اور خدائی رازداریوں تک کس کی رسائی۔ چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں۔ بس بک رہا ہے خانوادۂ نبوت۔ مگر حضرت یعقوبؑ بے خبر ہیں معلوم تک نہیں کہ میرا یوسفؑ کہاں ہے۔ حاضر و ناظر ہوتے تو سب کچھ دیکھ لیتے۔ اپنے لختِ جگر کو کوئیں سے نکال لاتے۔ قافلہ سے چھین لیتے۔ مصر سے لے آتے۔ مگر افسوس! کچھ بھی نہ ہوا۔ اور پھر قدرت کا کرشمہ دیکھئے جو مصر میں بکا وہ بادشاہ بنا۔ رفتہ رفتہ بھائیوں سے ملاقات ہوئی۔ بھانڈا پھوٹا حقیقت کھل گئی۔ باپ سے ملنے کی آرزو نے بیقرار اور بے چین کر دیا۔ قاصد کے ہاتھ اپنا قمیص مصر سے ارسال کیا کہ میرے باپ کے مُنہ پر ڈالنا ان کی آنکھیں درست ہو جائیں گی۔ مگر باذنِ خداوندی حضرت یعقوب علیہ السلام گھر والوں سے کہہ رہے ہیں مجھے یوسفؑ کی خوشبو آتی ہے۔ اگر تم مجھے بڈھا فرتوت کہہ کر میری بات کو ٹال نہ دو۔ صد آفریں ہے شیخ مصلح الدین سعدیؒ کہ انہوں نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند

بمصرش بوئے پیراہن شمیدی — چرا در چاہ کنعانش ندیدی

بگفت احوالِ ما برق جہاں است — دمے پیدا و دیگر دم نہاں است

گہے بر طارمِ اعلےٰ نشینیم — گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینیم

اس واقعہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے جمیع ما کان و ما یکون کے عالم ہونے کی بھی صاف نفی ہو گئی۔

نوٹ: خواب کے پیشِ نظر اجمالی طور پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسفؑ کی زندگی کا علم اور امید تھی وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ مگر تفصیل کے ساتھ کچھ علم نہیں یوسفؑ کہاں ہیں؟ اور ان کے ساتھ کیا گذری ہے؟ اور بیٹوں کی کاروائی کا صحیح علم بھی نہ تھا۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ صحیح و سالم

قمیص پر جھوٹا خون دیکھ کران کو ضرور شک ہوا تھا۔ اور بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا۔ اسی لئے فرمایا تھا۔ لیکن بیٹوں کے مکر اور فریب کی پوری حقیقت بالکل معلوم نہیں تھی لہذا مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ کا استدلال سراسر باطل ہے اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے ان جملوں سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب پر جو استدلال کیا ہے (دیکھئے جاء الحق صفحہ ۱۲۳) تو وہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ مزید پوری تشریح اِزَالَۃُ الرَّیْب میں دیکھئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ: قرآن کریم میں ان کا واقعہ صاف طور پر مذکور ہے لیکن ان آیات کی تفسیر کے لئے بجائے اس کے کہ آپ مفسرین کی طرف رجوع کریں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر جو صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۶۸۰ اور صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۲۶۹ وغیرہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ فرمائیے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک بھرے ہوئے مجمع میں تقریر فرما رہے تھے۔ پیغمبر خدا کی تقریر تھی دلپذیر، دلکش اور مؤثر۔ کسی نے سوال کیا کہ کیا کوئی آپ سے بڑا عالم بھی موجود ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں۔ جواب اگرچہ اپنے موقع پر صحیح تھا، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی تھے اور صاحب کتاب و صاحب شریعت نبی۔ ان سے بڑا عالم اسوقت کون ہو سکتا تھا۔ لیکن بارگاہِ خداوندی میں مقربین کی زبان سے انانیت کو پسند نہیں کیا جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر یوں فرما دیتے کہ ہاں اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا عالم ہے۔ تو ان کا جواب اللہ تعالیٰ کو بہت ہی پسند آتا۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ارشاد ہوا کہ ہمارا ایک بندہ ہے خضر نامی۔ مجمع البحرین میں تجھے ملیگا۔ اس سے کچھ دن جا کر بعض تکوینی امور سیکھ آؤ۔ (کیونکہ تشریعی امور میں تو رسول اور نبی بواسطہ فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علوم اخذ کرتے ہیں) حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ اے بارِ الٰہا مجھے کس طرح اس کی ملاقات نصیب ہوگی۔ جواب ملا۔ اپنے ساتھ ایک بیجان مچھلی (نُوناً میتاً بخاری) لے جاؤ۔ جہاں اس میں جان پڑ جائے گی اور جہاں وہ تم سے الگ ہو جائے گی، اسی مقام پر وہ بندہ تمہیں ملیگا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک رفیقِ خاص حضرت یوشع بن نونؑ کو ساتھ لیا۔ کچھ زادِ راہ بھی تھیلے میں ڈال لیا۔ مچھلی لی اور چلتے بنے۔ خلاصہ یہ کہ منزلِ مقصود تک پہنچے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر کے سایہ میں آرام کرنے لگے۔ خادم نے دیکھا کہ مچھلی زندہ ہو چکی ہے۔ اچھل کود کر پانی میں جا پڑی۔ اور عجیب و غریب طریقہ سے پانی میں سرنگ نکالتی ہوئی نظر سے غائب ہو گئی۔ حضرت موسیٰؑ

اٹھے اور سفر کی تھکان لی خادم اور رفیق کو مچھلی والا قصّہ ہی یاد نہ رہا۔ جب کچھ مسافت طے کی اور آگے نکل گئے تو موسیٰ علیہ السلام کو تھکان اور بھوک نے ستایا۔ فرمانے لگے لاؤ بھیّا ناشتہ۔ جب رفیق نے تھیلے سے ناشتہ نکالنا چاہا تو مچھلی والا قصّہ یاد آگیا۔ عاجزی اور لجاجت سے وہ قصّہ سنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جہاں مچھلی غائب ہوگئی تھی وہی جگہ تو ہماری منزلِ مقصود تھی۔ اپنے پاؤں کے نشانات تلاش کرتے کرتے اسی مقام پر پھر آ پہنچے۔ کیونکہ زمین گول ہے۔ دیکھا کہ ایک بندۂ خدا چادر اوڑھ کر آرام کر رہا ہے۔ اس کے پاس گئے اور سلام کیا۔ وہ بندہ بولا۔ اس زمین پر سلام کہنے والا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں موسیٰ ہوں۔ اس بندۂ خدا نے کہا کیا وہ موسیٰؑ جو بنی اسرائیل کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؟ فرمایا جی ہاں وہی موسیٰ۔ تو آپ یہاں کیوں آئے؟ جواب ملا۔ اس لئے کہ جناب سے کچھ علمی اور تحقیقی باتیں حاصل کروں۔ خضر علیہ السلام نے بڑی کڑی شرطیں لگائیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلیم کرنا پڑیں۔ نوبت بایں جا رسید کہ کشتی پر دونوں کو سفر کرنا پڑا۔ ایک چڑیا آئی اور دریا سے پانی کا قطرہ اٹھایا۔ حضرتِ خضر علیہ السلام نے استاد کی حیثیت سے فرمایا اے موسیٰؑ! وہ بولے جی ہاں۔ فرمایا مخلوق کے علم کی نسبت خالق کے علم کی طرف ایسی ہی سمجھ لو جیسے اس چڑیا کے منہ کا پانی اور سمندر کا پانی ایک قطرہ اور دریا۔ چہ نسبت دارد۔ اور یہ بھی محض سمجھانے کے لئے فرمایا۔ ورنہ متناہی اور غیر متناہی میں کیا نسبت! محدود اور غیر محدود کا کیا تقابل؟

پھر ارشاد ہوا۔

یا موسیٰ انی علی علم من علم اللہ علّمنیہ لا تعلمہ انت وانت علی علم من علم اللہ علّمکہ اللہ لا اعلمہ (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۸۸)	یعنی اے موسیٰ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے جس کو تو نہیں جانتا اور تجھے خدا تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا ہے جس کو میں نہیں جانتا

قرآن کریم میں یوں ارشاد ہے:-

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ	پھر جب آگے چلے کہا موسیٰؑ نے اپنے نوجوان کو لا ہمارا کھانا ہم نے پائی اس سفر میں تکلیف۔ بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے اپنی جگہ پکڑی پتھر کے ساتھ سو میں بھول گیا مچھلی اور مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے

Marfat.com

سَبِيلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا۔ (پ۱۵۔ کہف۔ ع۹)

کرلیا اپنا راستہ دریا میں عجیب۔ کہا موسیٰؑ نے یہی ہے جو ہم چاہتے تھے۔ پھر الٹے پھرے پاؤں کے نشان ڈھونڈتے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حاضر و ناظر نہ تھے ورنہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ ہمارا ایک بندہ ہے جو فلاں جگہ ہے۔ اس سے جاکر ملاقات کرو۔ تو اس پر موسیٰ علیہ السلام کو علامت طلب کرنے کی اور اللہ تعالیٰ کیطرف سے مچھلی کو علامت اور نشانی مقرر کرنے کی نوبت ہی نہ آتی؛ اور پھر منزلِ مقصود سے آگے نکل جانے کی غلطی کیوں کی؟ کیا حاضر و ناظر پاس موجود ہوتے ہوئے اور سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اپنی منزلِ مقصود سے آگے نکل جایا کرتا ہے؟ اور اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی حاضر و ناظر نہ تھے۔ ورنہ جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے مجمع میں تقریر کرتے دیکھا، اور پھر راستہ چلتے دیکھا اور منزلِ مقصود سے آگے نکل کر پھر الٹے پاؤں آتے دیکھا۔ اور ہر ہر قدم پر ان کے ساتھ حاضر بھی رہے۔ تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیوں فرماتے ہیں کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے؟ اور کیوں آئے؟ اور پھر جواب ملنے پر یہ کیوں فرماتے ہیں کہ کیا تم بنی اسرائیل کے رسول حضرت موسیٰ ہو؟ اس واقعہ سے جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے حاضر و ناظر اور جمیع ما کان اور ما یکون کے عالم ہونے کی صاف طور پر نفی ثابت ہے، (مولوی محمد عمر صاحب نے جو حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی کی ایک تختی اکھاڑنے۔ لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار بنانے سے ان کے علم غیب پر استدلال کیا ہے (مقیاس ص۳۲۷) تو یہ ان کی سخت جہالت ہے، قرآن میں ہے کہ حضرت خضرؑ نے ارشاد فرمایا۔

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ (پ۱۶۔ کہف۔ رکوع ۱)

کہ کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ وحی یا الہام سے ایسا ہوا۔ اور یہ بحث سے بالکل خارج ہے۔)

اس سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام (جو بعد کو نبوت سے سرفراز ہوئے تھے) کے عقیدہ کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا کہ پیغمبر حاضر و ناظر اور ما کان اور ما یکون کے عالم ہوتے ہیں۔ تو جس وقت مچھلی کو بطور علامت پاس رکھا تھا۔ فرما دیتے حضرت آپ تو حاضر و ناظر ہیں۔ آپ سے کون سی چیز مخفی ہے۔ اس مچھلی کے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی ایک ہی واقعہ سے سب کچھ حل ہو سکتا ہے مگر ؎

Marfat.com

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں　　اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصّہ : ان کا واقعہ بھی قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانوں، حیوانوں، پرندوں اور جنّات وغیرہ مختلف مخلوقات پر حکومت اور سلطنت کرنے کا حق عطا فرمایا تھا۔ اور ان کی فوجوں کے مختلف محکمے تھے۔ اور ان کی باقاعدہ حاضری ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی تو ہُدہُد نظر نہ آیا۔ فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ وہ مجھے نظر نہیں آتا یا واقعی وہ غائب ہے۔ اگر ہُدہُد اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ نہ بتا سکا۔ تو میں اس کو سخت سزا دوں گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی حکم عدولی پر میں اسے ذبح ہی کر دوں، تھوڑی ہی دیر گذری کہ ہُدہُد آیا۔ اور اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کی کہ میں ملک سبا کو چلا گیا تھا۔ وہاں کے کچھ ایسے ہوش رُبا اور دل کش حالات اور معلومات فراہم کر کے لایا ہوں کہ آپ کو ان کی خبر تک نہیں۔ ہُدہُد سے پوچھئے کہ اے گستاخ اور بے ادب دیباک تو نے یہ کیا کہہ دیا۔ کہ مجھے ملک سبا کا حال معلوم ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو خدا کے پیغمبر، حضرت داؤدؑ کے لاڈلے۔ تاج و تخت کے مالک ہوا پر حکومت کرنے والے اور جنّات پر تسلط رکھنے والے ہیں۔ ان کو یہ علوم نہیں ہے؟ اے ہُدہُد تو نے غضب ڈھایا حضرت سلیمان کی جلالتِ شان اور عظمت کا خیال نہ کیا۔ ان کے علم کو تو نے گھٹایا۔ ناپا اور تولا۔ چل سے ہُدہُد تو بھی دہابی ہو گیا؟ گستاخ اور بے ادب ہو گیا۔ عاشقوں اور محبوبوں کے رجسٹر سے تیرا نام خارج ہو گیا ہے قرآن کریم کے بعض الفاظ ملاحظہ کیجئے :۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ۝

(پ ۱۹ - نمل - رکوع ۲)

اور حاضری لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہُدہُد کو یا ہے وہ غائب۔ اس کو سزا دوں گا سخت سزا یا ذبح کر ڈالوں گا۔ یا لائے میرے پاس سند صریح پھر بہت دیر نہ کی۔ کہ ہُدہُد نے آ کر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں میں تیرے پاس ملک سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر۔

ہُدہُد بیچارا یہ سب کچھ کہہ چکتا ہے۔ مگر حضرت سلیمان علیہ السلام کو پھر بھی یقین نہیں آتا فرماتے ہیں کیا معلوم

Marfat.com

تو سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ۔ میرا یہ خط لے جا۔ اور سبا والوں سے اس کا جواب لے آ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہُدہُد گیا اور جواب لایا۔ اور بالآخر ملک سبا والوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم کے سامنے جھکنا ہی پڑا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو ملک سبا کا ضرور علم ہوتا۔ کیونکہ حاضر و ناظر کی نگاہ سے کیا چیز مخفی رہ سکتی ہے۔ پھر ہُدہُد کے بتلانے پر کیوں یقین نہ آیا۔؟ اور جب ہُدہُد غائب تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے پریشان کیوں ہوئے۔ کہ کیا وجہ ہے کہ ہُدہُد یہاں موجود نہیں یا مجھے نظر نہیں آتا۔ اگر حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ ہُدہُد فلاں جگہ موجود ہے۔ ابھی آجائے گا۔ اور پھر یہ بھی نہ بھولیں جائیے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو یہ کیوں فرماتے۔

مَالِیَ لَا اَرَی الْھُدْھُدَ۔ کیا ہو گیا ہے کہ مجھے ہُدہُد نظر نہیں آتا۔

کیا حاضر و ناظر کی نظروں سے بھی کوئی چیز اوجھل اور غائب ہوا کرتی ہے؟ نیز اگر حاضر و ناظر ہوتے تو حاضری کیوں لیا کرتے تھے؟ اس واقعہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے علم کی بھی نفی ہو گئی۔ قارئین کرام! ان واقعات میں سے ایک ایک واقعہ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے مگر کیا بعید ہے کہ مخالفین یہ ارشاد فرما دیں کہ۔ ؏

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

مولوی محمد عمر صاحب اس کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے بھی تم نے سلیمان علیہ السلام کے عدمِ علم کی دلیل اخذ کی ہے۔ حالانکہ تمہارا یہ دلیل اخذ کرنا کجروی ہے کیونکہ آپ کا ناواقف ہونا ثابت ہوتا تھا کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے تو جب آپ نے اس پرندے کو جو مجلس سے غیر حاضر تھا اسی کو فرمایا کہ میں آج مجلس میں دیکھتا نہیں ہوں کیا بات ہے؟ کیونکہ اگر غیر حاضر کو بلا اظہارِ سبب اپنے علم پر ہی موقوف رکھتے تو شاہی عدالت کے خلاف تھا کیونکہ دوسرے وقتوں میں کئی اور بلا وجہ غیر حاضر ہو جاتے الخ (مقیاس حنفیت ص۲۱۶)

مولوی محمد عمر صاحب کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ سبحان اللہ وہ دل میں بڑے ہی خوش ہوں گے اور ان کے حواری بغلیں بجاتے ہوں گے۔ کہ واہ واہ مولوی صاحب نے کمال کر دیا (بلکہ کمال کی ٹانگ ہی توڑ دی) مولوی صاحب ذرا ہوش میں آکر فرمائیے کہ یہ آپ نے کیا کہہ دیا ہے، کہ آپ کا ناواقف ہونا ثابت ہوتا تھا

Marfat.com

کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے۔ کیا اس واقعہ سے ناواقفی صرف اس بات پر ہی موقوف ہے۔ کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے۔ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان الفاظ سے اِس واقعہ سے ناواقفی ثابت نہیں ہوتی ؟ کہ

مَالِیَ لَا اَرَی الْھُدْھُدَ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَائِبِیْنَ ۝

کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا ؟ یا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے ؟

کیا خدا تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر اور تاج و تخت کے مالک اور خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے نے جانتے ہوئے اور دیکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا ؟ (العیاذ باللہ) عالم ہو کر اور حاضر و ناظر ہو کر نہ دیکھنا چہ معنی دارد ؟ باقی شاہی انتظام اپنے مقام پر صحیح ہے اس سے بحث نہیں ہے۔ بحث صرف اس سے ہے کہ خدا کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو جانتے اور دیکھتے ہوئے یہ کیوں فرمایا مَالِیَ لَا اَرَی الْھُدْھُدَ کہ یہاں ہوتے ہوئے وہ مجھے نظر نہیں آتا یا وہ حقیقۃً غائب ہے۔ عالم کُل اور حاضر و ناظر سے کیا چیز غائب ہوتی ہے ؟

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ۔ اسی طرح ہُدہُد کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہا، فرمایا کہ واقعی اُن کو خبر نہ تھی۔ ہُدہُد سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ ہوگی یہ کہہ دیا لہٰذا اس سے سند نہیں پکڑی جا سکتی (بلفظہٖ جاء الحق ج ۱۶ ص ۱۶۰) مگر مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ اگر واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوتا تو وہ ہرگز یہ نہ فرماتے : کہ

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ ۝

سلیمان علیہ السلام نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔

کیا خدا کے نبی نے علم رکھتے ہوئے اور ہُدہُد کا بیان سُنتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹ ! میرا یہ خط لے جا اور اس کا جواب لے آ۔ اور مفتی صاحب ہی از راہِ انصاف یہ فرمائیں کہ کیا یہ قرآن کریم ہی کی آیت ہے یا نہیں ؟ مفتی صاحب ایک وقت آنے والا ہے جس میں

خدا کی عدالت میں رتی رتی کا حساب ہوگا۔ اور دنیا کی ناپائیدار وجاہت اور حلوے مانڈے سب فراموش ہو جائیں گے۔ اور وہاں پتہ چلیگا کہ ؎

خوردنِ تو مرغ مُسلّم دمے　　بہتر از و نانکِ جوینِ ما

اگر آپ کو حضرت داؤد علیہ السلام سے متعلق بھی کوئی حوالہ درکار ہو تو وہ بھی سُن لیجئے۔

بخاری ج ۱ ص۴۸۷ اور مسلم ج ۲ ص۷۷ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو بیبیاں تھیں۔ ایک عمر رسیدہ اور سال خوردہ اور دوسری نو عمر اور جوان سال۔ دونوں کے ہاں لڑکے تھے اور وہ دونوں غفلت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ بھیڑیا آیا اور ایک کے لڑکے کو اٹھا کر لے گیا۔ جو لڑکا باقی رہ گیا تھا اس پر دونوں کا جھگڑا اور اختلاف ہوا۔ چھوٹی بی بی نے کہا کہ یہ بچہ میرا ہے تیرے بچے کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا ہے۔ اور بڑی نے کہا نہیں بلکہ یہ بچہ تو میرا ہے۔ جس کو بھیڑیا لے گیا ہے وہ تیرا تھا۔ دونوں اپنا جھگڑا حضرت دلؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں۔ بڑی چونکہ عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھی اس نے واقعہ بیان کرنے میں ایسا طریقہ اور ڈھنگ اختیار کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بات کو سچا سمجھ لیا اور بچہ اس کو دلوا دیا۔ واقعہ اور حقیقت میں وہ بچہ چھوٹی کا تھا۔ جب دربار داؤدی سے فیصلہ ہو چکا۔ تو چھوٹی کے دل کی کیفیت کا اندازہ وہ لوگ بخوبی کر سکتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اولاد کے فراق سے آزمایا ہے۔ کیا بعید ہے کہ اس بیچاری کے آنسو بھی نکل آئے ہوں، جب اس کی بے چینی اور اضطراب کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملاحظہ کیا تو وہ سمجھ گئے کہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ اپنے والد محترم سے اجازت طلب کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں ان کا اس سے بہتر فیصلہ کر دوں۔ جواب ملا۔ لختِ جگر تمہیں حق ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خادم کو کہا چھری لاؤ۔ حکم تھا۔ چھری لائی گئی وہ دونوں بیبیوں سے فرمانے لگے۔ اچھا میں اس بچہ کو دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا تمہارے حوالہ کر دیتا ہوں۔ جب ان بیبیوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام ایسا کر گزریں گے تو بڑی بی بی خاموش ہو گئی۔ ممکن ہے یہ کہتی ہو کہ۔ ع شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی۔ لیکن چھوٹی کو یہ کب گوارا تھا کہ اس کا جگر گوشہ اس کے سامنے دو ٹکڑے کر دیا جائے۔ وہ بولی! حضرت آپ یہ بچہ اس بڑی ہی کو

دے دیں۔ کبھی کبھی تو دیکھ ہی لیا کروں گی)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس طریق اور حکمت عملی سے معاملہ بالکل صاف ہوگیا اور حقیقت کھل گئی۔ اور بچہ چھوٹی بی بی کے حوالہ کرکے حق بحق دار رسید پر عمل ہوا۔

اس بیچاری کو کھویا ہوا خزانہ مل گیا اور شاداں اور فرحاں واپس ہوئی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام حاضر و ناظر اور ما کان و ما یکون کے عالم ہوتے تو ان کو ضرور معلوم ہوتا۔ کہ یہ بچہ تو چھوٹی بی بی سے پیدا ہوا ہے۔ میرے سامنے اور میری حاضری ہی میں تو اس کو اس کی ماں نے دردزہ کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے جنا ہے۔ اور میرے دیکھتے دیکھتے بھیڑیا تو بڑی بی بی کے بچہ کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ یہ بچہ تو چھوٹی کا ہے۔ پھر نہ معلوم حضرت داؤد علیہ السلام نے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے حق تلفی کا فیصلہ کیوں صادر فرمایا؟ (العیاذ باللہ) اور اگر حضرت سلیمان علیہ السلام بھی حاضر و ناظر ہوتے تو انہوں نے حکمت عملی کی زحمت کیوں گوارا کی؟ اور پہلی ہی بار چھوٹی کو کیوں نہ بچہ دلوا دیا؟ کچھ تو فرمائیے کہ قصہ کیا ہے ممکن ہے فریقِ مخالف ہمیں یہی سنا دے کہ ؎

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

یہ تو قرآن کریم اور صحیح احادیث کے ارشادات تھے اور تھے بھی صرف انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق۔ اب آپ ذرا فریقِ مخالف کی خوش گپیاں بھی ملاحظہ کیجئے اور دیکھ لیجئے کہ ان کو بزرگانِ دین سے کتنی عقیدت اور کیسی محبت ہے۔ فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت مجدد وقت مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنی مشہور کتاب ملفوظات حصہ دوم ص۴۹ میں رقمطراز ہیں۔

"اپنی سیدی احمد سلجماسی کے دو بیویاں تھیں۔ سیدی عبدالعزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی یہ نہیں چاہیئے۔ عرض کیا حضور وہ اس وقت سوتی تھی۔ فرمایا سوتی نہ تھی۔ سوتے میں جان ڈال لی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا؟ عرض کیا ہاں ایک پلنگ خالی تھا۔ فرمایا اس پر میں تھا" تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے"

بعض بزرگانِ دین کو کشف اور الہام سے کسی واقعہ کا علم ہو جانا قواعد شرعیہ کے تحت صحیح ہے۔ اور

اس کا انکار کرنا باطل ہے۔ مگر ہمیں تو خاں صاحب کی اس تفریع اور خط کشیدہ الفاظ سے اختلاف ہے کہ تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے۔ اور ہر دیانتدار اور باانصاف مسلمان کو اس سے اختلاف کرنا چاہیئے۔

حضرات ہمیں تو یہ حوالہ نقل کرتے بھی شرم آتی ہے۔ مگر کیا کیا جائے۔ ہم بھی مجبور ہیں۔ دیکھا کہ ان بریلویوں کے علم غیب اور حاضر و ناظر کی انتہا کیا ہے۔ مرید کی ہمبستری کے وقت بھی ان کے پیر و مرشد حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اور سب واقعہ بچشم خود دیکھتے رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے ساتھ جو فرشتے ہیں (کرام کاتبین وغیرہ) وہ دو حالتوں میں تم سے الگ ہو جاتے ہیں۔ (۱) جب تم قضاء حاجت کے لئے بیٹھتے ہو (۲) اور جب تم ہمبستری کیا کرتے ہو (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۹ و مشکوٰۃ ص ۲۶۹) اور علامہ عزیزی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ السراج المنیر ج ۲ ص ۱۰۶) قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ ایسی حالت میں تو فرشتے بھی الگ ہو جاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے اعمال اور اقوال کی حفاظت کرتے اور لکھتے ہیں۔ اور شرم کے مارے علیحدہ اور جدا ہو جاتے ہیں۔ مگر فریق مخالف کے نزدیک بزرگان دین کی یہ قدر اور تعظیم ہے۔ کہ وہ اس حالت میں بھی شرم نہیں کرتے اور مرید بیچارے کی جان نہیں چھوڑتے اور گویا یوں کہتے ہیں۔ کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان' ایک اور شوریدہ سر اٹھتا ہے اور وہ ولی اور نبی کے کمال کی یہ شرط لکھتا ہے۔ کہ

لا تستقر نطفة فی فرج انثیٰ الا ینظر الیہ ذالک الرجل الیہا (نجم الرحمٰن بحوالہ صاعقۃ الرحمٰن ص ۵۰)

کسی مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار نہیں پکڑتا مگر وہ کامل اس کو دیکھتا ہے۔

اور اس شر انگیز کم و بیش مشہور اور نامور اٹھارہ مولوی صاحبان اور گدی نشین حضرات کے اسماء درج ہیں۔ اور ان نفس پرستوں کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ استقرار نطفہ کا محل رحم ہے فرج نہیں۔ بہرکیف اس سے یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ کوئی کامل (اعم اس سے کہ نبی ہو یا ولی) جب تک یہ صفت نہ رکھتا ہو تو ان کے نزدیک وہ کامل نہیں ہو سکتا۔ قالی اللہ المشتکیٰ۔

حضرت زکریا علیہ السلام اونچی شان اور بڑے رتبہ کے نبی تھے عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ سے بیٹا

Marfat.com

مانگتے رہے تاکہ ان کی علمی اور پیغمبرانہ وراثت ان کو مل سکے۔ اور وہ مخلوقِ خدا کی ہدایت اور اصلاح کا ذریعہ بنے۔ مگر مالک الملک کی شان بے نیاز ہے۔ کافی عرصہ تک ان کی یہ تمنّا اور آرزو پوری نہ ہوئی حتیٰ کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی ہڈیاں کمزور۔ بدن ضعیف۔ قویٰ مضمحل۔ بال سفید اور کمر جھک گئی۔ ایک روز نماز پڑھ رہے ہیں کہ دفعتہً خدا تعالیٰ کی طرف سے فرشتہ آتا ہے اور یہ پیغام دیتا ہے کہ آپ کو لڑکے کی خوشخبری ہو؛ اس کا انوکھا اور نرالا نام ہوگا۔ یحییٰ۔ اور ایسا نام پہلے کسی کا تجویز نہیں ہوا فرمایا میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا؟ میرا بڑھاپا اور جسمانی حالت یہ ہے اور میری بیوی بڑھیا اور بانجھ ہے۔ جواب ملا۔ اسی غیر معتاد طریقہ پر اللہ تعالیٰ آپ کو لڑکا عنایت فرمائے گا۔ آخر آپ کو بھی اس قادر مطلق نے پردۂ عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ افروز کیا ہے پھر یہ تعجب اور حیرت کا کونسا مقام ہے! حضرت زکریا علیہ السلام نے فرطِ مسرت اور بے پناہ شوق سے لبریز ہو کر التجاء اور استدعا کی۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا

(پ ۱۶ - مریم - رکوع ۱)

کہا اے میرے رب ٹھہرا میرے لئے نشانی (کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے) فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ بات نہ کر سکے گا تو لوگوں سے تین رات صحیح تندرست۔

یعنی یہ عدم تکلّم صرف عارضی ہوگا اس میں قوت گویائی ماؤف نہ ہوگی۔ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب غیر متوقع اور غیر معمولی خوشخبری اور بشارت سنتا ہے تو مزید طمانیت اور استیناس کے لئے بار بار پوچھتا اور کھود کرید کیا کرتا ہے۔ اس تحقیق و تفحص سے لذت حاصل ہوتی ہے اور بات خوب پکی اور مضبوط ہو جاتی حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کا بھی یہی منشاء تھا۔ ملاحظہ تو کیجئے کہ حضرت زکریا علیہ السلام تو اپنی بیوی کے استقرارِ حمل کے لئے اللہ تعالیٰ سے نشانی اور علامت طلب کرتے ہیں اور ان کو نہ تو اس کا علم ہوتا ہے اور نہ وہ اس کو دیکھ سکتے ہیں کہ حمل کب اور کس وقت قرار پایا ہے۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں بیان ہوا ہے اور ہے بھی پیغمبر اور نبی سے متعلق۔ مگر یہاں ان نام نہاد عاشقانِ اولیاء کا یہ عقیدہ ہے کہ کامل ہی ہو سکتا ہے جو انثیٰ اور مادہ کے استقرارِ نطفہ کو دیکھے۔ نوا اسفا۔ ع

ببیں تفاوت راہ است از کجا تا بکجا

قارئینِ کرام آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو تو یہ علم نہ ہو سکا کہ موجودہ بچہ کس کا ہے؟ چھوٹی بی بی کا ہے یا بڑی کا! اور حضرت زکریا علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ کے استقرارِ حمل کو نہ دیکھ اور جان سکے تا آنکہ علامت اور نشانی ملاحظہ نہ کر لی؛ مگر فریقِ مخالف کے تنفیک بزرگوں کو نطفہ ڈالنے اور ہمبستری کرنے کا بھی علم ہوتا ہے۔ اور وہ اس وقت بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔

چل دیئے آپ دل کو تڑپا کر　　کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کی ران ننگی تھی آپ نے فرمایا۔ ان الفخذ عورۃ (مستدرک ج ۴ ص ۱۸۰ قال الحاکم والذہبی صحیح) کہ ران کو چھپانا چاہیئے کیونکہ وہ پردہ کی چیز ہے ..... حضرت معمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دیکھا کہ میری دونوں رانیں ننگی ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔

یا معمرؓ غط فخذیک فان الفخذ عورۃ　　اے معمرؓ اپنی دونوں رانوں کو چھپاؤ۔ کیونکہ ران پردہ اور چھپانے کی چیز ہے۔

(مستدرک ج ۴ ص ۱۸۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تکشف فخذک ولا تنظر الی فخذ حیّ ولا میّت۔ (مستدرک ج ۴ ص ۱۸۰ و دار قطنی ج ۱ ص ۸۳)　　اے علیؓ اپنی ران ننگی نہ کرو اور نہ تو کسی زندہ کی ران کو دیکھو اور نہ کسی مردہ کی ران کو۔

مقامِ حیرت اور تعجب ہے کہ امام الانبیاء، سید ولد آدم، خاتم النبیین، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو بایں شان و کمال حضرت جریرؓ اور حضرت معمرؓ کی ران[1] کو دیکھنا گوارا نہ فرمائیں

---

[1] حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں۔ کہ اکثر علماء کرام کی یہی تحقیق ہے کہ ران کا پردہ کرنا ضروری ہے (بحوالہ شرح المنتقی ج ۱ ص ۳۶) اور علامہ الشیخ ناصف لکھتے ہیں۔

وبہ قال الجمہور من الصحب فمن بعدھم والحنفیۃ والشافعیۃ واصح قولی مالکؒ واحمدؒ

(غایۃ المأمول ج ۱ ص ۱۶۰)

کہ جمہور صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد کے علماء کا اور احناف اور شوافع کا یہی قول اور مسلک ہے۔ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا صحیح ترین قول بھی صرف یہی ہے کہ ران عورت اور پردہ ہے

(باقی بر صفحہ ۴۷)

Marfat.com

اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو (اور ان کے واسطہ سے سب امت کو کیونکہ یہ حکم ان سے مخصوص نہ تھا) جو جلیل القدر صحابی خلیفۂ راشد اور رئیس الاولیاء میں تھے کسی بھی زندہ اور مردہ کی ران تک کے دیکھنے کی اجازت نہ دیں۔ اور یہاں ان ہوئی پرستوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کمالِ نبوت اور ولایت کی یہ شرط ہے کہ عورتوں کی شرمگاہوں میں استقرارِ نطفہ کا علم اور اس کی طرف نظر کرنا بھی ضروری ہے حیف بر حیف ہے اس عقیدت پر۔

قارئین کرام آپ ان ٹھوس واقعات کو ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ یہ سارے واقعات قرآن کریم کے ہیں۔ اور ان کی تائید اور تشریح میں جو حدیثیں ہدیۂ قارئین کی گئی ہیں وہ یا تو بخاری اور مسلم کی ہیں۔ جن کی صحت پر اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔ اور یا وہ دیگر روایتیں ہیں۔ جو ہم نے بطور شاہد اور اعتبار کے مستدرک وغیرہ سے نقل کی ہیں۔ لیکن محدثین کرام کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے امام حاکم اور علامہ ذہبیؒ (ناقدِ فن رجال) وغیرہ سے ان کی تصحیح بھی نقل کر دی) یہ بھی یاد رکھئے کہ ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی کسی ولی یا بزرگ سے متعلق نہیں تاکہ طریقت اور حقیقت کے خود ساختہ منتروں سے یہاں کام چل سکے بلکہ ہر ایک واقعہ خدا تعالیٰ کے جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبروں کا ہے اور مذکور ہے اللہ تعالےٰ کی کتاب میں اور ہر واقعہ واقعہ اور خبر ہے جس سے متعلق نسخ کا قطعاً کوئی احتمال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم پہلا باب یہیں ختم کرتے ہیں تاکہ ڈاڑھی سے مونچھیں نہ بڑھ جائیں۔ کیونکہ ابھی ہم نے بہت کچھ عرض کرنا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اور قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں۔

والحق انّ الفخذ من العورۃ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۶۱) حق بات یہی ہے کہ ران کا پردہ کرنا چاہیئے۔

اور کسی صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں مل سکتا کہ آپ نے امت کو یہ ارشاد اور حکم فرمایا ہو کہ ران عورت نہیں ہے اور امت کے لئے آپ کا قول حجت ہے۔ آپ کے قول کے ہوتے ہوئے فعل کو ترجیح دینا خلاف اصول ہے خصوصاً جبکہ ایک روایت میں کشف عن فخذہ اوساقیہ (ادب المفرد ص ۸۹) یا کشف عن فخذیہ اوساقیہ کے الفاظ آتے ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۳۶۲ عن مسلم) اور مسلم ج ۱ ص ۱۵۸ و ۲ ص ۱۱۱ میں بجائے حسر کے الخمر کے الفاظ آئے ہیں جو بالکل غیر اختیاری حالت پر دلالت کرتے ہیں

Marfat.com

لیکن قارئینِ کرام سے بصد اخلاص یہ التماس و استدعا ہے کہ یہ معاملہ غیرت اور عناد کا نہیں ہے۔ بلکہ آخرت کا معاملہ ہے۔ لہٰذا اپنے نفع اور نقصان کو ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچ لیجئے۔

تاکہ ؎

اے چشمِ اشک بار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

Marfat.com

دوسرا باب

باب اول میں قرآن کریم اور صحیح احادیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور نہ جمیع ما کان و ما یکون کے عالم ہوتے ہیں۔ اس باب میں علی الخصوص ہم صرف چند صحیح احادیث بطور تبرک و باحوالہ عرض کرتے ہیں۔ کہ جناب امام الانبیاء، سیدِ ولد آدم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ تمام مخلوق سے آپ کا رتبہ بلند اور اونچا ہے اور بے شمار معجزات اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک پر ظاہر فرمائے ہیں۔ اور ایسے ایسے علوم و معارف و دقائق و اسرار اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیئے ہیں کہ نہ تو وہ کسی اور رسول کو عطا ہوئے ہیں اور نہ کسی فرشتہ مقرب کو غرضیکہ ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

مگر بایں ہمہ آپ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے اور نہ جمیع ما کان و ما یکون کا علم آپ کو عطا کیا گیا تھا اور بے شمار ایسی جگہیں ہیں جہاں آپ کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا آپ کی توہین اور تحقیر ہے (العیاذ باللہ) اور متعدد ایسے علوم اور فنون ہیں (خصوصاً اس فلمی دور میں) کہ جن کو کوئی بھی شریف انسان جاننا اور سیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ ایسے ناپاک علوم اور فنون کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خالص گستاخی اور بے ادبی ہے (العیاذ باللہ) اور ایسا شخص اور گروہ کبھی عند اللہ سرخرو نہیں ہو سکتا۔

کیونکہ ع بے ادب محروم ماند از فضلِ ربّ

ہمارا پختہ ارادہ تھا۔ کہ اس دوسرے باب میں قرآن کریم کی آیات پیش کی جائیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ کتاب اللہ کے جملہ دلائل قطعی اور حتمی ہیں۔ اور اس کا درجہ مقدم تھا اور ہے یہ اور بھی ضروری امر تھا۔ مگر ایک خاص مصلحت کے پیش نظر ہم قرآن کریم کی آیات کو فریقِ مخالف کے استدلالات کے جوابات میں عرض کریں گے۔

Marfat.com

اور یہ واضح کریں گے۔ کہ اہلِ حق کے پاس مسئلہ زیر بحث میں کتاب اللہ صحیح احادیث اور فقہاء کرام کی واضح تر عبارات سے قطعی دلائل اور براہین موجود ہیں۔ سرِدست اس باب میں احادیث پیش کی جاتی ہیں۔ سو لغور ان کو پڑھیں۔

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۴۸ اور مسلم ج ۱ ص ۹۶ اور ابو عوانہ ج ۱ ص ۱۳۱ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں معراج سے (یہ ۹ سنہ یا ۱۱ سنہ نبوت کا واقعہ ہے) واپس ہوا اور میں نے مشرکین کے سامنے اپنا یہ سارا قصہ بیان کیا کہ میں مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور پھر جہاں تک خدا تعالیٰ کو منظور تھا عالم بیداری میں ایک ہی رات کے اندر اپنے جسد عنصری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی خاص نوازش اور قدرت سے سیر کر آیا ہوں، تو مشرکین نے کہا اچھا۔ اگر آپ واقعی گئے ہیں۔ تو ہمیں بتلائیے کہ بیت المقدس کی فلاں فلاں چیز کہاں اور کس موقع پر واقع ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہ تھا (اور نہ میرے جانے کی یہ غرض ہی تھی) اس پر مشرکین نے پھبتی اڑائی۔ آپ کے الفاظ میں سنیئے۔

فکربت کربۃ ما کربت مثلہ قط (مسلم) میں اتنا پریشان ہوا کہ ایسا پریشان کبھی بھی نہ ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو تھوڑے وقت کے لئے میرے سامنے حاضر کر دیا۔ مشرکین جو پوچھتے جاتے تھے میں دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔

دیکھئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو اتنی پریشانی کی کیا ضرورت تھی؟ خصوصاً جبکہ بعض مخالفین کے نزدیک معراج کی رات آپ کو کلی علم غیب عطا بھی ہو چکا تھا۔ اور السلام علیک ایھا النبی الخ کے الفاظ کا تحفہ بھی اس رات آپ کو مل چکا تھا۔ (جس سے مخالفین آپ کے حاضر و ناظر پر استدلال کرتے ہیں) اور سورۂ مزمل وغیرہ میں شاہد کا لفظ بھی اس سے قبل ہی نازل ہو چکا تھا جس کی بحث آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ العزیز۔

(۲) بخاری ج ۲ ص ۶۶۳ اور ابو عوانہ ج ۱ ص ۳۰۲ وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ ۵ سنہ یا ۶ سنہ کو غزوۂ بنی مصطلق میں حضرت عائشہ صدیقہ کا ہار ضائع ہو گیا۔

Marfat.com

فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسہا - تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہار تلاش کرنے کیلئے رک گئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ شریکِ سفر صحابہ کرامؓ بھی (جن میں ہر ایک اپنی جگہ بلند پایہ ولی تھا) اس کو تلاش کرتے رہے مگر پوری توجہ مبذول کرنے کے بعد بھی وُہ ہار نہ مل سکا۔ تھک ہار کر جب کوچ کرنے کا اعلان کر دیا - تو وہ اونٹ جس پر حضرت عائشہؓ سوار تھیں اس کو اٹھایا گیا تو ہار اس کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو ہار ضرور نظر آجاتا۔ یہاں تو فریقِ مخالف کے نزدیک ولی لوگوں کو جماع کہتے اور رحم میں نطفہ ڈالتے بھی دیکھتے رہتے ہیں (العیاذ باللہ) لیکن خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور دیگر تمام صحابہ کرامؓ کو اونٹ کے نیچے ہار تک نظر نہ آسکا۔

(۳۰) بخاری ج ۲ ص ۷۶۰ اور مسلم ج ۱ ص ۴۶۱ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحشؓ سے ۳ھ میں نکاح کیا تو چند صحابہ کرامؓ کو دعوتِ ولیمہ پر مدعو کیا وہ آئے۔ کھانا کھا چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے کے لئے بیٹھ گئے۔ آپ کو اتنی طویل مجلس اور باتوں سے اذیت پہنچی۔ آپ نے زبان مبارک سے تو یہ نہ فرمایا کہ تم چلے جاؤ۔ البتہ ایک لطیف حیلہ یہ تجویز فرمایا کہ خود اٹھ کر باہر چلے گئے۔ تاکہ میرے ساتھ یہ بھی چلے جائیں آپ باہر چکر لگا کر لوٹ آئے۔ ثم ظننت انھم خرجوا فرجعت ..... فاذا ھم جلوس - اس خیال سے کہ صحابہؓ اٹھ کر چلے گئے ہوں گے لیکن آپ نے دیکھا کہ وہ باقاعدہ بیٹھے ہوئے تھے آپ پھر چلے گئے اور حضرت انسؓ کو پھر بھیجا کہ جا کر دیکھو۔ کہ کیا وہ ابھی تک بیٹھے ہوئے ہیں یا چلے گئے ہیں کافی دیر کے بعد جب حضرت انسؓ نے آپ کو اطلاع دی کہ وہ چلے گئے ہیں تو آپ اپنے حجرہ میں حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں صحابہ کرامؓ کو یہ حکم دیا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اجازت طلب کئے بغیر نہ جایا کرو اور کھانا پکنے سے پہلے بھی نہ جاؤ۔ اور جب تم بلائے جاؤ تو کھانا کھا کر فوراً واپس چلے جاؤ۔ اور خوش گپیوں میں نہ لگا کرو۔ کیونکہ

اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ تمہاری اس بات سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ۝

(پ ۲۲ - سورۃ احزاب - رکوع ۷)

کو اذیت ہوتی ہے اور وہ تم سے شرما جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے۔ تو آپ کو معلوم ہوتا کہ صحابہ رضؓ ابھی گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ خیال کیوں کیا کہ شاید چلے گئے ہوں گے پھر حضرت انس رضؓ کو تحقیقِ حال کے لئے آپ نے کیوں بھیجا؟ اور اگر صحابہ رضؓ کو بھی علم غیب ہوتا تو وہ دیدہ دانستہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں تکلیف اور اذیت پہنچاتے بلکہ ان کو تو پہلے سے اٹھ کر چلے جانا چاہئے تھا۔

(۴) بخاری ج ۲ ص ۵۶۸ اور طیالسی ص ۲۳۹ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۴ھ میں حضرت عاصم بن ثابت رضؓ کی سرکردگی میں ۹ صحابی (جن میں حضرت خبیب انصاری رضؓ بھی تھے) بطور جاسوس مشرکین کے حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کئے۔ جب یہ حضرات مقام ہدہ میں (جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان تھا) پہنچے تو قبیلہ بنو لحیان نے ان کو گھیر لیا۔ آٹھ صحابہ رضؓ کو تو اسی جگہ شہید کر دیا جن میں حضرت عاصم بن ثابت رضؓ سالارِ قافلہ بھی تھے اور دو کو گرفتار کر کے مکہ مکرمہ لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کو بھی تختہ دار پر لٹکا دیا۔ حضرت عاصمؓ نے شہادت کے وقت یہ پُر درد الفاظ کہے۔

اَللّٰھُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا نَبِیَّکَ

اے اللہ ہمارے حالات سے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دے

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے۔ تو صحابہ کرامؓ کو جاسوسی کے لئے آپ نے کیوں بھیجا؟ خود ہی مدینہ منورہ میں دشمن کے حالات بیان فرما دیتے؟ اور پھر یہ دس صحابی کس بیدردی اور بے جگری سے تہ تیغ کئے گئے۔ کیا آپ نے دیدہ دانستہ ان کو قتل کرا دیا تھا؟ (العیاذ باللہ) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عاصمؓ وغیرہ کا یہی عقیدہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے ہی آپ کو اطلاع ہو سکتی ہے۔ اسی لئے تو انہوں نے یہ دعا کی۔ کہ اے اللہ ہماری سرگذشت سے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع اور خبردار کر دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی واقعہ سے مطلع کر دیا۔

Marfat.com

(۵) بخاری ج ۲ ص ۵۸۶ وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ ۴ھ میں مشرکین کا ایک وفد (ایک سازش کے تحت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہ آپ ہمیں کچھ آدمی امداد کے لئے مرحمت فرمائیں۔ آپ نے اصحاب صُفّہ میں سے ستر صحابہؓ کو منتخب کر کے ان کے ساتھ روانہ کر دیا جب یہ لوگ بئر معونہ پہنچے تو ان کافروں نے ایک (لنگڑے) صحابی کے علاوہ باقی سب کو شہید کر دیا۔ ان صحابہ کرامؓ نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں درد بھری کہانی اللہ تعالیٰ کے حوالہ کی کہ "اے اللہ! اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر ساتھیوں کو ہمارے حالات سے مطلع کر دے"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک حکم نازل ہوا جس کو صحابہ کرامؓ پڑھتے بھی رہے تھے۔ آپ نے ایک مہینہ تک مسلسل اس کافر قوم کے لئے صبح کی نماز میں رکوع کے بعد دعا بھی کی۔ اور اس حادثہ کی وجہ سے آپ بڑے مغموم اور پریشان بھی رہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے۔ تو آپ نے مشرکوں کو سازش کا مشورہ کرتے دیکھا اور سنا ہوتا۔ اور ان کے ناپاک ارادہ سے مطلع ہوئے ہوتے پھر آپ نے کیوں اپنے مخلص صحابہؓ کو ان وحشی درندوں کے سپرد کر دیا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ان صحابہ کرامؓ کا اعتقاد بھی یہ نہ تھا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہیں۔

صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۸ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ کسی جنگ کے موقع پر ایک میدان میں ایک کافر سپاہی نے بہت سے صحابہؓ کو شہید کر دیا تھا۔ حضرت اسامہؓ اس کی طرف بڑھے تاکہ اس کافر کو قتل کریں مگر اس نے کلمہ پڑھ لیا۔ لیکن حضرت اسامہؓ کو یہ بدگمانی رہی کہ اس نے جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا ہے اس لئے اس کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت اسامہؓ کو کہا تم نے کیوں اس کو قتل کیا ہے؟ حضرت اسامہؓ نے کہا۔ حضرت اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا اے اسامہؓ تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ اے اسامہؓ جب قیامت کا دن ہوگا تو تم کلمہ کا کیا جواب دو گے۔ ملاحظہ کیجئے کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک کلمہ گو کے لئے (جس نے صرف زبان سے کلمہ طیبہ ہی پڑھا تھا) تو ایسے پریشان اور مغموم ہوں۔ لیکن بقول فریقِ مخالف خود حاضر و ناظر

Marfat.com

ہوتے ہوئے ستر صحابہؓ کو عمداً قتل کروا دیا۔ (العیاذ باللہ) اور پھر خود ایک مہینہ تک ان کافروں کے لئے بددعا بھی کرتے رہے۔ یہ ہے مخالفین کی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبت؟ افسوس اور حیرت ہے اس عقیدت پر۔

مفتی احمد یار خان صاحب کی کمال لیاقت اور دیانت

مفتی صاحب حضرت انسؓ کی ایک روایت (جس میں حضرت زیدؓ اور جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شام کے علاقہ میں مؤتہ کے مقام پر شہادت ہوئی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور معجزہ ان کی شہادت کی خبر صحابہ کرامؓ کو دی تھی) نقل کر کے لکھتے ہیں کہ بئر معونہ جو مدینہ منورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔ (بلفظہ جاء الحق ص۱۳۹) یہ واقعہ تھا غزوہ مؤتہ کا مگر مفتی صاحب اسکو بئر معونہ کے ساتھ لگا رہے ہیں۔ مؤتہ ملک شام میں تھا۔ اور بئر معونہ عرب میں بئر معونہ کا واقعہ ۴ھ میں پیش آیا۔ اور مؤتہ کا ۸ھ میں، بئر معونہ میں صرف ستر صحابہ کرامؓ تھے اور غزوہ مؤتہ میں تین ہزار۔ بئر معونہ کے واقعہ میں صحابہؓ کے مقابلہ میں مشرکین عرب تھے۔ اور مؤتہ میں ہرقل روم کی (جو عیسائی تھا) مسلح ایک لاکھ فوج تھی (دیکھئے مرقات علی مشکوٰۃ ج۲ ص۳۳۲ وغیرہ) مگر مفتی صاحب کے نزدیک بئر معونہ اور غزوہ مؤتہ ایک ہی ہے۔ یہ ہے مفتی احمد یار خان صاحب کا مبلغ علم۔ فوا اسفا۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

مولوی محمد عمر صاحب کا کمال اور جواب بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیونکہ آپ نے ایسے ستر آدمی چن کر بھیجے تو وہی بھیجے جنہوں نے وہاں درجۂ شہادت حاصل کرنا تھا۔ اور ان پر تمہارا اعتراض کرنا کہ اگر وہ یہاں مدینہ طیبہ میں رہتے تو وہ زندہ رہتے یہ عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ بلفظہ (مقیاس حنفیت ص۴۰۳) سوال یہ نہیں کہ وہ مدینہ میں رہتے تو زندہ رہتے یا نہ۔ سوال یہ ہے (اور ابھی تک اس کا جواب نہیں ہوا) کہ آپ نے دیدہ دانستہ ستر آدمیوں کو موت کے منہ میں بھیجا اور پھر خود ایک مہینہ تک ان کی موت کا افسوس کرتے رہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا آپ نے عمداً ایسا کیا تھا؟ (العیاذ باللہ)

(۶) بخاری ج۲ ص۶۱۰ وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو ایک یہودی عورت

Marfat.com

نے بکری کے گوشت میں زہر ڈال کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور تحفہ بھیجا۔ آپ نے بھی چند لقمے کھائے۔ اور آپ کے بعض صحابہؓ نے بھی وہ گوشت کھایا۔ چنانچہ حضرت بشر بن براء بن معرور کی اسی گوشت کی وجہ سے شہادت بھی ہو گئی۔ بلکہ ابو داؤد اور دارمی کی روایت میں ہے۔

وتوفی اصحابہ الذین اکلوا من الشاۃ ؓ (المشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۲)

کہ آنحضرت صلی اللہ کے وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے وہ زہر آلود بکری کھائی تھی وفات پا گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وفات پانے والے متعدد صحابۂ کرام تھے۔ ابو داؤد ج ۲ ص ۲۴۶ اور سنن دارمی[1] وغیرہ میں مذکور ہے کہ چند لقمے کھا چکنے کے بعد آپ نے یہ فرمایا کہ اسے مت کھاؤ۔ کیونکہ یہ بوٹیاں مجھے یہ بتلا رہی ہیں کہ ہمارے اندر زہر ہے۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے تو یہودی عورت کو زہر ڈالتے دیکھا ہوتا۔ خود بھی نہ کھاتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی منع فرما دیتے۔ کیا دیدہ دانستہ آپ نے ان صحابہ کرامؓ کو زہر کھلا کر مروا دیا تھا؟ (العیاذ باللہ) بینوا توجروا۔

(۷) بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۳ اور مسلم ج ۲ ص ۷۴ وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بشر ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم میں کوئی شخص اپنی چرب زبانی سے اپنے جھوٹے دعویٰ اور مقدمہ کو سچا کر دکھائے اور میں غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ تو اس کو یوں سمجھئے کہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو اس نے لے لیا۔ لہذا میرے سامنے سچی ہی بات کہنا۔ قارئین کرام اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہ ہوتے اور حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ یوں فرما دیتے کہ میں تمہارے ظاہر اور باطن سے بخوبی واقف ہوں۔ اس لئے میں سچے اور جھوٹے کو خوب پہچانتا ہوں۔ لہذا میرے سامنے غلط بیانی اور جھوٹ نہیں چل سکتا۔ اس حدیث کی مزید تشریح اور فریقِ مخالف کے اعذارِ باردہ اور ان کے مسکت جوابات إزالۃ الریب میں دیکھئے۔

(۸) بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ اور مسلم ج ۲ ص ۳۰۲ وغیرہ میں مذکور ہے کہ مشرکینِ مکہ کی غدّاری کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں خفیہ تیاری شروع کر دی تاکہ مکّہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے خفیہ طور پر خط لکھا۔ کہ اے مشرکینِ مکہ ..... جناب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم تمہارے اوپر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ خط لکھ کر کسی مرد کو بھی نہ دیا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو جائے۔ بلکہ ایک عورت کو دے دیا۔ وہ لے کر روانہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مطلع کر دیا۔ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ وغیرہ کو تیز رفتار گھوڑوں پر سوار کر کے فرمایا کہ روضہ خاخ میں ایک عورت تمہیں ملیگی اس سے رقعہ لے آنا۔ الحاصل وہ گئے اور خط لے آئے۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ لکھنے والے حضرت حاطبؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ غیظ میں آئے اور کہا حضرت مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ ایک اور موقع پر حضرت حاطبؓ کے غلام نے ان کی شکایت کرتے ہوئے یہ کہا کہ حاطب بن ابی بلتعہؓ تو جہنمی ہے (مسلم ج ۲ ص ۳۰۲ و مستدرک ج ۳ ص ۳۱)۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب بدر کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں (اور حضرت حاطب کے غلام کو فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو کہ وہ جہنمی ہے وہ تو دوزخ میں داخل بھی نہیں ہوگا۔) حضرت حاطبؓ نے اپنا قصہ خود سنایا کہ حضرت مکہ مکرمہ میں میرے اہل وعیال کا کوئی بھی (عالم اسباب میں) نگران نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مشرکین مکہ کے خلاف ہوگا۔ سو اس کو کوئی ٹال ہی نہیں سکتا۔ میں نے خیال کیا کہ میرا تھوڑا سا احسان مکہ کے مشرکوں پر ہو جائیگا۔ شاید وہ اس احسان کے عوض میرے اہل وعیال کی نگرانی کریں۔ اور ان کو دکھ اور تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب نہ تھے۔ ورنہ حاطبؓ کو خط لکھتے وقت ہی دیکھ اور جان لیتے۔ پھر اس خط کو دور کیوں نکلنے دیا؟ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت حاطبؓ (جن کو گناہ کی معافی اور جنتی ہونے کا پروانہ باذن الٰہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل چکا تھا) کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہیں۔ ان کا تو یہی خیال تھا کہ شاید میرا خط اہل مکہ کو پہنچ جائے۔ آسمان سے وحی نازل ہوئی تو بھانڈا پھوٹا ورنہ حضرت حاطبؓ کو یہ وہم بھی نہ ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں احباب کی موجودگی میں میری یوں رسوائی ہوگی۔

(۹) بخاری ج ۱ ص ۱۴ وغیرہ میں یہ روایت مروی ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت مدینہ میں دشمنوں کی آمد کی افواہ مشہور ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے اور دور تک دیکھ بھال کر

Marfat.com

واپس ہو ہی رہے تھے کہ آگے سے اہلِ مدینہ آپ کو ملے۔ آپ نے فرمایا واپس چلے جاؤ۔ کوئی خطرہ نہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو حالات معلوم کرنے کے لئے مدینہ سے باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا حاضر و ناظر بھی تحقیقِ حالات کے لئے کہیں جایا کرتا ہے۔؟ اور دور تک حالات کا جائزہ لیا کرتا ہے؟

(۱۰) مسلم ج ۲ ص ۱۰۷ وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے۔ کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جنگ احزاب کے موقع پر جو ۵ھ میں ہوئی تھی تیز ہوا اور کڑاکے کی سردی تھی (اور غالباً رات کا وقت تھا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جو جا کر دشمن کے حالات معلوم کرے اور مجھے آکر بتلائے اس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میرے ساتھ جگہ دے گا۔ مگر تمام خاموش ہو گئے کوئی جواب نہ ملا۔ چوتھی بار آپ نے فرمایا۔

قُمْ یا حذیفۃؓ فأتنا بخبرِ القوم — اے حذیفہؓ تو ہی کھڑا ہو۔ اور ہمیں دشمن کے حالات سے آگاہ کر۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور جا کر حالات معلوم کئے۔ اور واپس آکر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے حالات سے مطلع کیا۔ اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ کو دشمن قوم کے حالات خود معلوم ہوتے۔ کسی کو بھیجنے کا کیا مطلب تھا؟ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ حاضر و ناظر ہیں ورنہ وہ کہہ دیتے کہ حضرت! آپ کو تو ہر چیز نظر آتی ہے۔ اور معلوم ہے۔ آپ کیوں اتنے پریشان ہوتے ہیں کہ بار بار یہ فرماتے ہیں کہ کون تم میں جا کر دشمن قوم کے حالات سے ہمیں آگاہ کرتا ہے؟۔

(۱۱) مسلم ج ۲ ص ۳۰ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ ایک شخص آیا۔ اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ہجرت کی بیعت کی وہ شخص دراصل غلام تھا (حالانکہ آپ غلاموں کی ہجرت پر بیعت نہیں لیا کرتے تھے۔ کیونکہ اس صورت میں غلام اپنے آقا کی خدمت نہیں کر سکتا) لیکن ولم یشعر انہ عبد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غلام ہے۔ جب اس غلام کا آقا آیا اور حقیقت واضح ہو گئی۔ تو آپ نے دو غلام دے کر وہ ایک غلام خرید لیا۔ اس کے بعد آپ کسی سے بیعت نہیں لیا

Marfat.com

کرتے تھے۔ حتّٰی یسئالہ اعبد ھو؟ تاوقتیکہ یہ نہ پوچھ لیتے کہ وہ آزاد ہے یا غلام؟ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ فلاں شخص کا غلام ہے۔ میرے دیکھتے دیکھتے یہ فلاں شخص اور فلاں جگہ سے بھاگ کر آیا ہے۔ پھر اس سے بیعت کیوں لی؟ اور آئندہ آپ ہر ایک سے ہجرت کی بیعت پر کیوں دریافت فرمایا کرتے تھے کہ تو آزاد ہے یا غلام؟ حاضر و ناظر اور عالم الغیب کے اس طرح پوچھنے کا کیا مطلب ہے؟ مولوی محمد عمر صاحب نے اِس حدیث کے جواب سے یوں گلو خلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ۔ وَلَمْ یَشْعُرْ اَنَّہٗ عَبْدٌ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ غلام نے پتہ نہ دیا کہ وہ غلام ہے۔ باقی رہا یہ کہ آپ نے غلام سے بیعت لی تو اس کے دو جواب ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ کے احسانِ عام سے اور مکارم اخلاق سے آپ نے اس سے بیعت لی تاکہ اس کو آپ بچالیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختارِ کُل ہیں۔ (مقیاس ص۴۲۶ و راجع ص۴۵۲) مگر یہ جواب سراسر ایجاد بندہ ہے اور بالکل مردود ہے۔ اس لئے کہ اگر گرائمر سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی اس ترجمہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ ثابت ہوگا کہ آپ کو تو علم تھا ہی نہیں اور غلام نے بھی یہ نہ بتایا کہ میں غلام ہوں آپ نے اس کو آزاد سمجھ کر بیعت میں داخل کر لیا اور یہ مطلب مولوی محمد عمر صاحب کے مقصد کے سراسر مخالف ہے۔ رہا بصورت بیعت دو جواب ذکر کرنا تو وہ بھی مخدوش ہے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے احسانِ عام کو اور مکارم اخلاق کو صرف اس ایک غلام پر کیوں بند کر دیا گیا؟ بعد کے آنے والے اس سے کیوں مستفید نہ ہوئے؟ کیا ان کیلئے احسانِ عام باقی نہ رہا تھا؟ اسی طرح اگر بالفرض آپ مختارِ کُل تھے تو بعد کے آنے والوں کے لئے مختارِ کُل رہتے۔ ان کے آنے پر ان سے اس سوال کا کیا مطلب؟ حتّٰی یسئالہ اعبد ھو؟ حتّٰی کہ آپ سوال فرما لیتے تھے کہ کیا وہ غلام ہے؟ عجیب منطق ہے کہ صرف ایک غلام کے لئے تو آپ کا احسان عام ہے اور مختارِ کُل بھی ہیں اور اس کے بعد سینکڑوں آنے والوں کیلئے نہ تو آپ کا احسان عام ہے؟ اور نہ آپ مختارِ کُل ہے؟ خدا معلوم یہ منطق مولوی محمد عمر صاحب نے کس سے حاصل کی ہے مگر ہیچ ہے۔

ع مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

(۱۲) مسلم ج ۲ ص۳۶۸ تیسیر کلکتہ ص۱۳۶ اور مستدرک ج ۴ ص۳۹ اور مسند احمد ج ۵ ص وغیرہ میں یہ حدیث آتی

Marfat.com

ہے۔ کہ منافقینِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈی حضرت ماریہؓ کو مابورؓ نامی ایک غلام سے متہم کر دیا یہ خبر اس زور سے پھیلی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یقین آگیا آپ نے حضرت علیؓ کو تلوار دی اور غیرت میں آکر فرمایا۔ مابورؓ جہاں ملے اس کو قتل کر دینا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا حضرت علیؓ کو کیا ہمت تھی کہ وہ اس میں پس و پیش کرتے۔ آخر تلاش کرتے کرتے مابور کا سراغ نکال ہی لیا۔ وہ بیچارہ ایک کنوئیں میں بیٹھا ہوا تھا وہ حضرت علیؓ کو اس حالت میں دیکھ کر تھرا گیا۔ کہ خدا خیر کرے۔ ؎

جبیں پہ بل ہے نگاہ شوخ آستیں ہے چڑھی — الٰہی خیر ہو قاتل کو اضطراب ہے آج

حضرت علیؓ نے جب اس کو پکڑ کر کھینچا تو اس کشمکش میں اس کا تہ بند کھل گیا۔ وہ ننگا ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لم یخلق اللہ لہ ما للرجال۔ اللہ تعالیٰ نے فطرتاً اس کا آلہ تناسل ہی پیدا نہیں کیا۔ یعنی وہ غلام پیدائشی خنثیٰ اور ہیجڑا تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کو قتل نہ کیا۔ اور آپ کو آکر یہ قصہ سنا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ الشاھد یری[1] ما لا یری الغائب یعنی حاضر وہ چیز دیکھ سکتا ہے۔

---

[1] : یہ "الشاھد یری ما لا یری الغائب" کے الفاظ مسند احمد کے ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ اسنادہ رجال ثقات (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۰۴) کہ اس سند کے راوی ثقہ ہیں۔ ۶ھ میں مقوقس شاہ مصر نے (جو عیسائی تھا) جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند چیزیں بطور تحفہ بھیجی تھیں۔ جن میں حضرت ماریہؓ بنت شمعون اور ان کی ہمشیرہ حضرت سیرینؓ اور ان کا چچازاد بھائی حضرت مابورؓ بھی (جو پیدائشی خنثیٰ اور ہیجڑا تھا) شامل تھے (مستدرک ج ۴ ص ۳۸، ۳۹ و تجرید اسماء الصحابہ ص ۲۲) حضرت ماریہؓ حرم نبوی میں داخل ہو گئی تھیں اور انہیں کے بطن مبارک سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے جو تقریباً اٹھارہ ماہ کے بعد اس دنیائے خاک و گل سے رخصت ہو گئے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

وکان مابورؓ ھذا خصیا ولم یعلموا بامرہ بادئ الامر فصار یدخل علی ماریۃؓ علی عاداتھم ببلاد مصر۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۰۴)

کہ یہ حضرت مابورؓ (پیدائشی) خصی اور نامرد تھے۔ مگر لوگوں کو ابتدا میں اس کا علم نہ ہو سکا اور مصری رواج اور دستور کے مطابق یہ مابورؓ حضرت ماریہؓ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مابورؓ حضرت ماریہؓ کے چچازاد بھائی تھے اور مصری رواج کے تحت ان میں پردہ کا کوئی اہتمام نہ تھا اور یوں بھی حضرت ماریہؓ ملک یمین کی مد میں (حرم نبوی میں داخل) تھیں۔ ایسے گہرے رشتہ کے علاوہ اختلاط اور انبساط کے

(باقی صفحہ ۶۰ پر)

Marfat.com

جو غائب نہیں دیکھ سکتا یعنی ؎ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۹)

کے سبب نیز غلط کار لوگوں کے زبردست پروپیگنڈہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقام پر یہ یقین ہو چکا ہوگا کہ واقعی اس شخص میں یہ خرابی موجود ہے اور غیرت میں آکر حضرت علیؓ کو یہ حکم دیا کہ جا کر مابورؓ کو قتل کر دو اور یہ غیرت فی مقام یریبہ کا مصداق تھی۔ (جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ) اور آپ سے بڑھ کر مخلوقِ خدا میں اور کون غیور ہو سکتا ہے؟ اور اتنے زبردست شواہد اور قوی قرائن کے ہوتے ہوئے کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ کو غیرت نہ آتی۔ مگر چونکہ درحقیقت حضرت مابورؓ میں وہ خرابی نہ تھی اور نہ ہی اس کے لئے اسباب موجود تھے۔ اس لئے حضرت علیؓ نے اس کو قتل نہ کیا۔ رہا امام نوویؒ وغیرہ کا یہ خیال کہ بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ قتل کا حکم صادر کرنے کی وجہ شاید نفاق وغیرہ کوئی اور امر ہوگا قتل کی علت محض یہ افواہ اور اتہام نہ تھا (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۶۸) تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاً حضرت مابورؓ منافق نہ تھے بلکہ ان کو علامہ ذہبی وغیرہ صحابی بتاتے ہیں۔ وثانیاً اگر قتل کی وجہ اور علت یہ افواہ نہ ہوتی کوئی اور ہوتی تو مابورؓ میں وہ علت تو فی الواقع موجود تھی ہی پھر ان کو قتل کیوں نہ کر دیا گیا؟ اور اگر حضرت علیؓ کو اسکا علم نہ تھا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدمِ تعمیلِ حکم پر ان کی تحسین کیوں فرمائی؟ آپ یوں فرما دیتے! کہ وہ تو بہر حال قابلِ گردن زدنی ہے تم نے اس کو کیوں چھوڑا ہے؟ حالانکہ آپ نے حضرت علیؓ کی تصویب کی اور یوں فرمایا۔ الشاھد یری مالا یری الغائب اس روایت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ظاہری ارشاد کو جو نظر بہ ظاہر مقید اور مشروط نہ ہو اگر کوئی مجتہد اور فقیہہ اس لئے ترک کر دے کہ دراصل یہ حکم مشروط اور مقید ہے۔ اور صورت ہذا میں شرط اور قید موجود نہیں ہے تو ایسا مجتہد اور فقیہہ قابلِ ملامت نہ ہوگا کیونکہ حضرت علیؓ کے علم تعمیلِ حکم کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنظرِ تحسین دیکھا اور ان کی تائید اور تصویب فرمائی ہے اور اگر حضرت علیؓ یہ دیکھ چکنے کے بعد کہ حضرت مابورؓ میں وہ چیز ہے ہی نہیں جس کی وجہ سے وہ قابلِ قتل ہے پھر بھی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری ارشاد کے مطابق قتل کر دیتے تو کچھ بعید نہیں ہے (کہ وہ بعد از علم) اس کی تعمیل کی وجہ سے بارگاہِ رسالت میں معتوب ٹھہرتے۔ اس سے بہت سے اجتہادی اور فرعی مسائل جو بظاہر بعض احادیث کے سطحی اور ظاہری الفاظ کے مخالف نظر آتے ہیں خود بخود حل ہو جاتے ہیں ہاں مگر مجتہد میں اجتہاد اور تفقہ فی الدین کا ملکہ ضرور ہونا چاہیئے۔ مولانا مودودی صاحب کی طرح وہ پانچواں سوار نہ ہو۔ دیکھئے غیر مقلدین حضرات اس کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ ؎

تیرے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرارِ دینِ ساقی ہوا علم الیقین حق الیقین عین الیقین ساقی

Marfat.com

اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ نے ناکردہ گناہ کو کیوں مجرم تصوّر کیا؟ اور اس کے قتل کا آرڈر کیوں دیا؟ العیاذ باللہ، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ یہ شخص تو فطرتی طور پر نامرد ہے. اور اس کے حضرت ماریہ سے تعلقات ناجائز نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں. اگر اس بیچارے کی لنگوٹی نہ کھلتی اور حضرت علیؓ دیکھ نہ لیتے تو اسکی تو خیر ہی نہ تھی اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو غائب سے تعبیر کیا دیکھئے فریقِ مخالف تسلیم کرتا ہے یا نہیں؟

ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

(۱۳) مسلم ج ۲ ص ۷۱ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی. تو آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ جا کر اس کو سزا دے. وہ گئے اور دیکھا کہ وہ ابھی ایام نفاس میں ہے. انہوں نے اس کو سزا نہ دی کہ حالت نفاس میں سزا درست نہیں. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت علیؓ نے بتایا. تو آپ نے ارشاد فرمایا. اے علیؓ! تم نے بہت ہی اچھا کیا ہے. کہ اس کو اس حالت میں سزا نہیں دی. غضب یہ ہے کہ فریقِ مخالف کے نزدیک ولی رحم میں لطفہ ڈالتے بھی دیکھتے ہیں لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہ تھا کہ اس لونڈی کے ہاں بچہ ہوا ہے. اگر آپ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ کو یہ ضرور معلوم ہوتا.

(۱۴) مسلم ج ۲ ص ۱۹۹ وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک کتّا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے گھس گیا. آپ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ملاقات کا وعدہ کیا تھا. مگر وہ نہ آئے جب آپ نے دیکھا کہ گھر میں کتّا ہے. تو حضرت عائشہؓ سے آپ نے پوچھا. یہ کتّا گھر میں کب داخل ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا. "خدا کی قسم مجھے علم نہیں" اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا. کہ یہ یہ دیکھتے دیکھتے یہ کتّا فلاں وقت آیا تھا اور اس مقام پر چھپ کر بیٹھا ہے.

(۱۵) مستدرک ج ۲ ص ۱۲۵ میں ایک حدیث آتی ہے. جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں. حضرت عطیہؓ فرماتے ہیں کہ جنگ قریظہ میں مجھے بھی صحابہ کرامؓ نے گرفتار کیا. چونکہ جوانوں کو قتل کیا جاتا تھا. میرے بارے میں صحابہؓ کو تردّد ہوا کہ آیا میں بالغ ہوں یا نابالغ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

نے فرمایا کہ اس کو ایک مخصوص طریقہ سے دیکھ لو۔ چنانچہ اُن کا معائنہ ہوا تو وہ نابالغ نکلے اس لئے ان کو قتل نہ کیا گیا۔ حاضر و ناظر کو کیا مصیبت ہے کہ بغیر کسی اشد مجبوری کے ایسا معائنہ کرنے کی اجازت دیتا ہو؟ (العیاذ باللہ)

حضرات! کہاں تک عرض کیا جائے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا جا کر دیکھو اور تلاش کرو۔ کہ علیؓ کہاں چلا گیا ہے؟ (بخاری ج ۱ ص ۶۳)

ایک مرتبہ ایک صحابی عمدہ قسم کی کھجوریں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لایا تو آپ نے فرمایا کیا خیبر کی ساری کھجوریں اس قسم کی ہوتی ہیں؟ صحابی نے کہا نہیں خدا کی قسم سب ایسی نہیں ہوتیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۰۹)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ راستہ میں کھجور کا ایک دانہ پایا۔ آپ نے فرمایا۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اس کو اٹھا کر کھا لیتا۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۴۴)

مولوی محمد عمر صاحب نے یوں دفع الوقتی کی ہے کہ آپ معلّم الٰہی ہیں اس لئے اتقاء کا سبق سمجھایا ہے کہ اگر ایک کھجور بھی لُقطہ پڑی ہو اور تمہارا دل بھی چاہے تو کھانے سے پرہیز کرو (محصلہ مقیاس ص ۴۵۷)۔ مگر اس سے ہرگز یہ سوال رفع نہیں ہوا کیونکہ الفاظ حدیث اسی امر کو متعین کرتے ہیں کہ آپ کو اس امر کا ڈر تھا کہ مبادا یہ دانہ زکوٰۃ اور صدقہ کا ہو اور اسی شبہ کی بنا پر آپ نے پرہیز کی۔ عدم علم منصوص ہے اور اس روایت میں اتقاء ضمنی ہے۔ مزید تشریح ازالۃ الریب میں ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ پوچھا کرتے تھے اگر یہ کہا جاتا کہ صدقہ سے ہے تو آپ کھانا نہ کھاتے اور اگر ہدیہ اور تحفہ ہوتا تو کھا لیتے تھے۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۴۵)

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نظر نہ آئے۔ تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا:

من احسّ الفتی الدوسی۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۵) یعنی دوسی نوجوان کا کسی کو علم ہے؟

Marfat.com

کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب کی یہی شان ہوتی ہے۔ کہ معلوم کچھ ہو اور اظہار کسی دوسری چیز کا کرے؟ (العیاذ باللہ) دوسرا باب انہی صحیح احادیث پر ختم کیا جاتا ہے جن میں ایک سلیم الطبع منصف مزاج خدا ترس آدمی کے لئے درس عبرت اور بصیرت موجود ہے۔

قارئین کرام! آپ نے بطور نمونہ یہ چند صحیح حدیثیں باحوالہ ملاحظہ کرلی ہیں اگر اس مضمون کی تمام صحیح احادیث کا استیعاب کیا جائے تو یقیناً ایک دشوار کام ہوگا اور ایسا کرنا کسی کے بس کا روگ بھی نہیں ہے مگر ایک مُنیب اور خدا خوف انسان کو (جس کے سامنے موت اور آخرت کا سوال ہو اور جس کے سامنے قبر میدان محشر اور پلصراط کا نقشہ ہو اور جس کے پیش نظر احکم الحاکمین کے عدل و انصاف کی وہ عدالت ہو جس میں بڑے بڑے بھی یہ کہنے پر مجبور ہونگے کہ رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ اور جس دن ڈر اور خوف کے مارے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور دودھ پلانے والی عورتیں اپنے شیر خوار بچوں سے غافل ہو ہو کر رہ جائینگی اور اکثر لوگ کچھ ایسے مدہوش ہوئیں گے کہ جیسے کسی نے کوئی نشہ آور چیز پی لی ہو حالانکہ وہاں کوئی ظاہری نشہ نہ ہوگا مگر صرف عذاب خداوندی اور جلال الٰہی کا سامنا ہوگا) ان پیش کردہ احادیث سے مسئلہ زیر بحث پر دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ کا کافی ذخیرہ مل سکتا ہے۔ حق و باطل اور صحیح و غلط کے امتیاز کے لئے بہترین راہ آشکارا ہو سکتی ہے اور یہ بات بھی بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کہ فریق مخالف کے اس دعویٰ سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ اور ہر ایک کے لئے حاضر و ناظر ہیں کس طرح نصوص قرآنیہ کے علاوہ صحیح احادیث کا انکار لازم آتا ہے اور آپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنے سے توہین و تحقیر کا وہ کونسا پہلو ہے جو باقی رہ جاتا ہے (العیاذ باللہ) مگر فریق مخالف نے نہایت ہی صریح غلطی اور مغالطہ آفرینی سے یہ سمجھ اور سمجھا رکھا ہے کہ آپ (اور اسی طرح دیگر بزرگان دین) کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنے سے عشق و محبت اور تعظیم و توقیر کا پہلو نکلتا ہے۔ اور اس کو نہ تسلیم کرنے سے (معاذ اللہ) آپ کی اور اسی طرح دیگر بزرگان اسلام کی توہین ہوتی ہے۔ کاش کہ یہ لوگ قرآن و حدیث کو غور و تدبر سے پڑھتے اور پڑھنے کی اہلیت بھی رکھتے اور صحیح معنیٰ میں سلف صالحین کی عقیدت سے دلوں کو منور کرتے تو ان کو قدم قدم پر

ٹھوکریں نہ لگتیں۔ نہ تو وہ خود گمراہ ہوتے اور نہ عوام الناس کی گمراہی کا موجب بنتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق کی نافرمانی کے بعد بالآخر انسان جہنم کی اُس دردناک سزا کا اپنے آپ کو مستحق بنا لیتا ہے جس کی شدت کا وہ اس وقت تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا عاقل اور دوراندیش انسان صرف وہ ہے جو دنیائے دنی کے قلیل اور عارضی نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر اپنی نظر رضائے الٰہی کے بعد صرف آخرت کے یقینی اور بے حد و حساب فوائد پر جمائے رکھے اور اس ابدی اور دائمی زندگی کے مقابلہ میں اس ناپائدار اور فانی زندگی پر دھیان ہی نہ کرے جو حقیقی اطمینان اور مسرت سے یکسر خالی ہے۔ کیا خوب ؎

ہم زندگی سمجھتے تھے جس کو وہ خواب تھا　　بالیں پہ آ کے موت نے بیدار کر دیا

مگر یہ یاد رہے کہ کوئی بھی اعلیٰ اور قابل قدر شئی بغیر آزمائشوں میں سے گزرنے اور مشکلات سے دوچار ہوئے حاصل نہیں ہوا کرتی پھر بھلا رضائے خداوندی اور جنت جیسی بے نظیر و بیمثال اور ابدی نعمت کے حصول کا راستہ کیوں خاردار نہ ہو؟ اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ۔ ؎

وہی زندگی اور پائندگی ہے　　باقی ہے — جو کچھ وہ سب خاکبازی

Marfat.com

پیسرا باب

پہلے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جلیل القدر اور اولوالعزم رسول اور نبی بھی ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے اور اپنے مقام پر پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ قرآن کریم کی متعدد آیات ذکر کی جائیں گی جن سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح اور آشکارا ہو جائے گی کہ حضرت امام الانبیاء خاتم النبیین سردار رسل محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ شفیع للمذنبین صلی اللہ علیہ وسلم بھی بایں شان و شوکت ہر جگہ حاضر و ناظر (اور جمیع ما کان و مایکون کے عالم) نہ تھے۔ اور دوسرے باب میں صحیح احادیث آپ ملاحظہ کر ہی چکے ہیں۔ اب اس باب میں یہ امر مبرہن کیا جاتا ہے کہ فقہاء کرامؒ اور محدثین عظامؒ نے جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا عقیدہ پیش کیا ہے؟ اور وہ خود حاضر و ناظر سے متعلق کیا عقیدہ رکھتے تھے؟ اور یہ بات کسی بھی خدا ترس، سنجیدہ مزاج اور باشعور مسلمان سے مخفی نہیں رہ سکتی کہ عالم اسباب میں کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کی روایتی اور درایتی حیثیت سے حفاظت اور نگرانی، محدثین کرامؒ اور فقہاء اسلامؒ ہی نے کی ہے ان میں اگر ایک گروہ اور طائفہ نے الفاظ اور سند کی نگرانی کی ہے تو دوسرے حزب اور جماعت نے معانی اور مطالب کو محفوظ رکھا ہے اگر ایک فرقہ نے راسۃ اور چھلکا محفوظ رکھا ہے تو دوسرے نے مغز اور مغز کو محفوظ و مصون کیا ہے۔ انہوں نے دینی بصیرت اور فرض شناسی کے جذبہ سے سرشار اور لبریز ہو کر انسانیت کی فلاح و بہبود، ہدایت و رشد، کامیابی و کامرانی کے لئے بڑی محنت اور مشقت سے بڑی کوشش اور کاوش سے بے انتہا جفاکشی اور تندہی سے کتاب و سنّت اور توحید و رسالت کا نعرۂ حق بلند کیا حتیٰ کہ ان کی سعیٔ بلیغ سے کتاب و سنّت کا چرچا عام ہوا، پیروئی شریعت کا غلغلہ بلند ہو گیا اور کیوں نہ ہوتا۔ ان کی نہایت اخلاص و دلسوزی سے پکار ہی صرف ایک پکار تھی کہ مسلمانو! صرف خدا کو پوجو۔ وہی تمہارا کارساز۔ حاجت روا۔ فریادرس۔ مشکل کشا اور دست گیر ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی

Marfat.com

کرو اور صرف آپ ہی کی پیروی میں نجات ہے۔ قرآن کرام کے ابدی احکام پر عمل کرو اور جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح ارشادات کے مطابق زندگی بسر کرو۔ انہوں نے اپنی عقل رسا سے نظام عالم کے نقشے بدل دیئے۔ عجائباتِ عالم کے طلسم کشائی کے حیرت انگیز نظریئے پیش کئے۔ ان دقیق اور عمیق نکتہ سنجیوں اور بلند خیالیوں کے پیچھے حسنِ عمل کا بہترین نمونہ اور اعلیٰ اسوہ موجود ہے، انہوں نے انسانی اوہام و خیالات فاسدہ اور عقائد باطلہ کی زنجیروں کو کاٹ کر دریا برد کر دیا۔ انسانوں کی باہمی گتھی کو سلجھایا۔ انسانی معاشرت کا صحیح ترین خاکہ پیش کیا۔ ہمارے اعمال و اخلاق کا اعلیٰ نقشہ اور ہماری روحانی مایوسیوں اور ناامیدیوں کا کامیاب علاج تجویز کیا۔ اور جو لوگ ایمان و عمل کے جوہر سے یکسر خالی تھے اور جو لوگ خرافات اور خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ ان کو علم و تحقیق کی دولت سے مالا مال اور تفحص و جستجو کے جوہر سے روشناس کیا۔ جس نوع انسان کی حقیقی بھلائی۔ اعمال کی نیکی۔ اخلاق کی برتری، دلوں کی صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی غرض سے کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کے معانی و مطالب کو نہایت آسان اور سہل کر دیا ہے۔ اور نقلی احتجاج اور عقلی استدلال کا ایسا صحیح اور محیّر العقول معیار قائم کیا جس سے دلوں کی تشفی ہو گئی اور باطل قسم کے شکوک اور شبہات کے ازالہ کا بہترین اور قابل قدر طریقہ اور راستہ متعین ہو جاتا ہے جس سے مختلف انسانی طبقات ہر وقت اور ہر دور میں برابر استفادہ کر سکتے ہیں اور جس کی تعلیم و عمل کے آفاقی، سرچشمہ سے شاہ و گدا، منطقی و فلسفی، امیر و غریب، عالم و جاہل، مجاہد و قاضی سب برابر کا فیض پا رہے ہیں۔ ہمارے اجسام و ارواح کے لئے ہمارے نفوس و قلوب کے لئے انہوں نے ایسے علوم و فنون ترتیب دیئے جن سے دنیا کے صحیح تمدّن اور بہترین و مکمّل معاشرت کی تکمیل ہوئی۔ عقائد و اعمال معاملات و اخلاق کے جوہر اُجاگر ہوئے۔ نیکی اور بھلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار ٹھہرے۔ خدا و بندہ کا تعلق باہم مضبوط و مستحکم ہوا۔ حضرات یہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گذر گئے اور اس عالم فانی کی کس چیز کو ابدیت حاصل ہے؟ ان کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں اس لئے آئندہ آنیوالے انسانوں کے لئے جو چیز رہبر ہو سکتی ہے وہ ان کی زندگیوں کے تحریری اور روایتی و درایتی عکس اور تصویریں ہیں۔ پچھلے عہد کے تمام علوم و فنون۔ تحقیقات و خیالات۔ واقعات و حالات

Marfat.com

افکار و حوادث کے جاننے کا واحد ذریعہ ان کی برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کی زندگی نوع انسان کی سعادت و فلاح، حسن کردار و ہدایت کی ضامن اور کفیل، اور اس کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے اور ہمیں ان کی اتباع و تقلید ہی سے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی برکت سے ہی ابدی نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اور کتنی ہی سعید روحیں ہیں جنہوں نے ان کی آواز پر لبیک اور خوش آمدید کہا۔ مگر خود غرضوں اور نفس پرستوں نے خود فریبیوں اور حرمان نصیبوں نے ان کی شان کو گھٹانے اور ان کی خدمات جلیلہ کو خاک میں ملانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور بیک جنبشِ قلم ان کو پیوند خاک کرنے کی ناکام سعی کی افسوس! ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے ۔۔۔ پیدا کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

الحاصل روایت اور درایت کا، سند اور معنیٰ کا، محدثین اور فقہا کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کسی ایک سے بھی صرف نظر کرنے کے بعد کتاب اللہ اور سنّت رسول اللہ کا سمجھنا محال ہے اور احکام اور معانی میں تو خاص طور پر فقہاء کرامؒ ہی کی رائے معتبر اور مستند ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بقول امام اعمشؒ محدثین کرام پنساری ہیں جن کے پاس طرح طرح کی قیمتی بوٹیاں (حدیثیں) موجود ہیں۔ مگر ان کے خواص و مزاج سے فقہاء اسلام ہی واقف ہو سکتے ہیں جو طبیب اور ڈاکٹر ہیں (کتاب العلم ج ۲ صہ ۱۳۱) اور فقہاء کرامؒ کی معانی اور مطالب میں اس بالادستی اور فوقیت کو محدثین کرامؒ نے کھلے لفظوں میں تسلیم کیا ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ صرف ایک ہی حوالہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت امام ترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) صاحب جامع ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ۔

وکذالک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث۔ (ترمذی ج ۱ صہ ۱۱۸)

اور اسی طرح فقہاء کرام نے کہا ہے اور وہی حدیث کے معانی کو بہتر جانتے ہیں۔

یہ تو عام فقہاء کرامؒ کا ذکرِ خیر تھا۔ لیکن علی الخصوص فقہاءِ احناف کثر اللہ جماعتھم کے اجتہاد و تفقہ کا ہر دور اور ہر زمانہ میں جو شہرہ رہا ہے وہ کس منصف مزاج اہل علم سے مخفی ہو سکتا ہے؟ مجموعی طور پر جس محنت و مشقت سے اور جس اخلاص و دیانت سے اور جس حزم و احتیاط سے اور جس متانت اور سنجیدگی سے قرآن کریم اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور تفصیل انہوں نے کی ہے وہ صرف انہی کا حصہ ہے

Marfat.com

سکتا ہے۔ وہ آسمان علم و تحقیق کے چاند اور سماء فقہ و اجتہاد کے آفتابِ ماہتاب اور درخشندہ ستارے ہیں جو اپنی چمک دمک سے تاریک دنیا کو علم و تدقیق کی کرنوں سے منوّر اور روشن کرتے اور ابرِ رحمت بن کر جہالت کی خشک زمین کو سرسبز و شاداب کرتے رہے ہیں۔ مگر ہائے افسوس جو ہستیاں دنیا سے جا چکیں سو جا چکیں۔ جو باقی ہیں وہ مبارک اور برگزیدہ ہستیاں بھی ایک ایک کر کے اٹھتی چلی جا رہی ہیں۔ اب وہ دَور آنے والا ہے کہ جس میں نہ تو کوئی پلانے والا رہے گا اور نہ پینے والا ملے گا اور جو پینے کے لئے آئیگا وہ بصد افسوس یہ کہے گا کہ ؎

تو جو رہا نہ ساقیا پینے کا کیا مزہ رہا! پینا نہ غم رُبا رہا پی بھی تو میں نے پی نہیں

گو مسئلہ زیر بحث میں دیگر فقہاء کرامؒ (موالکؒ، شوافعؒ اور حنابلہؒ) کا بھی وہی فیصلہ ہے جو فقہاء احنافؒ کا ہے اور ان کا بھی صرف وہی عقیدہ ہے جو ان کا ہے مگر ہمیں چونکہ ایسے گروہ سے خطاب کرنا ہے۔ جو خود کو حنفی کہلاتا ہے (بلکہ بزعم خود حنفیت کا داعد ٹھیکہ دار ہے۔) اس لئے ہم صرف فقہاء احناف ہی کی چند عبارات اور نقول پر اکتفاء کرتے ہیں اور ہر متین، سنجیدہ، سرشت اور با انصاف مسلمان سے یہ اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ بغور و انصاف اس عقیدہ اور مسئلہ کو پڑھے، سمجھے اور پھر حق کو اپنائے۔

فقیہ کبیر الشیخ، القاضی، الامام، الاجل، الزاہد، البارع، امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف بقاضیخانؒ (المتوفی سنہ ۵۹۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ۔

رجل تزوج امرأة بغير شهود فقال الوجل للمرأة (خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم) قالوا يكون كفراً لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب و هو ما كان يعلم الغيب حين كان في الاحياء فكيف بعد الموت۔

(فتاوی قاضی خان ص ۸۸۳ طبع نولکشور)

ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا اور بوقت نکاح عورت کو یوں کہا کہ ہم خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناتے ہیں۔ فقہاء کرامؒ نے فرمایا کہ اس شخص کا یہ کہنا کفر ہے کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد بھلا کیسے غیب جانتے ہیں۔

Marfat.com

فقہاء کرامؒ کا وہ محتاط، سنجیدہ اور متین گروہ ہے کہ اگر ایک کلمہ میں معانی اور مطالب کے اعتبار سے ایک سو احتمالات پیدا ہو سکتے ہوں، ایک پہلو اسلام کا ہو اور باقی ننانوے (۹۹) کفر کے ہوں تو اس صورت میں بھی وہ تکفیر سے کفِ لسان ہی کرتے ہیں کہ شاید کہنے والے کی مراد وہ پہلو ہو جو اسلام کا پہلو ہے اور اگر معلوم ہو جائے یا کہنے والا خود کفر کا پہلو ہی متعین کر دے تو پھر کسی فقیہ اور مفتی کے بچانے سے وہ کفر سے نہیں بچ سکتا۔ مگر آپ نے ملاحظہ کیا کہ باوجود بڑے محتاط ہونے کے فقہاء احناف کس بیخوفی اور بیباکی سے اس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مجلسِ نکاح میں گواہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھتا اور اس پر عقیدہ رکھتا ہے یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جس مجلس میں شرعی گواہ نہ ہوں اور نہ مرد اور عورت کی نجی طور پر تن بخشی اور متعہ کا معاملہ ہو تو ایسی مجلس ناجائز اور حرام ہے۔ اور اپنے مقام پر نفسِ قرآنی سے یہ مسئلہ ثابت کیا جائے گا۔ کہ ایسی مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کے رُو سے حاضر اور موجود ہونے کی سرے سے اجازت ہی نہیں ہے اور فقہاء کرامؒ کی اس منصوص تکفیر کے علاوہ اس عقیدہ سے قرآن کریم کی اس آیت کا انکار بھی لازم آتا ہے جو بجائے خود کفر ہے اور ایسی ناجائز اور حرام مجلس میں جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا آپ کی توہین ہے۔ جو سراسر کفر ہے۔ العیاذ باللہ (ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ)

(۲) علامہ عبدالرشید ابوالفتح ظہیر الدین الولوالجی (جو امام۔ فاضل۔ مناظر اور کامل فقیہ تھے المتوفی بعد ۵۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ۔

تزوج امرأة ولم يحضر شاهد فقال تزوجتك بشهادة الله و رسوله يكفر لانه يعتقد بان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب اذ لا شهادة لمن لا علم له به ومن اعتقد هذا كفر۔

ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا مگر گواہ موجود نہیں تھے۔ اس شخص نے عورت کو خطاب کرتے ہوئے یوں کہا میں تیرے ساتھ خدا تعالیٰ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کرتا ہوں تو وہ شخص کافر ہو جائیگا۔ اس لئے کہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علمِ غیب تھا کیونکہ جس کو علم نہ ہو وہ گواہ کیسے بن سکتا ہے؟ اور جس

Marfat.com

(فتاویٰ اولوالحجیہ وکذا بیری حاشیہ اشباہ) کا عقیدہ ہو کہ آپ کو علم غیب تھا اور آپ حاضر و ناظر تھے تو وہ کافر ہے۔

(۳) الشیخ، العلامہ، المدقق الفہامہ، ابوحنیفہ ثانی زین العابدین بن نجیم المصری (المتوفی سنہ ۹۷۰ھ) رقمطراز ہیں کہ۔

لو تزوج بشہادۃ اللہ و رسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔

(بحر الرائق ج ۵ ص ۱۶)

اگر کسی شخص نے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا، نکاح تو سرے سے ہی منعقد نہ ہوگا۔ اور وہ شخص کافر ہو جائیگا۔ کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

(۴) حضرت سلطان عالمگیرؒ (المتوفی سنہ ۱۱۱۸ھ) نے پانچسو ذمہ دار فقہاء کرامؒ سے ہندوستانی کے لئے جو اسلامی آئین، قانون اور دستور مرتب کرایا تھا۔ اسمیں اس کی تصریح موجود ہے کہ۔

تزوج رجل امراۃ ولم یحضر الشہود وقال خدائے را و رسول را گواہ کردیم۔ او قال خدائے را و فرشتگاں را گواہ کردم یکفر و لو قال فرشتہ دست راست را گواہ کردم و فرشتہ چپ را گواہ کردم۔ لا یکفر۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۲)

ایک شخص نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور اس نے یہ کہا کہ میں خدا تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بناتا ہوں یا اس نے یہ کہا کہ میں خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو ایسا شخص کافر ہو جائیگا۔ اور اگر اس نے یہ کہا کہ میں دائیں اور بائیں پہلو والے فرشتے کو گواہ بناتا ہوں تو کافر نہ ہوگا۔ (کیونکہ یہ دونوں فرشتے تو حاضر ہی ہوتے ہیں)۔

(۵) فقہ حنفی کے مشہور و معروف فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ۔

تزوج بشہادۃ اللہ و رسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔

جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا۔ مگر وہ شخص کافر ہو جائیگا۔ کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

(۶) اور معروف فتاویٰ جواہر اخلاطیہ میں لکھا ہے۔

ان زعم انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب یکفر فما ظنّك بغیرہٖ۔

اگر کسی نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں تو وہ کافر ہو جائیگا۔ اگر کسی دوسرے سے متعلق یہ عقیدہ رکھے تو کیونکر مسلمان رہ سکتا ہے ؟

علاوہ ازیں امام، فقیہ، حافظ، محدث، مفسر، متقن، محقق، فاضل، مناظر اور زاہد علی بن ابی بکرؒ (المتوفی ۵۹۳ھ) صاحب ہدایہ اپنی کتاب تجنیس ص۲۹۷ میں، اور علّامہ، عدیم النظیر، فرید الدھر، مجتہد فی المسائل طاہر بن احمدؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص۳۵۴ میں اور فقیہہ وقت، جامع علوم، امام عبد الرحیم (المتوفی ۵۶۱ھ) فصولِ عمادیہ ص۶۴ میں اور علّم وقت امام محمد بن محمد الخوارزمی المشہور بالبزازیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) فتاویٰ بزازیہ ص۳۲۵ میں اور المحدث الکامل اور فقیہہ وقت علّامہ بدر الدین عینی (المتوفی ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری ج ۱۱ ص۵۲ میں اور محقّقِ کامل حافظ ابن ہمام محمد بن عبد الواحدؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) مسایرہ ج ۲ ص۸۸ مع المسامرہ میں اور یگانۂ روزگار فقیہہ و محدّث علی بن سلطانؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) المعروف بملا علیؒ القاری الحنفیؒ شرح فقہ اکبر ص۱۸۵ میں اور علامہ ابن عابدین الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) شامی ص۳۰۶ میں اور اسی طرح دیگر معتبر اور مستند فقہاء احنافؒ اس کی تصریح کرتے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا یا آپ حاضر و ناظر تھے تو ایسا شخص قطعاً کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ آخر میں ہم مفسّر قرآن محدّث زمان بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب حنفی پانی پتیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) کی صرف ایک عبارت پیش کر کے فقہاء کرامؒ کی عبارات کو انہیں مختصر اقتباسات پر ختم کرتے ہیں۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں: "اگر کسے بدوں شہود نکاح کرد و گفت خدا را و رسولِ خدا را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود" (مالابدمنہ ص۱۷۶)

حضرات آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ فقہاء احنافؒ کے نزدیک یہ مسئلہ اتنا واضح اور بے غبار ہے۔ کہ وہ بغیر کسی خوف اور لومۃ لائم کے ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کرتا ہے۔ تمام ذمہ دار اور محقق علماء احنافؒ سو فیصدی اس پر متفق ہیں اور یہی اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ ہے جیسا کہ فیوض قاسمی اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ سے ظاہر ہے اب فریقِ مخالف ہی سینہ پر ہاتھ رکھ کر اور ٹھنڈے دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر اور دل میں قبر اور آنحضرت کا

Marfat.com

خوف رکھ کر انصاف سے فرمائیے کہ حنفی کون ہے؟ علماء دیوبند یا بریلوی؛ دیوبندیوں کو وہابی کہنے والو! ذرا غور تو کرو۔ ؎

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے　　دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے جب اپنی اپنی قوم کے سامنے صحیح تعلیم پیش کی تو کیا نہ ماننے والے خاموش ہو گئے تھے؟ کیا انہوں نے صحیح تعلیم پر اعتراض نہیں کئے؟ یا بزعم خود انبیاء کرام کی تعلیم کا جواب انہوں نے نہیں دیا؟ کیا قرآن کریم پر مشرکین عرب نے اعتراضات نہیں کئے تھے؟ یا اپنے خیال کے مطابق انہوں نے نصوص قطعیہ کا جواب نہیں دیا؟ حدیث شریف سے متعلق کیا کچھ نہیں کہا گیا؟ صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور فقہاء کرامؒ کے بارے میں باطل فرقوں نے کیا کسر اٹھا رکھی ہے؟ اصحاب ثلاثہؓ کے ایمان پر کیا کچھ باطل فرقوں نے اعتراضات نہیں کئے؟ اور کیا خلیفہ رابعؓ اس طعن سے محفوظ رہے ہیں! مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی معترضین کے اعتراضات صحیح ہیں؟ ہر ایک منصف مزاج یہی کہے گا کہ ان تمام گمراہ فرقوں کے اعتراضات یا بزعم خود جوابات سراسر باطل اور مردود ہیں۔ اسی طرح فریقِ مخالف نے فقہاء کرامؒ کی ان عبارات پر جو اعتراضات کئے یا ان کے جوابات دیئے ہیں۔ تمام تر باطل ہیں سرسری طور پر ان کے اعتراضات مع جوابات ملاحظہ کریں۔

پہلا اعتراض: کہ امام قاضی خانؒ نے یہ مسئلہ لفظ قالوا سے بیان کیا ہے اور فقہاء کرام کمزور قول کو دوسروں پر محمول کر دیتے ہیں۔ (دیکھئے جاء الحق ص ۱۲۶ وغیرہ)

جواب: یہ اعتراض سرتا پا لغو اور بیہودہ ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ قیل یا رُوی وغیرہ تمریض کے صیغہ سے تو امام قاضی خانؒ نے یہ مسئلہ بیان نہیں کیا بلکہ پوری ذمہ داری سے یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ فقہاء کرامؒ کا قول ہی صرف یہ ہے۔ کیونکہ قال یا قالوا درحقیقت بیانِ حال واقعی کے لئے آتا ہے۔ ثانیاً اگر بالفرض امام قاضی خانؒ کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے تو دوسرے فقہاء احنافؒ کے نزدیک تو یہ ضعیف نہیں ہے وہ تو بہرحال قالوا اسی کے قائل ہیں اور یہ ان کا مفتیٰ بہ قول ہے۔ وثالثاً حافظ ابن ہمامؒ اور ملا علی القاریؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

وذکر الحنفیۃ تصریحاً بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب (مسایرہ ج ۲ و شرح فقہ اکبر ص ۱۸۵)

کہ علماء احناف نے صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں خالص کفر ہے۔

غور تو کیجئے کہ فقہاء احناف رح کس ذمہ داری اور کیسی صراحت اور وضاحت سے یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ رکھنا سراسر کفر ہے۔ مفتی احمد یار خان صاحب جواب کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں لہذا وہ بھی کافر ہوئے کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا ذکر ہی نہیں رح (جاء الحق ص ۱۲۶) نری جہالت پر مبنی ہے کیونکہ مطلق الغیب سے کلی علم غیب ہی مراد ہوتی ہے کیونکہ فرد کامل ہی پیش ہے۔ لہذا مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ کل یا بعض کا ذکر نہیں سراسر باطل ہے۔

دوسرا اعتراض: کہ بعض فقہاء کرام نے اس تکفیر کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گواہوں کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ منکم تمہاری جنس سے ہوں اور جو شخص خدا تعالیٰ کو اور دوستوں کو گواہ بناتا ہے تو وہ گویا اس معہود طریقہ کے علاوہ ایک دوسرے طریقہ سے نکاح کی حلت سمجھتا ہے لہذا وہ کافر ہے (مقیاس حنفیت ص ۲۷۲ وغیرہ)

جواب: یہ اعتراض یا تاویل بھی مردود ہے۔ اس لئے کہ فقہاء کرام نے بطریق مذکور نکاح کرنے والے کی تکفیر کی خود وجہ بھی بیان کی ہے۔ اور اس کی تصریح کرتے ہیں کہ وہ شخص صرف اور صرف اس لئے کافر ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کیا اور اس کا اعتقاد کیا ہے۔ حالانکہ آپ کو زندگی میں علم غیب حاصل نہ تھا تو اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کہاں سے عطا ہوا؟ تمام فقہاء کرام کی عبارات میں تکفیر کا مرکزی نقطہ ہی صرف یہ ہے۔ دوبارہ عبارات ملاحظہ کیجئے کہ فقہاء کرام وجہ تکفیر کس چیز کو قرار دیتے ہیں آیا عقیدہ علم غیب اور حاضر و ناظر کو یا گواہوں کے غیر جنس میں سے ہونے کو؟

تیسرا اعتراض: کہ فقہاء کرام نے ایسے شخص کی تکفیر محض تشدید اور تخویف کے طور پر کی ہے۔

جواب: اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم

Marfat.com

کرنا گناہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء احناف نے تشدیداً ایسے شخص کی تکفیر کی ہے تو ہمارا مسئلہ پھر بھی واضح ہے کہ یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر یا عالم الغیب ہیں ہرگز اسلامی نہیں ہے، ورنہ فقہاء کرامؒ نہ تو اس کو گناہ سمجھتے اور نہ تشدیداً تکفیری کرتے۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ یہ عقیدہ تو اسلامی ہے مگر فقہاء کرامؒ نے بلا وجہ تکفیر کی ہے تو یہ تمام فقہاء احنافؒ خود کافر اور مرتد ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کو جو اسلامی عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر بتلاتے ہیں (العیاذ باللہ) کیا واقعی فریق مخالف ان فقہاء کرامؒ کو کافر سمجھتا ہے؟ نیز اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا اسلامی عقیدہ ہے تو فقہاء کرامؒ نے تکفیر کی طبع آزمائی اس مسئلہ پر کیوں کی ہے تشدیداً یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ پر فرشتوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والا بلکہ ہر قسم کی نیکی کرنے والا کافر ہے؟ اور پھر فقہاء کرامؒ سے پوچھئے کہ آپ نے زانی، شرابی، چور، کاذب اور دیگر جرائم پیشہ مجرم کو کیوں کافر نہیں کہا؟ کیا آپ کو ہدف تکفیر کے لئے علم غیب اور حاضر و ناظر کا مسئلہ ہی دستیاب ہوا ہے ؏

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

چوتھا اعتراض: بعض فقہاء کرامؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا یہ قول بھی آپ پر پیش کیا جائے لہذا وہ کافر نہ ہو گا۔ (جاء الحق ص۱۳۶ وغیرہ)

جواب: یہ اعتراض بھی چنداں وقعت نہیں رکھتا **اولاً** اس لئے کہ عرض اعمال کی صحیح سند کے ساتھ کونسی متواتر حدیث موجود ہے جس پر اس کی بنا رکھی جاتی ہے۔ **وثانیاً** اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تب بھی خبر واحد ہو گی اور خبر واحد کو قرآن کریم کی آیات اور احادیث متواترہ کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے۔ آیات اور احادیث کا ذکر عنقریب آ رہا ہے اور کچھ احادیث آپ پڑھ چکے ہیں۔ **وثالثاً** کیا عرض اعمال کی حدیث میں بعض اعمال (مثلاً درود شریف وغیرہ) مراد ہیں یا جملہ اعمال؟ اور پھر امت سے امت دعوت مراد ہے یا امت اجابت؟ **رابعاً** اگر واقعی عرض اعمال سے جملہ اعمال کی پیشی مراد ہوتی تو فقہاء کرامؒ نے جو اپنی جگہ بڑے متبحر ثقہ اور محتاط تھے ایسے شخص کی تکفیر کیوں

Marfat.com

کی ہے؟ اور یہ حدیث ان سب سے کیسے مخفی رہی ہے؟ وخامساً جو لوگ عرض اعمال کی حدیث کو آڑ بناتے ہیں انہوں نے فقہاء کرامؒ کی ان عبارات پر مرصلفاً غور ہی نہیں کیا کیونکہ فقہاء کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس لئے کافر ہے کہ اس نے اپنی مجلس نکاح میں حضرت محمد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کیا ہے۔ اور وہ فاضل بیچارہ خود بھی چلا چلا کر یہ کہتا ہے کہ رسول را گواہ کردم کہ میں اس مجلس میں آپ کو حاضر تسلیم کرتا ہوں اور تاویل کرنے والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ شاید قائل کی یہ بات اس مقام پر جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں پیش کی گئی ہو تو اس توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کو کون سنتا ہے! یہی وجہ ہے کہ فقہائے احنافؒ ایسے شخص کو کافر ہی کہتے ہیں۔ اور اس لایعنی اور بے کار توجیہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اس کی تکفیر ہی کرتے ہیں۔ و سادساً فقہاء کرامؒ نے اس عبارت میں ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا مدعی اور علم غیب کلی کا معتقد ہو۔ اور اس قائل کے قول سے نظر بہ ظاہر یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ شخص ہر مجلس نکاح میں آپ کو حاضر و ناظر سمجھتا ہے۔ اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ واقعی ایسا شخص کافر ہے۔ کیونکہ نصوص کو ظاہر پر ہی حمل کیا جائے گا۔ ورنہ باطنیت لازم آئے گی اور اس کے خلاف ایک بھی معتبر قول، فتویٰ اور شہادت نہیں پیش کی جا سکتی۔ ہاں البتہ تمام اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ بذریعہ وحی یا کشف و الہام اللہ تعالیٰ بعض مغیبات پر انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مطلع کر دیتا ہے۔ اگر کوئی قائل یہ کہے یا اس کا عقیدہ یہ ہو کہ میری مراد یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر مجلس نکاح میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں ہیں لیکن میرے اس جزوی واقعہ میں آپ حاضر تھے یا آپ کو اس کا علم ہے تو (گو یہ بات بھی بالکل باطل اور بلا دلیل ہے مگر) اس صورت میں اس کی تکفیر میں تامل ہو سکتا ہے۔ اور بعض نے کیا بھی ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آپ ہر ایک مجلس نکاح میں حاضر و ناظر ہیں اور آپ کو اس کا علم ہے تو اس کی تکفیر میں فقہاء کرامؒ کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس جزوی طور پر حاضر و ناظر ہونے اور کلی طور پر ہر ایک جگہ میں حاضر و ناظر ہونے میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ فاین الثریٰ من الثریا۔ بقی اعمال امتی الخ حدیث کی مزید تشریح انالۃ الریب میں دیکھئے

پانچواں اعتراض : کہ فقہاء کرامؒ نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں اور ہم لوگ تو عطائی طور پر آپ کو (بلکہ دیگر انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو) عالم الغیب، اور حاضر و ناظر مانتے ہیں اور چونکہ عطائی طور پر ان صفات کے غیر اللہ میں تسلیم کرنے سے خاصۂ خداوندی میں شرکت لازم نہیں آتی (کیونکہ خداوند تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی ہیں) اس لئے یہ شرک نہیں ہے (دیکھئے بحار الحق ص ۱۲۸ و مقیاسِ حنفیت ص ۷۲)

جواب : یہ اعتراض بھی یقیناً اور حتماً مردود ہے۔ **اوّلاً** : اس لئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر نفوسِ قدسیہ) کا اپنا وجود مسعود اور نبوت و رسالت وغیرہ وہبی اور عطائی ہے تو یہ تصور کہاں سے اور کیسے قائم کیا جا سکتا ہے کہ ان کی (علم۔ سمع و بصر وغیرہ کی) کوئی صفت ذاتی بھی ہو سکتی ہے؟ کیونکہ جب موصوف عطائی ہے تو اس کی صفت کے ذاتی ہونے کا تصور کیسا؟ جب اس کا احتمال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تو اس میں ذاتی اور عطائی کا قصہ چھیڑنا ہی بیکار اور باطل ہے۔ **ثانیاً** : اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر الٰہ اور خالق مانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (بلکہ دیگر بزرگوں کو بھی) عطائی طور پر الٰہ اور خالق تسلیم کرتا ہوں۔ تو کیا ایسا شخص مسلمان رہیگا اگر رہیگا تو کس دلیل سے؟ اگر وہ ہرگز مسلمان نہیں اور یقیناً نہیں تو فرمائیے کہ اس بیچارے نے خدا تعالیٰ کا ذاتی خاصہ آپ میں یا کسی دوسرے میں تو تسلیم نہیں کیا پھر وہ کافر کیسے ہوا۔ نیز اگر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بالاستقلال اور تشریعی نبی ہیں مگر کوئی دوسرا شخص (جیسے مرزا غلام احمد قادیانی جو تلاثون کذابون دجالون کی مد میں ہے) بالتبع اور غیر تشریعی نبی ہو سکتا ہے اور اسی کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض اور آپ کا ظل ہے تو کیا ایسا شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ اس شخص نے تو آپ کا خاصہ غیر میں تسلیم نہیں کیا۔ پھر وہ کافر کیسے ہو گیا؟ **ثالثاً** : خدا تعالیٰ کی صفات کے دو پہلو اور دو شقیں ہیں۔ ذاتی اور محیط تفصیلی اور ان میں سے کسی پہلو اور شق کو بھی غیر کے لئے ثابت کرنا قطعاً اور یقیناً شرک اور کفر ہے اور صورت مذکورہ میں ماننے والے گو عطائی مانتے ہیں۔ مگر کلی اور محیط بھی تو تسلیم کرتے ہیں جو نصوص قطعیہ کے سراسر مخالف اور بجائے خود شرک ہے۔ **رابعاً** : مشرکین عرب بھی عطائی طور پر ہی اپنے الٰہوں اور معبودوں کے لئے

Marfat.com

یہ صفات تسلیم کرتے تھے مگر وہ مشرک اور کافر قرار دیئے گئے۔ اس کی مزید تحقیق راقم الحروف کی کتاب گلدستۂ توحید اور ازالۃ الریب وغیرہ میں دیکھئے۔

چھٹا اعتراض: کہ فقہاء کرامؒ نے ایسے مدعیٔ علم غیب کی تکفیر کی ہے جس کے پاس دلیل نہ ہو اور جو علم غیب مستند الی دلیل ہو تو وہ مالا دلیل علیہ کے تحت داخل نہیں ہے لہٰذا ایسا شخص کافر نہ ہوا،

جواب: یہ اعتراض بھی خالص لچر اور بیہودہ ہے۔ اوّلاً: اس لئے کہ فقہاء کرامؒ کی نظر بصیرت بڑی دور رس ہوتی ہے وہ مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کر کے اس کی جملہ شرائط اور قیود و حدود کو بیان کر کے اور ملحوظ رکھ کر فتویٰ صادر فرماتے ہیں اور اس مقام پر یہ قید یا شرط فقہاء کرامؒ نے بیان نہیں فرمائی۔ وثانیاً: ہر ایک مجلسِ نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا یا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کو اسکا علم ہے یہ بھی تو وہی بات ہے جو مالا دلیل علیہ کا مصداق ہے اور اس پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیا قرآن کریم یا حدیث متواتر یا اجماع امت میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ ہر مجلس نکاح میں حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور ہر عقدِ نکاح کا آپ کو علم ہوتا ہے؟ اگر اس پر دلیل نہیں اور یقیناً نہیں تو معاملہ صاف ہے اور اگر ہے تو اللہ بسم اللہ۔ لائیے ہم منتظر رہیں گے دیدہ باد

فریقِ مخالف سے مطالبہ: ہم فریقِ مخالف کو دعوتِ فکر دیتے ہیں اور یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مسلم فقہاء احنافؒ کی دو شہادتیں (بلکہ ایک ہی شہادت اور حوالہ) پیش کر دے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر مجلسِ نکاح میں حاضر و ناظر تسلیم نہیں کرتا یا جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آپ کو ہر عقد نکاح کا علم نہیں ہے۔ یا جو شخص یہ کہتا ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں یا آپ کو علم غیب کلی عطا نہیں ہوا تو وہ شخص کافر ہے فریقِ مخالف کی پوری جماعت کو تا قیامت مہلت ہے اور چوٹی سے ایڑی تک کا زور لگا کر وہ یہ مطالبہ پورا کر دے۔ ہے کوئی مرد میدان؟ دیدہ باید۔ مفتی احمد یار خان صاحب سے جب اور کچھ نہ بن سکا تو گلو خلاصی کرنے کی یہ تجویز فرمائی کہ درمختار ج ۳ باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے یَا حَاضِرُ یَا نَاظِرُ لَیْسَ بِکُفْرٍ اے حاضر۔ اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے (جاء الحق ص ۱۴۱) مگر مفتی صاحب نے اس پر مطلقاً غور نہ کیا کہ نزاع لفظ حاضر و ناظر میں نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم اور معنی میں ہے۔ اشتراکِ لفظی سے مسائل اخذ کرنا۔ مفتی احمد یار

خان صاحب ہی کو زیبا ہے۔ مفتی صاحب ہی فرمائیں کہ کیا انسان کو سمیع اور بصیر کہنا کفر ہے؟ یہی کہینگے کہ ہرگز نہیں اس لئے کہ قرآن کریم میں انسان کے لئے یہ صفت آئی ہے۔ انسان کی خلقت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے :۔

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (پ ۲۹۔ دھر۔ ۲) ہم نے انسان کو سمیع اور بصیر بنایا۔

ہاں اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ انسان ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے۔ تو نہ صرف ناجائز ہوگا بلکہ کفر ہوگا۔ تو اختلاف استعمال لفظ میں نہ رہا۔ مفہوم اور معنیٰ میں ہوا۔ اسی طرح حفیظ علیم۔ رب اور مالک وغیرہ کے الفاظ انسان پر اطلاق کئے گئے ہیں اور اس معنیٰ میں انسان پر یہ الفاظ اطلاق کرنے ناجائز نہیں ہیں۔ لیکن اگر ان الفاظ کو وہ معنیٰ اور مفہوم دیا جائے جو خدا تعالےٰ کے مناسب شان ہے تو یقیناً باطل ہوگا۔ یا جیسے لفظ رسول کا اطلاق لغوی اعتبار سے غیر نبی پر بھی ہوا ہے مسیلمہ کذاب کے دو قاصدوں پر رسولا مسیلمۃ کا اطلاق ہوا ہے مگر کیا شرعی رسول کا مفہوم کسی اور میں پایا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو سمجھ عطا فرمائے۔ گو وہ مفتی صاحب تو ہیں مگر ع

نہ ہر کہ موئے برافسرد تخت دلبری داند

مفتی صاحب نے تو یہ کہا۔ مگر مولوی سید احمد صاحب کاظمی لکھتے ہیں کہ شامی ج ۳ ص ۲۳۶۔ وبیاحاضر وناظر لیس بکفر۔ صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یا حاضر و ناظر کہنا کفر نہیں۔ اس پر علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں۔

قولہ لیس بکفر۔ فان الحضور بمعنی العلم شائع الی قولہ والنظر بمعنی الرؤیۃ (لفظہ ملتقطا حاشیہ تسکین الخواطر ص ۱)

کہ حضور علم کے معنی میں عام طور مستعمل ہے ..... اور نظر رویت کے معنیٰ میں مستعمل ہے اور رویت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔

اس عبارت کا مفاد ہی کچھ اور ہے۔ جو مفتی صاحب کے برعکس ہے۔

نوٹ :۔ کسی شیعہ یا نیم شیعہ کا کوئی قول اور حوالہ یا مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کے متوسلین اور اتباع و اذناب میں سے کسی کو حنفی تصور کر کے ان کا کوئی حوالہ پیش کرنا اپنی جماعت کے ناخواندہ

Marfat.com

عوام اور سادہ لوح حضرات کی قلبی تسکین کا سامان تو شاید ہو سکے مگر اہلِ علم اور سمجھدار مسلمان کے نزدیک ایسے حوالے پرِ کاہ کا وزن بھی نہیں رکھتے لہذا فریقِ مخالف سے التماس ہے کہ یا تو وہ اس غلط عقیدہ کا زبان سے اظہار ہی نہ کرے یا دلیل لائے - ورنہ تسلیم کرلے ؎

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیذِ گل　　یا سراپا نالہ بن جایا نوا پیدا نہ کر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب ارشاد فرمایا ہے کہ تم مُو بمُو یہود اور نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلو گے (او کما قال متفق علیہ) عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اے میرے یسوع میں ایمان رکھتا ہوں کہ تو ہر جگہ حاضر موجود ہے (کیتھولک عبادت کی کتاب ص۶۸) اس کی تشریح میں پادری عماد الدین صاحب لکھتے ہیں یعنی یسوع ہر جگہ حاضر و ناظر ہے - (تفتیش الاولیاء ص۱۰۸ از پادری مذکور) عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو مجلس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر منعقد کی گئی ہو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاضر ہوتے ہیں - (حضرت یسوع فرماتے ہیں) کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں وہاں میں ان کے بیچ میں ہوں (انجیل متی باب ۱۸ آیت ۲۰) اور یہی بعض جاہل کلمہ گو مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جہاں آپ کا ذکر پاک یا نام مبارک لیا جاتا یا مجلسِ میلاد اور محفلِ ولادت ہوتی ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ (العیاذ باللہ) کیا کسر باقی رہ جاتی ہے ایسے برائے نام محمدی اور عیسائی ہیں۔ ؏

تا کس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

یہاں تک جو بحث ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر نہ ہونے کی تھی۔ اب آپ فقہاء احنافؒ ہی کی زبانی اولیاء کرامؒ سے متعلق بھی بعض حوالجات سُن لیجئے تاکہ مسئلہ زیرِ بحث کا یہ پہلو بھی تشنہ نہ رہے۔ علامہ فہامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں۔ کہ

قال علمائنا من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر۔

ہمارے علماء احنافؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر ہیں اور وہ جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

(بحر الرائق ج۵ ص۱۳۴)

اور اسی سے ملتی جلتی عبارت فقہ حنفی کی دیگر معتبر اور مستند کتابوں میں مذکور ہے۔

Marfat.com

حضرات آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ ہمارے اکابر علماء احناف کثراللہ جماعتہم (جن کا یہ بنیادی عقید
چلا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے بڑھ کر علوم و معارف، دقائق و اسرار، گذشتہ اور آئندہ
سے متعلق بے شمار غیب کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں حتیٰ کہ نہ تو کوئی نبی مرسل
ان علوم میں آپ کا نظیر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی فرشتہ مقرب) یہ فرماتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا،
اور عالم الغیب والشہادۃ اور جمیع ما کان وما یکون کا عالم ہونا صرف ذات خداوندی
کا خاصہ ہے اور یہ عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی رکھنا خالص کفر ہے بدیگراں چہ رسد
حالانکہ نہ تو آپ کی مانند آج تک کوئی پیدا ہوا نہ ہوگا۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ ؎

رخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

Marfat.com

چوتھا باب

اس باب میں فریقِ مخالف کی طرف سے پیش کردہ نقلی اور عقلی استدلالات کے جوابات عرض کئے جاتے ہیں۔ قارئین کرام سے مخلصانہ استدعا ہے کہ وہ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ٹھنڈے دل سے ہر بحث پر غور اور فکر کریں تاکہ آپ کو فریقِ مخالف کے مغالطات یا بزعم خود استدلالات کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے۔

فریقِ مخالف کا پہلا استدلال اور اس کا پسِ منظر

مخالفین نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حاضر و ناظر ہونے پر لفظ شاہد اور شہید سے استدلال کیا ہے، ذیل کی آیات پر ایک نگاہ ڈالئے پھر فریقِ مخالف کے استدلال کی تشریح سنئے۔

(۱) سورۂ مزّمل میں ارشاد ربانی یوں ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (پ ۲۹۔ مزّمل ع ۱)	ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول گواہی دینے والا تمہارے اوپر جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔

(۲) سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (پ ۲۔ بقرہ۔ رکوع ۱۸)	اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت بہتر تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔

(۳) سورۂ احزاب میں ارشادِ ربّانی یوں ہے :-

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ	اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا اور

Marfat.com

مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ (پ۲۲ - احزاب - رکوع ۶) خوش خبری سنانے والا۔

(۴) سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے :-

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۔

(پ۵ - نساء - رکوع ۶)

پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے ہم ہر امّت میں سے گواہی دینے والا اور بلائیں گے تجھ کو ان لوگوں پر گواہی دینے والا۔

(۵) سورۂ حج میں یوں ارشاد ہوتا ہے :-

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔ (پ۱۷ ، حج ، رکوع ۱۰)

تاکہ رسول ہو گواہی دینے والا تمہارے اوپر اور تم ہو گواہی دینے والے لوگوں پر۔

یہ آیات کریمات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب فریقِ مخالف کا ان سے استدلال اور احتجاج بھی ملاحظہ فرمائیے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت شاہد اور شہید بیان کی گئی ہے۔ اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امّت پر گواہی دیں گے۔ اگر آپ ہر ہر امّتی کے حال سے واقف اور آگاہ نہیں۔ اور اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر اور عالم جمیع ما کان و ما یکون (یعنی ہر ہر چیز کے جاننے والے کہ جو چیزیں دنیا میں پہلے پیدا اور ظاہر ہو چکی ہیں اور جو آئندہ ہوں گی) نہیں تو آپ گواہ کیسے بنے ؟ جب آپ گواہ ٹھہرے تو حاضر و ناظر ہو گئے غیب پر مطلع ہو گئے۔ (دیکھئے جاء الحق صہ ۱۳۲ وغیرہ)

جواب :- اس سے قبل کہ ہم استدلال کے تحقیقی اور الزامی جوابات عرض کریں۔ ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند بنیادی اور اصولی چیزیں عرض کر دیں۔ تاکہ معاملہ آسانی سے سمجھ میں آ سکے۔

(۱) قرآن کریم آسمانِ دنیا سے ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا۔ بلکہ ضرورت اور مصلحت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا ہے۔ مکّہ مکرمہ (یعنی غارِ حرا) میں اس کے نزول کی ابتدا ہوئی۔ اور پھر ہوتے ہوتے آپ کے پورے زمانۂ نبوت (یعنی تیئیس ۲۳ برس) میں یہ مکمل ہوا۔ اس میں نہ تو اختلاف ہے اور نہ اختلاف کی گنجائش۔

Marfat.com

(۲) قرآن کریم کی موجودہ ترتیب نزول کی ترتیب نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کی سب سے پہلے جو آیات نازل ہوئی ہیں۔ وہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ الایات ہیں حالانکہ یہ آیات جس سورت میں مذکور ہیں وہ سورت قرآن کے آخری پارے میں ہے اور سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی ہے وہ سورۂ توبہ ہے جو تقریباً دسویں پارے کے نصف سے شروع ہو کر گیارہویں پارے میں ختم ہوتی ہے۔

(۳) قرآن کریم کی جو سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔ سورۂ بقرہ، انفال، آل عمران، احزاب، ممتحنہ، نساء، اذا زلزلت، حدید، قتال، رعد، رحمٰن، طلاق، لم یکن، حشر، اذا جاء نصر اللہ، نور، حج، منافقون، مجادلہ، حجرات، تحریم، جمعہ، تغابن، صف، فتح، مائدہ اور سورۂ توبہ علی الترتیب نازل ہوئی ہیں۔ بحوالہ تفسیر اتقان علامہ جلال الدین سیوطیؒ ج ۱ ص ۱۸ اردیہ وغیرہ۔

(۴) اس بحث کے ساتھ ایک کڑی یہ بھی ملا لیجئے کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی ہے۔ وہ سورۂ توبہ ہے۔ چنانچہ بخاری ج ۲ ص ۶۲۶ اور مسلم ج ۲ ص ۳۵ میں حضرت براء بن عازبؓ سے اور مستدرک ج ۲ ص ۲۲۱ میں (جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبی دونوں متفق ہیں) حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ۔

آخر سورۃ انزلت تامۃ سورۃ التوبۃ — یعنی سب سے آخر میں قرآن کی جو مکمل سورت نازل ہوئی ہے وہ سورۂ توبہ ہے۔

(واللفظ لمسلم ج ۲ ص ۳۵)

لیکن اس کی صرف دو آیتیں۔ وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ الآیتین کی ہیں۔ (تفسیر اتقان ج ۱ ص ۳۱) اور دو چیزیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے جس کی تردید دوسری آیات، اور خصوصاً بعد کو نازل ہونے والی سورتوں اور آیتوں سے ثابت ہو۔ تو ایسا مطلب اور معنی یقیناً مردود ہوگا۔ اور دوسری یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح کسی آیت کی تفسیر مروی ہو۔ اور اس کے مقابلہ میں کسی مفسر کی

Marfat.com

ذاتی رائے ہو۔ تو اس رائے کی اصول شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی مناسب تاویل کر لی جائے جس سے وہ تفسیر قرآن کریم اور حدیث شریف کے مخالف نہ ہو اور اگر تاویل بھی نہ ہو سکے تو ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں"

قارئین کرام! اس اصولی بحث کے بعد گہری نظر سے امور ذیل پر نگاہ جمائیے۔ سورۂ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی جس میں شاہد کا لفظ موجود ہے۔ اور سورۂ بقرہ، سورۂ احزاب، نساء، حج، اگرچہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن سورۂ منافقون، تحریم اور توبہ وغیرہ مذکورہ بالا سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اگر شاہد اور شہید سے مراد وہی ہو جیسا کہ فریق مخالف کا بے بنیاد دعویٰ ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تو جو سورتیں ان سورتوں کے (جن میں شاہد اور شہید کے الفاظ موجود ہیں) بعد نازل ہوئی ہیں وہ اس دعویٰ کی تردید کیوں کرتی ہیں! اور آپ پوری تفصیل سے پڑھیں گے کہ ان سورتوں کے بعد نازل ہونے والی سورتیں اس دعویٰ کی صراحتاً سے تردید کرتی ہیں۔ چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کا کلام ہے۔ اس میں تعارض اور اختلاف کا وجود تو کیا احتمال بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فریق مخالف کے اس دعوے کو تسلیم کر لینے سے قرآن کریم کی سورتوں کا آپس میں اختلاف اور تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسا مطلب قطعاً قرآن کریم کا نہیں ہو سکتا اور یقیناً ایسا معنیٰ اور مطلب ایجاد بندہ ہو گا جو مردود اور باطل ہے۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ تعارض کس طرح لازم آتا ہے؟ اور اختلاف کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

سورۂ منافقون جو سورۂ مزمل، بقرہ، احزاب، نساء، حج کے بعد نازل ہوئی ہے جن میں شاہد اور شہید کا لفظ موجود ہے جس سے مخالفین اپنی گاڑی چلاتے ہیں۔ اس کا شان نزول بخاری ج۲ ص۷۲۷ اور مستدرک ج۲ ص۴۸۹ میں یہ آتا ہے۔ کہ حضرت زید بن ارقمؓ نے فرمایا کہ ہم ایک غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے۔ (یہ غزوہ حضرت امام نسائیؒ وغیرہ کی تصریح سے غزوۂ تبوک تھا اور حضرت جابرؓ فرماتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں سب سے آخری یہی غزوۂ تبوک تھا۔ مستدرک ج۳ ص۵۶۶) اثنائے سفر میں میں نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کو راستہ میں یہ کہتے سنا کہ جب ہم مدینہ کو واپس

چلے جائیں گے تو ہم ان کمینوں (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ العیاذ باللہ) کو مدینہ سے ذلیل اور خوار کر کے نکال دیں گے۔ ہمیں خواہ مخواہ ہر طرف کشان کشان لئے پھرتے ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے چچا کو یہ واقعہ سُنا دیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہدیا۔ چنانچہ آپ نے مجھے بلوایا۔ میں نے سارا قصہ سنا دیا۔ آپ نے رئیس المنافقین کو طلب کیا۔ وہ آیا۔ آپ نے سوال کیا۔ کیا تم نے یہ باتیں کی ہیں؟ اس نے قسم اور حلف اٹھا کر کہا۔ خدا کی قسم میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ حضرت آپ خود سوچئے کہ میں بھلا ایسی باتیں کہہ سکتا ہوں؟ آپ کا خاکِ پا اور اس قسم کی باتیں؟ توبہ توبہ۔ ع

یہ ساری بیچ والوں کی شرارت ہے۔

اس کے بعد حضرت زید بن ارقمؓ کے الفاظ ہی میں سُن لیجئے :-

فکذبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدقہ فاصابنی ھمّ لم یصبنی مثلہٗ قط۔ (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور عبداللہ بن اُبیّ کو سچا تسلیم کرایا اس پر مجھے اتنی پریشانی اور غم لاحق ہوا جو زندگی بھر کبھی لاحق نہیں ہوا تھا۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں۔ میرے چچا نے مجھے ملامت کیا۔ میں اتنا شرمندہ ہوا کہ گھر سے باہر نکلنے کی تاب بھی اپنے اندر محسوس نہ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد قرآن کریم کی پوری سورت نازل ہوئی اور اس میں منافقوں کی جھوٹی قسموں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، کو مطلع کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ارقمؓ کو بلا کر فرمایا۔ تم سچے اور منافقین جھوٹے تھے۔ اور فرمایا :-

ان اللہ قد صدّقک یا زیدؓ۔

اے زیدؓ۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے سچا قرار دیا ہے۔

اور قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ فرمالیجئے :-

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال

Marfat.com

اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً الآیۃ (پ۲۸ - منافقون، رکوع ۱) اور سپر بنا رکھا ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے تو آپ یقیناً عبد اللہ بن اُبی رئیس المنافقین کی بے سروپا باتیں سُن لیتے۔ کیونکہ مخالفین کے قول کے مطابق آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔ شاہد اور شہید تھے پھر نہ معلوم خدا کے پیغمبر نے ایک سچے کو کیوں جھوٹا کہا؟ اور جھوٹے منافق کو کیوں سچا قرار دیا؛ کیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیدہ دانستہ حاضر و ناظر اور عالم جمیع ما کان و ما یکون ہونے کے باوجود سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا قرار دیا کرتے تھے۔ (العیاذ باللہ) ذرا ان برائے نام عاشقانِ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب تو ارشاد فرمانا چاہئے۔ بیّنوا توجروا۔

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن ابیّ کی تصدیق فرما دینے سے لازم نہیں آتا کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو۔ شرعاً مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے ورنہ مدعیٰ علیہ قسم کھا کر مقدمہ جیت لیگا۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعیٰ علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ قاضی کے ذاتی علم پر۔ (جاء الحق ص۱۵۵) مگر یہ جواب سراسر مردود ہے اس لئے کہ بلاشک قاضی بلا شہادت یا حلف فیصلہ نہیں کر سکتا مگر اس کو شرعاً یہ بھی تو حق حاصل نہیں کہ ذاتی علم کے ہوتے ہوئے وہ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا قرار دے اور پھر اس سے ناراض بھی ہو جائے۔ بخاری ج ۲ ص۷۲۷ ہی میں یہ روایت مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو جھوٹا تصوّر فرمایا اور ان سے ناراض بھی ہو گئے۔ یہ کیا عجیب منطق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیع اور بلند ذات کی طرف یہ بات منسوب کیجائے کہ آپ نے عمداً سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا قرار دیا؛ (العیاذ باللہ) پھر مفتی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کذّبنی کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی یہ معنی نہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں۔ (جاء الحق ص۱۵۶) تو یہ بھی باطل ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ کذّبنی کا یہ معنی کہ میری بات نہ مانی خالص ایجاد بندہ ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ ہی یہ ہے کہ مجھے جھوٹا قرار دیا۔ وثانیاً اگر مفتی صاحب کے معنیٰ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ آپ نے حضرت زیدؓ کی بات باوجود سچا ہونے کے کیوں نہ مانی؛ وثالثاً بیشک صحابہ کرامؓ عادل ہیں مگر اپنے معلومات کی بنا پر کسی کی تکذیب کرنے

اس کا نفس الامر میں جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا چونکہ حضرت زیدؓ سچے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق نازل فرمائی ۔

اس سابق بحث کے پیش نظر یہ عرض کرنا ہے کہ اگر لفظ شاہد اور شہید سے وہی مراد ہوتی جس کو مخالفین بیان کرتے ہیں یعنی حاضر و ناظر تو جن سورتوں میں اس صفت کا ذکر ہے ان سب سے سورۂ منافقین بعد کو نازل ہوئی ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی تردید ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی اور ایک سورت دوسری سورت کی تردید کرے اور اس کی سورتوں کا اس طرح آپس میں اختلاف اور تعارض واقع ہو حاشا و کلاّ ۔ لہذا شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر کا مراد لینا قرآن کریم کے سراسر خلاف ہے ۔ اور سنئے سورۂ تحریم کا شانِ نزول صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹ اور مسلم ج ۱ ص ۴۷۹ وغیرہ میں اس طرح بیان ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلافِ معمول حضرت زینبؓ کے پاس شہد نوش کرنے کے سلسلہ میں دیری ہو جایا کرتی تھی ۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو بمقتضائے بشریت یہ چیز ناگوار گذری کہ آپ زیادہ وقت کسی اور کے پاس ٹھہریں ۔ آپس میں خفیہ میٹنگ اور مشورہ کیا کہ کسی حیلہ و بہانہ سے آپ کا حضرت زینبؓ کے پاس کثرت سے آنا جانا بند کر دیں سوچا یہ کہ اگر حضورؐ حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو وہ کہدے ۔ کہ آپ سے مغافیر (عرب میں ایک قسم کا گوند ہے ، کی بُو آتی ہے اور اگر آپ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے ۔ تو وہ یہ بات کہہ دے ۔ سازش مکمل ہو گئی ۔ اور آپ جب تشریف لائے تو یہ بات کہہ دی گئی ۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اور تو کوئی چیز کھائی نہیں ۔ البتہ زینبؓ کے ہاں شہد کھاتا رہا ۔ اب میرے اوپر حرام ہے کہ میں شہد استعمال کروں ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص لہجہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنبیہہ فرمائی اور جھڑکا اور فرمایا کہ آپ کفارہ ادا کر کے حلال چیز کو استعمال کیجئے ۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا ۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ ملاحظہ کیجئے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ الآیۃ (پ ۲۸ ، تحریم ، ع ۱)	اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر تو چاہتا ہے رضامندی اپنی عورتوں کی ۔

Marfat.com

اس مفصل بحث کو بھی پیش نظر رکھیئے اور مفتی احمد یار خان صاحب کے اس معصومانہ جواب کو بھی دیکھئے کہ۔ یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا۔ کے لئے ہے (جاء الحق ص ۱۲۴) سبحان اللہ یہ ہے مفتیانہ جواب۔ اس واقعہ کے ساتھ اسی سورت کا ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

واقعہ یوں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی ایک سے کوئی نجی بات ذکر کی اور فرمایا کہ یہ کسی کو نہ بتلانا۔ انہوں نے غلطی یہ کی کہ آپ کے راز کی بات بتلا دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے آگاہ کر دیا۔ وہ فرمانے لگیں۔ آپ کو یہ معاملہ کس نے بتلایا ہے۔ کہ میں نے یہ بات ظاہر کر دی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے اس اللہ نے خبر دی ہے جو علیم اور خبیر ہے۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی دیکھ لیجئے:۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝

(پ۲۸۔ تحریم۔ رکوع ۱)

اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بی بی سے کوئی بات[1] پھر جب اس نے خبر کر دی اس کی اور اللہ نے جتا دیا نبی کو تو نبی نے اسمیں سے کچھ اسکو بتا دی اور کوئی حصہ بیان نہ کیا۔ پھر جب نبی نے اپنی بی بی کو یہ قصہ سنایا تو وہ کہنے لگی۔ آپ کو کس نے بتایا؟ نبی نے کہا، مجھے اللہ علیم اور خبردار نے آگاہ کر دیا ہے۔

پہلے واقعہ (یا حصہ) سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر (یعنی ازواج مطہرات کا) بھی یہ عقیدہ نہ تھا۔ کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کا اگر یہ عقیدہ ہوتا کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو اس خفیہ سازش اور مخفی میٹنگ کا کیا معنیٰ اور مطلب تھا؟ ورنہ جیسے آپ کی موجودگی میں اور آپ کے سامنے مشورہ کرنے کی انہوں نے جرأت نہیں

---

[1] اس آیت سے یہ بھی جیسا کہ پہلے وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ الآیۃ سے معلوم ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور ارشاد پر لفظ حدیث کا قرآن کریم میں اطلاق ہوا ہے لہذا منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کہ حدیث صرف قرآن ہی ہے باطل ہے۔

Marfat.com

کی۔ پسِ پشت اور غائبانہ بھی ان لطائف الحیل کی ضرورت محسوس نہ ہوتی! اسی طرح دوسرا واقعہ تو نص قطعی ہے۔ کہ ازواج مطہرات کا ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا۔ کہ آپ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہیں اور آپ ہر بات بہ نفسِ نفیس خود سن لیتے ہیں۔ جیسا کہ آج کل بریلوی دوستوں کا خیال ہے۔ اگر ازواج مطہرات کا یہ عقیدہ ہوتا تو آپ کی زوجہ مطہرہؓ کے اس سوال کا کیا معنیٰ ہے؟ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاكَ هٰذَا۔ یعنی زوجہ مطہرہؓ نے کہا کہ آپ کو کس نے یہ اطلاع دی ہے؟ اور اس کے جواب میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ اگر لفظ شاہد اور شہید کا وہی معنیٰ ہوتا جو فریق مخالف کا ایجاد کردہ ہے۔ یعنی حاضر و ناظر تو ازواج مطہرات کو (جن کو خصوصیت سے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہو چکا ہے کہ :-

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی
مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ (پ ۲۲ - احزاب ع ۱) آیتیں۔)

ضرور معلوم ہونا چاہئے تھا کہ جب قرآن کریم میں آپ کی صفت شاہد اور شہید (یعنی بقول مخالفین حاضر و ناظر) بھی ہے تو آپ سے کونسی بات مخفی رہ سکتی ہے! اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہ بتلایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ میں شاہد اور شہید یعنی حاضر و ناظر ہوں۔ ہر بات خود سن لیتا ہوں اور ہر مجلس میں خود موجود ہوا کرتا ہوں۔ پھر تمہاری نجی باتیں اور خفیہ مجلسیں مجھ سے کیسے اور کیونکر مخفی رہ سکتی ہیں؟ اور پھر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ آپ ازواج مطہرات کے اس عقیدہ پر (کہ آپ حاضر و ناظر نہیں) خاموش ہی رہتے ہیں بلکہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے تمہارے اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے خبردار کر دیا ہے۔

یہ سورت ان تمام سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہے، جن میں شاہد اور شہید کا لفظ اور صفت موجود ہے۔ اگر شاہد اور شہید سے مراد حاضر و ناظر ہوتی تو محال ہے کہ بعد میں نازل ہونے والی سورتیں اور واقعات سے اس معنیٰ اور مطلب کی تردید ہوتی۔

اس واقعہ سے آپ کے جمیع مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن کے عالم اور مختار کل ہونے کی بھی صاف نفی ہو گئی ہے۔ کیونکہ اگر آپ کو یہ اختیار دیا جا چکا ہوتا کہ آپ جو چاہیں حلال کر دیں۔ اور جو چاہیں حرام کر

Marfat.com

دیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیوں خاص لہجہ میں یہ ارشاد فرمایا۔ کہ تم نے کیوں وہ چیز حرام کردی، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے حلال کی تھی۔ مگر افسوس کہ مخالفین کو اس سے کیا تعلق۔ کہ ہمارے اس عقیدہ کی رُو سے قرآن کریم، صحیح احادیث اور صحابہ کرامؓ اور خصوصاً ازواجِ مطہراتؓ سے متعلق کیا نظریہ قائم ہوتا ہے! اور ان کی طرف کس چیز کی نسبت لازم آتی ہے؛ ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام — کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

قرآن کریم میں منافقین کی ایک گہری سازش کا ذکر آیا ہے۔ اور تقریباً ڈیڑھ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ جس کا شانِ نزول ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸ اور مستدرک ج ۴ ص ۳۸۵ میں مذکور ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت قتادہؓ راوی حدیث کے چچا حضرت رفاعہؓ کے گھر بشیر نامی ایک منافق نے نقب لگا کر چوری کی۔ جو سامان چرایا گیا تھا اس میں کچھ کھانے کا سامان (میدہ وغیرہ) اور کچھ ہتھیار تھے تفتیش اور تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ چوری بنو ابیرق کے گھرانے نے ہی کی ہے جس میں بشیر اس کا سرغنہ ہے حضرت رفاعہؓ نے اپنے نوجوان اور قابل بھتیجے حضرت قتادہؓ کو اپنا مؤکل بنا کر اس معاملہ کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہونے کا حکم دیا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا ماجرا آپ کو سنا دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ حضرت اگر ہمیں ہمارے ہتھیار ہی واپس مل جائیں تب بھی ہمارے لئے بسا غنیمت ہے۔ حضور علیہ السلام نے توجہ فرمانے کا وعدہ فرمالیا..... جب چور کو اس کا پتہ چلا تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے مل کر یہ سازش کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی برأت کا اظہار کریں۔ چنانچہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کو سچا سمجھ لیا اور حضرت قتادہؓ کو جھوٹا سمجھ کر سخت لہجہ میں جھڑکا اور ارشاد فرمایا۔ قتادہؓ! تم نے بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے قصداً ایک ایسے گھرانے پر چوری کی تہمت لگائی ہے جن کو مسلمان اور نیک بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہؓ ہی کا بیان ہے کہ میں یہ فیصلہ سُن کر سخت کبیدہ خاطر ہوا اور واپس آگیا۔ اور میں نے کہا کہ کاش! میں آپ کو اس معاملہ سے مطلع ہی نہ کرتا۔ قرآن کریم کی متعدد آیات نازل ہوئیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا گیا اور آپ کو کما حقہٗ تحقیق نہ کرنے پر استغفار کرنے

Marfat.com

کا حکم ہوا۔ اور منافقوں کو ملامت کیا گیا۔ آپ اس واقعہ کی حقیقت قرآن کریم کے بعض الفاظ سے ملاحظہ کیجیے :-

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنْفُسَهُمْ (الایات)

(پ۵، نساء، رکوع ۱۶)

بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھا دے تجھ کو اللہ۔ اور تو مت ہو دغا بازوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والا۔ اور معافی مانگ اللہ سے، بیشک اللہ تعالیٰ معافی دینے والا مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے دل میں دغا رکھتے ہیں۔

چنانچہ اس وحی کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کا وہ مال حضرت رفاعہؓ کو دلوا دیا۔ اسی واقعہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝ (پ۵۔ نساء، رکوع ۱۴)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ واقعہ بتلایا جس کا آپ کو علم نہ تھا اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہوا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے آپ کو اطلاع نہ دیتا۔ تو آئندہ کے لئے بھی منافقوں میں مخلص اور مفلس مسلمانوں کے مال ہتھیانے کی ہمت اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دغا اور فریب کرنے کی جرأت بڑھ جاتی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے تو آپ نے یقیناً منافق کو چوری کرتے دیکھا ہوتا اور منافقین کی آپس میں دغا بازی اور چلسازی کی تمام باتیں سنی اور مشاہدہ کی ہوتیں۔ پھر آپ نے کیوں صاحبِ حق اور سچے صحابی کو نہ صرف یہ کہ حق ہی نہ دلوایا بلکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کی اور منافقین کو سچا تصور فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو معافی مانگنا پڑی۔ کیا آپ نے دیدہ دانستہ صاحبِ حق کو جھڑکا اور جائز حق سے محروم رکھا؟ (العیاذ باللہ) کچھ تو فرمایئے کیا یہی عشقِ رسول ہے؟ (العیاذ باللہ) ؎

کئے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر
خدا معلوم جب تم خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے؟

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کو جمیع مَا کان وَمَا یکون کا علم بھی حاصل نہ تھا۔ اور نہ آپ مختار کل تھے کہ جو چاہتے سو کرتے۔ بلکہ آپ پر موقع بہ موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام نازل ہوتے رہتے تھے۔ اگر ہم اس روایت مندرجہ بالا کو شان نزول میں تسلیم نہ بھی کریں۔ تب بھی قرآن کریم کے الفاظ، عبارت، سیاق اور سباق ہی خود اس پر دال ہے۔ کہ معاملہ کوئی ایسا ضرور پیش آیا تھا جس میں آپ نظر بہ ظاہر منافقوں کی طرفداری کر گئے تھے اور جب اصل واقعہ سے آپ کو آگاہ کیا گیا تو آپ کو بلاذنِ خداوندی معافی بھی مانگنا پڑی۔ الغرض ہمارا استدلال اور احتجاج قرآن کریم سے ہے۔ اس روایت پر دار و مدار نہیں ہے۔ یہ واقعہ سورۂ نساء میں مذکور ہے۔ اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سورۂ مزمّل، سورۂ بقرہ اور سورۂ احزاب وغیرہ سورۂ نساء سے پہلے نازل ہو چکی تھیں، جن میں شاہد اور شہید کے الفاظ موجود ہیں۔ اگر واقعی شاہد اور شہید سے مراد حاضر و ناظر ہوتی تو بعد کو نازل ہونے والی سورت میں اس کی نفی اور تردید کیوں آئی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب اور کلام میں بھی اس کا احتمال ہے کہ پہلے کچھ کہہ دیا ہو اور بعد کو کچھ؟ (العیاذ باللہ) اور طبقات ابن سعد میں حضرت محمود بن لبیدؓ کی روایت سے مروی ہے کہ یہ واقعہ ۴ھ کا ہے (در منثور ج ۲ ص ۲۲۰)

حضرات! فریقِ مخالف کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (بلکہ ہر ولی اور بزرگ) ہر آدمی کے ظاہر اور باطن سے بخوبی واقف اور آگاہ ہیں اور ہر ایک کے ظاہر و باطن کو دیکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور جمیع مَا کان وَمَا یکون کے عالم ہیں۔ مگر قارئین کرام نے مذکورہ بالا قرآنی واقعات سے یہ اندازہ کر لیا ہوگا۔ کہ حقیقت کیا ہے؟ سب سے آخر میں جو قرآن کی سورت نازل ہوئی ہے ہم باحوالہ نقل کر چکے ہیں کہ وہ سورۂ توبہ ہے جس میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن سے اس ناپاک عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے ظاہر و باطن سے آگاہ اور واقف تھے مثلاً ۹ھ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ چند منافقوں نے مشورہ کر کے ڈیڑھ اینٹ کی ایک مسجد تعمیر کی۔ خود قرآن کریم میں اس کی غرض و غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسجد اس لئے تعمیر کی گئی تھی کہ مسلمانوں میں تفریق ڈالی جائے اور جو خدا اور اس کے رسول سے لڑنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے وہ مسجد اڈہ اور چھاؤنی بنی رہے۔ مسجد تعمیر

ہوئی اور منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہم نے ایک مسجد تعمیر کی ہے۔ تاکہ مسلمانوں کو آسانی ہو۔ آپ وہاں تشریف لے جائیں اور اس مسجد میں نماز کا افتتاح کریں۔ آپ نے ان کے سرغنہ بجدج سے دریافت کیا کہ اس سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ تو اس نے کہا

واللہ ما اردت الا الحسنی وھو کاذب فصدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یارسول اللہ خدا کی قسم میرا مقصد تو اس مسجد کی تعمیر سے سوائے نیکی اور ثواب کے اور کچھ نہیں ہے۔

(در منثور ج ۳ ص ۲۷۶)

اور فی الحقیقت وہ منافق اس قسم میں جھوٹا تھا۔ مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سچا سمجھا اور حسن ظنی کرتے ہوئے اس سے وعدہ کرلیا۔ لیکن یہ فرمایا کہ مجھے فی الحال فرصت نہیں ہے میں کسی اہم کام میں مشغول ہوں۔ جب فارغ ہوا تو انشاء اللہ حاضر ہوں گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مسجد کی تعمیر کی غرض وغایت سے آگاہ کردیا اور صاف ارشاد فرمایا کہ وہ مسجد تو مسلمانوں کو اور دین الٰہی کو نقصان اور ضرر پہنچانے کے لئے تعمیر کی گئی ہے لہذا آپ مسجد ضرار میں کھڑے نہ ہوں

وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِیْہِ اَبَدًا۔ (پ ۱۱، توبہ، رکوع ۱۳)

اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ (کہ ہم نے مسجد للہ بنائی) آپ اس میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں۔

قارئین کرام آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ اگر واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے اور شاہد اور شہید کا معنیٰ حاضر و ناظر ہوتا۔ جیسا کہ فریق مخالف نے ٹھوکر کھائی ہے تو شاہد اور شہید کی صفت کے بعد بلکہ قرآن کریم کی سب سے آخری سورت میں اس کی نفی کیوں ہے حق یہ ہے کہ آپ نہ ہر جگہ حاضر تھے اور نہ ناظر۔ ورنہ منافقین کی اس سازش سے یقیناً آگاہ ہوتے۔ ان کی باتیں سنی ہوتیں۔ ان کو ناجائز مشورے کرتے دیکھا ہوتا۔ پھر ان سے کیوں یہ وعدہ کیا کہ میں انشاء اللہ حاضر ہوں گا؟ اور اللہ تعالیٰ نے کیوں اس مسجد کو مسجد ضرار سے تعبیر کرتے ہوئے آپ کو اس میں کھڑا ہونے سے بھی منع فرمایا۔ چنانچہ آپ نے بعض صحابی بھیجے جنہوں نے مسجد ضرار کو جلا کر خاک سیاہ کردیا۔ اسکی مزید تفصیل ازالۃ الریب میں ملاحظہ ہو۔

فریق مخالف سے پوچھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے باوجود یہ

Marfat.com

ماجرا کیوں پیش آیا؟ اسی طرح فریقِ مخالف سے آپ یہ بھی پوچھئے۔ اگر شاہد اور شہید سے مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر اور باطن سے آگاہ اور واقف ہیں تو ذرا مہربانی فرما کر قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کا وہ صحیح معنیٰ تو بیان کر دے۔ جو آیت سورۂ توبہ کی ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔

(پ ۱۰، توبہ، رکوع ۱۳)

اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں آپ ان کو نہیں جانتے۔ ان کو ہم جانتے ہیں۔

فریقِ مخالف سے مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتار کر انصاف کی نظر اور عدل کے بھرپور اور منصف دل سے سوچے اور دیکھے کہ اگر شاہد اور شہید سے مراد حاضر و ناظر ہوتی اور یہ معنیٰ ہوتا کہ آپ ہر ایک کے ظاہر اور باطن سے واقف ہیں۔ دور ہو یا نزدیک، عرب میں ہو یا عجم میں، سیاہ ہو یا سفید، مرد ہو یا عورت، جواں ہو یا بوڑھا۔ تو قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا۔ کہ دور نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں، معمولی منافقوں کو نہیں بلکہ ان منافقوں کو بھی جن کا نفاق[1] حدِ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ آپ نہیں جانتے بلکہ ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔

---

[1] بعض روایتوں میں اس کا ذکر آتا ہے کہ مدینہ منورہ میں منافقوں کی تعداد اتنی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجمع پر نام بنام ان کو پکارا اور فرمایا۔ قم یا فلان فانک منافق۔ کھڑا ہو جا اے فلاں کیونکہ تو منافق ہے حتیٰ کہ ان کو مسجد سے باہر نکال دیا۔ (دیکھئے جاء الحق ص۹۹ وغیرہ) اور اس بحث کے متعلق مولوی محمد عمر صاحب نے جو گل اور شگوفے کھلائے ہیں وہ بھی قابل دید ہیں (مقیاس ص۳۸۶)۔ لیکن اولاً تو ان میں کوئی روایت ہی صحیح نہیں ہے جیسا کہ آپ کو اس کی پوری تحقیق ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب میں ملے گی۔ وثانیاً اگر بالفرض یہ روایتیں صحیح بھی ہوں تب بھی خبر آحاد کی مد میں ہیں اور نص قطعی کے مقابلے میں ان کو پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے۔ وثالثاً کوئی روایت بسند صحیح ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ منافقین کے اخراج کا وہ واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد پیش آیا تھا۔ ورابعاً ان روایتوں میں اس کی بھی تصریح نہیں ہے کہ منافق صرف یہی تھے جن کا اخراج ہوا تھا اور ان کے علاوہ اور کوئی منافق نہ تھا۔ کیونکہ یہ واقعہ برسرِ عام پیش آیا تھا جسکا علم سب صحابہ کرامؓ کو ہو گیا تھا۔ اور صحیح مسلم ج ۲ ص۳۶۹ وغیرہ کی روایت میں

(باقی ص۹۵ پر)

Marfat.com

حضرات! قرآن کریم کی آخری سورت سے جو فیصلہ صادر ہوا ہے وہ یہی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل تھا۔ اور نہ آپ ہر ایک کے ہر ہر حال سے واقف اور آگاہ تھے۔ اگر واقعی شاہد اور شہید کا معنیٰ اور مطلب وہی ہوتا جو مخالفین نے پیش کیا ہے۔ تو محال ہے کہ قرآن کریم کی کسی پہلی سورت یا پہلی آیت کی تردید قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سے ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور کتاب میں تعارض اور اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے جب یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تو یہ بات قطعاً اور یقیناً ثابت ہو گئی ہے کہ شاہد اور شہید کا معنیٰ تو ہرگز وہ نہیں ہے جو فریقِ مخالف بیان کیا کرتا ہے۔ ؎

وہ بیٹھے رہتے ہیں دیکھوں تو بُت بنے کب تک　　جو بے قرار نہ کر دوں تو بے قرار نہیں!

ہم نے قارئین کرام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ قرآن کریم کی تائید میں صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف وغیرہ کی بعض حدیثیں بھی عرض کریں گے۔ اگرچہ ضرورت تو نہیں لیکن ایفائے عہد کے خیال سے بعض حدیثیں بھی ہدیۂ قارئین کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۴ میں حضرت کعب بن مالک رضؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ میں غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکا تھا وہ فرماتے ہیں کہ اتنی فوج (اور ہجوم) آپ کے ساتھ مارچ کر رہی تھی۔ کہ اگر کوئی آدمی اس خیال سے شریک نہ ہوتا کہ جب تک آسمان سے وحی نازل نہ ہو ..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی عدم موجودگی کی اطلاع نہیں ہو سکتی تو اس کا یہ خیال صحیح ہوتا۔ ان کے اپنے

(بقیہ حاشیہ ص۹۴) آتا ہے کہ بارہ چودہ منافق تو صرف وہ تھے جن کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو دی تھی جس کی وجہ سے وہ صاحب سرِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشہور تھے (دیکھئے زاد المعاد ج ۲ ص۹) مگر یہ بھی اس آیت کے نزول سے قبل کا قصہ ہے اس لئے اس حدیث کو ایسے بنیادی مسئلہ پر پیش کرنا باطل اور مردود ہے۔ مشہور اصولی علامہ حسام الدین (المتوفی ۶۴۴ھ) الحنفی لکھتے ہیں:۔ او عمل بالغریب من السنۃ علی خلاف الکتاب او السنۃ المشہورۃ مردود باطل لیس بعذر اصلاً (حسامی بحث قیاس ص۱۵۶) یعنی کتاب اللہ اور سنتِ مشہورہ کے مقابلہ میں غریب حدیث پر عمل کرنا مردود اور باطل ہے اور کسی طرح بھی اس میں عذر مسموع نہ ہوگا۔ مزید تحقیق ازالۃ الریب میں دیکھئے۔

Marfat.com

الفاظ میں ہی سُن لیجئے :-

فَمَا رَجُلٌ یُرِیْدُ اَنْ یَتَغَیَّبَ الاظن انہ سیُخفیٰ لہ مالَمْ ینزل فیہ وحی۔

یعنی فوج کی کثرت کی وجہ سے اگر کوئی شخص اس خیال سے شریک نہ ہوتا کہ جب تک وحی نازل نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی تو اس کا یہ خیال صحیح ہوتا۔

پوچھئے حضرت کعب بن مالکؓ سے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب نبی کو بھی وحی نازل ہونے سے قبل اطّلاع نہیں ہو سکتی؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم حاضر و ناظر تھے تو آپ کی نظر سے کون مخفی رہ سکتا تھا؟ یہ واقعہ بھی غزوہ تبوک کا ہے جو ۹ھ کو ہوا۔ اور فرمانے والے ہیں حضرت کعب بن مالکؓ۔ اگر شاہد اور شہید کا وہی مطلب ہوتا جو فریقِ مخالف بیان کرتا ہے تو فرمایئے کہ جلیل القدر صحابی (جن کو قرآن کریم نے مقبول التوبہ ہونے کا پروانہ دیا ہے) کیوں شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر نہیں سمجھتے؟ ارشاد تو فرمایئے! بات کیا ہے؟ مَا لَکُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ

مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۱ صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۱ اور مستدرک ج ۴ ص ۴۹۲ وغیرہ میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ناقابلِ فراموش جملہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اگر میری موجودگی میں دجّال ظاہر ہوا۔ تو میں تمہاری طرف سے وکیل بن کر اس سے جھگڑا کروں گا۔

وان یخرج ولست فیکم فکلّ امرأٍ حَجِیْجُ نَفْسِہٖ۔

اور اگر دجال میری عدم موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر آدمی اپنا وکیل اور محافظ ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھئے کہ آپ تو شاہد اور شہید ہیں یعنی بقول مخالفین ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ آپ نے یہ کیا فرما دیا کہ اگر دجّال میری غیر حاضری اور عدم موجودگی میں آیا تو ہر آدمی اپنا وکیل خود ہوگا۔ کیا حاضر و ناظر بھی کبھی غیر حاضر اور غیر موجود ہوتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جن سورتوں میں شاہد اور شہید کا لفظ موجود ہے ان کے نزول سے بہر حال خروجِ دجال بعد کو ہوگا۔ اگر شاہد اور شہید کا معنیٰ حاضر و ناظر ہوتا تو آپ اپنی غیر حاضری اور عدم موجودگی کا ذکر کیوں فرماتے؟ کیونکہ حاضر و ناظر تو کبھی غیر حاضر نہیں ہوا کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی شاہد و شہید سے اپنے آپ کو حاضر و ناظر نہیں سمجھا تو اس سے بھلا یہ مطلب

Marfat.com

کس طرح لیا جا سکتا ہے ؛ کہ آپ ہر جگہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہیں ؟

صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۷ اور مسند طیالسی ص ۴۸ و سنن کبریٰ ج ۴ ص ۷۸ وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر ہم اپنے بھائیوں (یعنی سب اُمتیوں) کو دیکھ لیتے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا حضرت کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں ؟ فرمایا تم میرے صحابی ہو میرے بھائی تو وہ ہیں جو ابھی تک دنیا میں آئے ہی نہیں ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا جو ابھی تک آئے ہی نہیں حضرت آپ ان کو قیامت کے دن کیسے پہچانیں گے آپ نے فرمایا اس علامت سے میں ان کو پہچانوں گا۔ کہ ان کے وضو کے اعضاء سفید اور روشن ہوں گے۔ مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے اور طیالسی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے۔ مسلم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ کر لیجئے :-

وددت انا قد رأينا اخواننا - یعنی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ہم نے اپنے تمام بھائیوں کو دیکھا ہوتا۔

اور صحابہ کرامؓ نے جو چیز آپ سے پوچھی وہ مسلم کے الفاظ میں یہ ہے :-

فقالوا كيف تعرف من لم يأت بعد من امتك يا رسول الله - صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول آپ کی امت کے جو افراد ابھی تک دنیا میں آئے ہی نہیں آپ ان کو کس طرح پہچانیں گے

اور طیالسی کے الفاظ یہ ہیں کہ

قلنا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف تعرف من لم ترمن امتك يوم القيامة - ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ قیامت کے دن ان لوگوں کو کس طرح شناخت کریں گے جن کو آپ نے دیکھا بھی نہیں۔

مولوی محمد عمر صاحب نے اس کی عجیب اور بالکل لایعنی تاویل کی ہے (دیکھئے مقیاس ص ۴۳۰) اگر ان کا ضمیر زندہ ہے تو وہ ضرور ان کو اس پر ملامت کرتا ہوگا۔ اس کی مزید تشریح ازالۃ الریب میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی جلیل القدر صحابی ہیں جو حافظ قرآن ہیں، اور آپ نے صحابہ کرامؓ کو فرمایا۔ کہ تم میں جو شخص قرآن کریم پڑھنا چاہتا ہے تو ابن مسعودؓ اور فلاں اور فلاں سے پڑھے (بخاری وغیرہ) اور حضرت ابو ہریرہؓ بالاتفاق ۷ھ کو مسلمان ہوئے ہیں۔ ان کے اسلام لانے سے پہلے ہی وہ تمام سورتیں نازل ہو چکی ہیں جن میں شاہد اور شہید کے الفاظ موجود ہیں۔ اگر واقعی شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر مراد ہوتی تو

ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا یہی عقیدہ ہوتا۔ لیکن یہ روایتیں آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ صحابہ کرامؓ تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت! آپ اپنی امّت کے ان آدمیوں کو کس طرح پہچان سکیں گے جن کو آپ نے دیکھا بھی نہ ہو جب حاضر و ناظر ہیں تو نہ دیکھنے کا کیا معنیٰ؟ خدارا کچھ تو فرمائیے۔ اور پھر مزید لطف یہ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی یہ نہیں فرماتے کہ میں تو شاہد اور شہید ہوں یعنی حاضر و ناظر، لہٰذا میرے لئے ان کا جاننا اور دیکھنا کیا مشکل ہے؟ بلکہ آپ بھی ایک علامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ میں اپنی امّت کو ایک علامت سے پہچانوں گا۔ وہ یہ کہ ان کے وضو کے اعضاء روشن اور درخشندہ ہونگے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے (جو ۸ھ کو مسلمان ہوئے تھے) یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو قیامت کے دن میں پہچان نہ سکوں؛

قالوا یا رسول اللہ من رأیت ومن لم تر — صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ جن کو آپ نے دیکھا ہے اور جن کو آپ نے نہیں دیکھا سب کو پہچان لیں گے؟

فرمایا ہاں۔

من رأیت ومن لم ار الحدیث

(بغدادی ج ۱۴ ص ۴۴۷)

جن کو میں نے دیکھا ہوگا ان کو بھی پہچان لونگا اور جن کو میں نے نہیں دیکھا ہوگا ان کو بھی پہچان لونگا کیونکہ وضو کی وجہ سے اُن کے اعضاء روشن اور درخشندہ ہونگے جس علامت سے میں پہچانوں گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ دو گروہ ایسے ہیں جو دوزخ میں جائیں گے۔

لم ارھما الحدیث

(مسلم ج ۲ ص ۳۸۳)

مگر میں نے ان کو دیکھا نہیں ہے۔ ایک وہ گروہ ہوگا جس کے ہاتھ میں گائے کی دُم کی طرح ہنٹر ہونگے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے (محکمہ پولیس کے وہ افراد جو بلا وجہ لوگوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں) اور دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی (یعنی باریک لباس پہنیں گی) غیر مردوں کی طرف مائل ہوں گی اور ان کو اپنی طرف مائل کریں گی۔

Marfat.com

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو آپ نے یہ ارشاد کیوں فرمایا۔ کہ میں نے ان دونوں گروہوں کو نہیں دیکھا؟ حافظ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں جانداریہ (محکمۂ پولیس) کی طرف سے بڑا ظلم ہو رہا ہے اور اسی طرح عورتوں کی بے پردگی کا عام مظاہرہ ہو رہا ہے (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۵۵) حافظ صاحب موصوفؒ تو آج سے تقریباً چھ سو سال پہلے کی بات کرتے ہیں۔ جس میں عدل و انصاف اور شرم و حیا کو انسانی شرافت کا جوہر سمجھا جاتا تھا۔ اگر آج وہ پولیس والوں کی زیادتیاں دیکھ لیتے یا ان عورتوں کو دیکھ لیتے جو کراچی۔ لاہور اور مری کے مال روڈ پر مٹر گشت کرتی اور بڑی بیحیائی اور بے غیرتی کا مظاہرہ کرتی ہیں تو ان کو یہ یقین ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سروں پر منڈلا رہا ہے۔

نعوذ باللہ من غضب الحلیم حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کوئی نبی اور رسول دنیا میں ایسا نہیں آیا۔ جس نے اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتے نہ دیکھا ہو۔ ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو امّت کی سزا اور عقوبت نہیں دکھائی۔ (مستدرک ج ۲ ص ۴۲۷ قال الحاکم والذہبی صحیح) اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ نے یہ عذاب دیکھا ہوتا۔ حضرت انسؓ ہی فرماتے ہیں کہ جب قرآن کا یہ ارشاد نازل ہوا۔ کہ اے مومنو۔ تم اپنی آواز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی آواز سے بلند نہ کرو ورنہ تمہیں علم تک نہ ہوگا۔ اور تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے۔ (او کما قال) تو حضرت ثابت بن قیسؓ (جن کی فطرتی طور پر آواز بلند تھی) اپنے گھر ہی میں بیٹھ رہے کہ مبادا میری آواز جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند ہو جائے اور میرے اعمال حبط ہو جائیں۔ تو آپ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے (جو حضرت ثابتؓ کے پڑوسی تھے) دریافت کیا۔

ما شان ثابت بن قیسؓ لا نراہ الحدیث کیا وجہ ہے کہ ثابت بن قیسؓ ہمیں نظر نہیں آرہا۔ بیمار ہے یا

(ابو عوانہ ج ۱ ص ۶۹) کوئی اور وجہ ہے!

تحقیق حال کے بعد حضرت سعدؓ نے آپ کو حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو مدینہ منورہ میں ہی رہنے والے نہایت مخلص صحابی کو آپ نے دیکھ لیا ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ان دوستوں کی آوازوں کو جب کہ وہ رات کے وقت قرآن کریم پڑھتے ہیں

میں جانتا ہوں اور جن جن گھروں سے ان کی آواز بلند ہوتی ہے میں ان کو بھی جانتا ہوں (کیونکہ وہ بڑی سُریلی آواز سے اور سوز و تپش کے ساتھ قرآن کریم پڑھا کرتے تھے اور ان کا لہجہ نمایاں اور مخصوص تھا)

وان کنت لم ار منازلهم حین نزلوا بالنهار۔ (مسلم ج ۲ ص۳۰۳)

اور اگرچہ میں نے ان کی وہ جگہیں نہیں دیکھی ہیں جہاں جہاں وہ دن کو اترتے ہیں۔

اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو جیسے رات کو ان کی آواز سے آپ ان کو پہچان لیتے تھے۔ دن کو بھی ان کو دیکھ لیتے کہ وہ کہاں کہاں اور کس کس جگہ فروش اور نازل ہوتے ہیں۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لعلّی لا اراکم بعد عامی هذا۔ (مشکوٰۃ ج ۲ ص۲۳۳ و ترمذی ج ۱ ص۱۰۸ وقال حسن صحیح)

شاید کہ میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ۔

فانی لا ادری لعلی لا القاهم بعد عامهم هذا۔ (مسند احمد ج ۳ ص۳۳۲)

بے شک میں یہ نہیں جانتا شاید کہ میں ان سے اس سال کے بعد ملاقات نہ کر سکوں۔

اور حضرت جبیر بن معظمؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں (تقریباً ایک لاکھ سے اوپر) صحابۂ کرامؓ سے خطاب فرمایا کہ۔

ایّها الناس انّی واللہ لا ادری لعلی لا القاکم بعد یومی هذا بمکانی هذا ابدا (مسند احمد ص۸۱ ج۴)

اے لوگو خدا کی قسم میں نہیں جانتا شاید کہ میں تم سے آج کے دن کے بعد اس جگہ ملاقات نہ کر سکوں۔

اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو فرما دیتے کہ میں ہر جگہ اور ہر وقت تمہیں دیکھ سکتا ہوں۔ اور یہ ہرگز نہ فرماتے کہ میں شاید تمہارے ساتھ اس جگہ پھر کبھی نہ ملاقات کر سکوں، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ سے اور خصوصاً میدانِ عرفات میں ملاقات کے لئے حاضر نہیں ہوتے تو اور کس کے لئے اور کس جگہ حاضر ہوتے ہوں گے یہ دلائل بھی ملاحظہ کیجئے اور مولوی سید احمد سعید صاحب کاظمی ملتانی نمایہ دعویٰ بھی دیکھئے۔ کہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات و ممکنات کے حقائق لطیفہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

Marfat.com

حاضر و ناظر ہیں (بلفظہ تسکین الخواطر ص۵۸) یہ دعویٰ تو بڑا وزن دار ہے مگر دلیل ندارد۔

حافظ ابن حجرؒ حضرت عائشہؓ کی اس روایت لو رائی لمنع (اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو منع کر دیتے) کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ لم یرد لم یمنع (فتح الباری ج ۲ ص ۲۷۹) نہ آپ نے دیکھا اور نہ منع کیا۔ حضرات اگر اس مضمون کی صحیح احادیث کا استقصاء کیا جائے تو یقیناً متعدد ہے اور ہمارا مقصود بھی استیعاب نہیں ہے۔ انصاف سے کام لینے والوں کے لئے یہ حدیثیں کافی ہیں۔

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ کہ ان دلائل کے منظر عام پر آنے سے فریقِ مخالف کے بارونق اور ہشاش بشاش چہرے ضرور مغموم ہوں گے۔ مگر کیا کروں۔ میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ ؎

لب ہائے زخم دیکھئے اور خوب روئیے! امید واریٔ لب خنداں نہ کیجئے

ہم اس جواب کو ان ہی آیات اور احادیث پر ختم کرتے ہیں۔

قارئین کرام بڑے پریشان ہوں گے۔ کہ جب شاہد اور شہید سے مراد حاضر و ناظر نہیں، تو مراد کیا ہو گی؟ لیکن آپ کو پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ آیئے اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا معنی اور مطلب سُن لیجئے۔

چنانچہ صحیح بخاری ج ۲ ص۶۴۵ اور ترمذی ج ۲ ص۱۲ وغیرہ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اکٹھا کرے گا۔ اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جمع کرے گا۔ تو کافروں اور نافرمانوں پر اتمامِ حجت کے لئے انبیاء عظامؑ سے سوال کرے گا۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام سے سوال فرمائیگا۔ کیا تو نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے۔ اے اللہ میں نے واقعی تبلیغ کی تھی۔ پھر نوح علیہ السلام کی امت سے سوال ہو گا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کر دیگی کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ اللہ سوال کرے گا۔ اے نوحؑ تمہارا کوئی گواہ بھی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے۔ میری گواہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ وہ لوگ یہ بھی سوال کریں گے کہ یہ گواہ تو ہمارے زمانہ میں موجود نہ تھے لہٰذا یہ گواہ کیسے ہوئے؟ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ یہ جواب دے گی کہ ہم

نے قرآن کریم پڑھا ہے جس میں صاف طور پر لکھا تھا کہ حضرت نوحؑ (اور اسی طرح دوسرے انبیاء عظامؑ) نے تبلیغ کی تھی اور ہمیں ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا جب خدا تعالےٰ اور اس کا رسول برحق یہ فرماتے ہیں۔ کہ (مثلاً) حضرت نوح نے تبلیغ کی تھی تو ہم گواہی اور شہادت دیتے ہیں جب آپ کی امّت گواہی دے چکے گی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امّت کی شہادت اور گواہی کی صفائی اور تصدیق کریں گے گویا آپ کی حیثیت سرکاری گواہ کی ہوگی۔

قارئین کرام آپ ان آیات کو پھر دوبارہ دیکھ لیں جن میں آپ کو یہ چیز صاف طور پر معلوم ہو جائیگی کہ قیامت کے دن ہر امّت سے ایک گواہ (یعنی اس امّت کا پیغمبر) آئے گا۔ اور ارشاد ہے کہ ہم آپ کو آپ کی امّت پر گواہ بنائیں گے اور آپ کی امّت تمام پہلی امتوں پر شہادت اور گواہی دے گی۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۝ — تاکہ تم تمام لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہو۔

صحیح مسلم ج ۱ ص۱۸۱ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قلّت اور پہلی امتوں کی کثرت کی ایسی ہی مثال ہے۔ جیسے سیاہ بیل کے چمڑہ میں سفید بال۔ مگر ان تمام امتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امّت گواہ ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنی امّت کی گواہی اور شہادت کی صفائی پیش فرمائیں گے۔ حضرات فریقِ مخالف کے استدلال سے تو یوں ثابت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تمام امّت بھی حاضر و ناظر ہے۔ کیونکہ جب تمام پہلی امتوں پر یہ اُمت گواہ ہوگی تو مخالفین کی منطق کے رو سے گواہ وہی ہو سکتا ہے جو حاضر و ناظر ہو اور تمام اُمت عالم الغیب بھی بن گئی کیونکہ اُمّت کے لیے بھی تو یہ الفاظ موجود ہیں۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ — تاکہ تم (یعنی امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمام لوگوں پر گواہ بنو

مگر اس کو کیا کیا جائے کہ فریقِ مخالف کا یہاں تک دعویٰ ہے کہ چیونٹیوں اور خچروں تک کو بھی علم غیب ہے۔ (عیاذاً باللہ) اور ان کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان صاحب تو کافروں کو بھی حاضر و ناظر مانتے ہیں سُنئے۔ ملفوظات حصّہ اول ص۱۱۸ میں لکھتے ہیں کہ کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں

Marfat.com

کئی سو جگہ موجود ہو گیا۔"

قارئین کرام خدارا فرمائیے کہ جب کافر بھی فریقِ مخالف کے نزدیک حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اور اس صفت کے لئے ایمان کی بھی ضرورت نہیں تو فرمائیے کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے ایسی صفت ماننا اور اس پر اہل حق۔ [illegible] لحاذ قائم کرنے کا کیا معنیٰ ہے! للہ کچھ تو ارشاد فرمائیے کہ معاملہ کیا ہے:

سہے لاکھوں ستم لیکن نہ کی آہ و فغاں اب تک　　زباں رکھتے ہوئے بھی ہم رہے ہیں بے زباں اب تک

حضرات! جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود شاہد اور شہید کا معنیٰ ثابت ہو چکا ہے تو اب اس کے مقابلہ میں اگر کسی مفسر نے اپنی ذاتی رائے اور نظریہ پیش کیا ہو۔ تو وہ مردود ہو گا۔ رہی عرض اعمال کی حدیث تو ہم نے اس کے متعلق ازالۃ الریب میں مختصر سی اصولی بحث کر دی ہے۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لی جائے۔ یہاں صرف یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اس کی کوئی سند صحیح نہیں اور جن محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے وہ اتنے متساہل ہیں کہ ان کی بات اصول حدیث کے ماتحت قابل قبول ہی نہیں ہے کیونکہ وہ تو جعلی اور من گھڑت حدیثوں کی تصحیح بھی کر جاتے ہیں۔ فسامحھم اللہ بعموم فضلہ۔ اور مسند بزاز کے حوالہ سے جو روایت باسناد جیّد آتی ہے اس سے صرف امت اجابت کے بعض اعمال کی پیشی اور عرض مراد ہے نہ تو اس میں امت دعوت شامل ہے اور نہ تمام اعمال مراد ہیں زیادہ تفصیل کے لئے ازالۃ الریب ملاحظہ کیجئے۔ اور اگر یہ صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی خبر واحد ہی رہے گی۔ اور خان صاحب بریلوی کی اصطلاح میں خبر واحد کا قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے قرآن کریم کی آیت ملاحظہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ

(پ، مائدہ، رکوع ۱۵)

جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو پھر کہیگا تم کو (اپنی امت کیطرف سے) کیا جواب دیا گیا۔ وہ بولیں گے ہم کو خبر نہیں تو ہی ہے غیب دان۔

چونکہ اس آیت میں تمام رسولوں کو جمع کر کے سوال کرنے کا ذکر ہے جن میں جناب رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلّم بھی ہیں اور چونکہ مجموعی امّت کے لحاظ سے سوال ہوگا اس لیئے تمام پیغمبر اس سے لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ رہا اس لاعلمی کے اظہار کو تواضع پر حمل کرنا جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے تو درست نہیں کیونکہ اگر کوئی اور نص قطعی ایسی ہوتی جس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بغیر استثناء کے ہر چیز معلوم ہے تو ہم تواضع پر حمل کر سکتے تھے۔ لیکن ایسی تو ایک بھی قطعی دلیل موجود نہیں بلکہ اس کے خلاف دلائل اور براہین کا انبار لگا ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام ذہول اور نسیان کی وجہ سے لاعلمی کا اظہار کریں گے تو اس ذہول وغیرہ پر کوئی بھی صحیح حدیث موجود نہیں۔ بعض مفسرین کی غیر معصوم آراء ہیں۔ اس کی بمالا مزید علیہ بحث ازالۃ الریب میں ملاحظہ کیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پہ بعض لوگوں کو ان کے اعضاء وضو کی سفیدی اور چمک سے دیکھ کر ان کے حق میں سفارش کریں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوگا۔

انك لا تدری ما احدثوا بعدك — آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا نئی نئی باتیں اور حرکتیں گھڑی ہیں۔

(بخاری ج ۲ ص ۶۶۵ و مسلم ج ۲ ص ۳۸۴)

اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے یا آپ کو ان کا علم ہوتا تو اللہ تعالیٰ (یا اس کے فرشتے) یہ نہ فرماتے کہ آپ کو علم نہیں ہے اور اسی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے۔ دور ہوں وہ بدبخت جنہوں نے میرے بعد دین بدلا۔

مفتی احمد یار خان صاحب اس کا جواب یوں زیب قلم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا۔ کہ ان کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں۔ اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سنا کر غمگین کرنے کے لئے ہوگا ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ الیٰ ان قال پھر غور کی بات یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں اعرفھم ہم ان کو پہچانتے ہیں کیا اس دن بھول جائیں گے؟ (جاء الحق ص ۱۱۹) مگر مفتی صاحب ہی از روئے دیانت و انصاف یہ فرمائیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکلف اور پابند شریعت ہوتے ہوئے کیوں طعن کریں گے؟ (خدا تعالیٰ مکلف نہیں ہے) اور رؤف و رحیم اور رحمۃ للعلمین ہو کر قیامت کے دن طعن کا کیا

Marfat.com

مقصد؟ پھر اس طعن پر کونسی نص دلیل ہے؟ یا کوئی معقول عقلی قرینہ ہی موجود ہے! اور پھر قابل غور بات یہ ہے. کہ اس طعن کا جواب اِنَّكَ لَا تَدْرِی مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ سے کیسے صحیح ہوگا؟ الغرض یہ جواب سراسر باطل ہے. باقی اَعْرِفُهُمْ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ان کو پہچانیں گے اور یہ پہچاننا آثار وضو کی علامت سے ہوگا۔ پہچانتے ہیں اس کا معنیٰ غلط ہے۔ اور دنیا میں اس واقعہ کی خبر دینا صرف اجمالی ہے تفصیل لا تدری میں داخل ہے کہ وہ کون ہوں گے؟ نام کیا ہوگا؟ عمر کیا ہوگی؟ قبیلہ کیا ہوگا؟ سیاہ ہوں گے یا سفید؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری چیزیں اسی وقت مشاہدہ سے معلوم ہوں گی۔ رہا فرشتوں کا نہ روکنا تو وہ بھی اس لئے ہوگا کہ فرشتے بھی عالم الغیب نہیں اور نہ ہوں گے۔ جب حقیقت کھل جائے گی تو ان پر بھی معاملہ واضح ہو جائیگا۔ مولوی محمد عمر صاحب نے اس کے جواب میں تو حد ہی کر دی ہے وہ جب یہ سمجھے ہیں کہ اس کا جواب نہایت ہی مشکل ہے تو یہ لکھ مارا ہے کہ حدیث بخاری شریف میں تین دفعہ مذکور ہے اور تینوں جگہوں میں ہی اسکا ضعف ثابت ہے (مقیاس ص ۲۲۳) پھر آگے لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس لئے حجت نہیں ہو سکتی (ص ۲۲۴) اور کلام یوں کیا کہ پہلی سند میں محمد بن یوسف فریابی ضعیف ہے اور دوسری میں محمد بن کثیر قرشی کوفی اور تیسری میں ابو الولید عبد الملک بن ہشام ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ شیخ ضعیف اور شعبہ بن الحجاج راویوں کے ناموں میں غلطی کیا کرتے تھے (محصلہ ص ۲۲۴ و ص ۲۲۵) مگر یہ جواب بوجوہ باطل ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ یہ روایت بخاری میں صرف تین ہی جگہ نہیں آئی بلکہ آٹھ جگہ آئی ہے۔ وثانیاً تمام امت کا اتفاق ہے کہ بخاری و مسلم صحیح ہیں۔ پھر مولوی محمد عمر صاحب کی خود اختراع راگنی کون سنتا ہے؟ وثالثاً یہ روایت ان راویوں کے علاوہ دیگر راویوں سے بھی ثابت ہے مثلاً دیکھئے بخاری ج ۲ ص ۶۹۳ و ج ۲ ص ۹۶۶ و ج ۱ ص ۴۷۳ و ج ۱ ص ۴۹۰ وغیرہ۔ ورابعاً مولوی محمد عمر صاحب نے ڈبل خیانت یا جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ اس لئے کہ محمد بن کثیر جن سے امام بخاری نے صحیح میں روایت کی ہے وہ محمد بن کثیر العبدی ابو عبد اللہ البصری ہیں محمد بن کثیر قرشی کوفی نہیں ہیں اور دوسری خیانت یہ کی کہ ابو الولید ہشام بن عبد الملک الطیالسی البصری الحافظ الامام اور الحجۃ کا نام تو ٹھیک لکھا مگر جس ہشام بن عبد الملک بن عمران الیزنی الحمصی پر امام

ابو داؤد نے جرح کی ہے۔ وہ اور ہے اور اس کی کنیت ابو الولید نہیں ہے سچ کہا گیا ہے۔ کہ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ یہ کام صرف مولوی محمد عمر صاحب ہی کا ہے اور یہ روایت حضرت عباسؓ سے نہیں جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب نے لکھا ہے (مقیاس ص۴۲۴) بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے ہے۔ یہ ہے تحقیق انیق مولوی محمد عمر صاحب کی جس پر وہ فی حوالہ یک صد روپیہ انعام دینے کا، مخلوقِ خدا کو چیلنج دیتے ہیں۔ (دیکھئے مقیاس ص۶۴) فوا اسفا ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

مسلم ج ۲ ص۲۴۹ کی ایک روایت میں یوں آتا ہے:

فیقال اما شعرت ما عملوا بعدك — تو کہا جائے گا کہ کیا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے جو عمل کیا۔

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ۔ یعنی آپ جانتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ انك لا تدری میں بھی استفہام ضرور ہے (مقیاسِ حقیقت ص۳۹۸)۔ الجواب قطع نظر اس سے کہ ما دلا کے الفاظ عربی میں بکثرت نہ ایذ ہوتے ہیں اور اس سے بھی صرف نظر کرتے ہوئے کہ ہمزہ استفہام ہمیشہ انکار ہی کے لئے نہیں ہوتا اور اس سے بھی اغماض کرتے ہوئے ہو کہ یہ روایت مسلم کی درجہ دوم کے رواۃ سے ہے اور ان کے متعلق فیصلہ امام مسلم نے مقدمہ ص۳۲ میں کر دیا ہے کہ ان سے خطا اور غلطی اکثر سرزد ہو جاتی ہے۔ ان تمام امور سے قطع کرتے ہوئے عرض یہ کرنا ہے کہ اما شعرت کا جملہ اس کو نہیں چاہتا کہ پہلے سے مخاطب کو علم ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو امامہؓ سے فرمایا کہ:-

اما شعرت ان اللہ عزّ وجل قد زوّجنی فی الجنۃ مریم بنت عمران وکلثم اخت موسیٰ وامرأۃ فرعون: (کنز العمال ج۶ ص۱۰۳ و ابن السنی ص۱۹۳)

کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ جنت میں مریم بنت عمران اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثم اور فرعون کی بیوی سے نکاح کر دیا ہے۔

اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس سے یہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ اسکو اس سے پہلے اس کی کیا خبر ہو گی؟ الغرض اما شعرت کا جملہ سابق علم کو متقاضی نہیں ہے اسکی مزید تشریح ازالۃ الریب میں دیکھئے۔

Marfat.com

الحاصل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شاہد اور شہید کا معنی السند صحیح موجود اور ثابت ہے اور جمہور اہل تفسیر بھی یہی معنی کرتے ہیں (دیکھئے کشاف ج ۲ ص ۴۳۴ درمنثور ج ۱ ص ۱۴۲ ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴۷ روح المعانی ج ۲۲ ص ۵ سید آلوسی حنفی وغیرہ) تو یہی معنی حق اور واجب القبول ہے۔ ع

نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

البتہ حافظ ابن کثیرؒ نے اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا الآیۃ کا یہ مطلب اور معنی بھی بیان کیا ہے۔ کہ ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ (شَاهِدًا لِلّٰهِ بِوَحْدَانِيَّةِ وَاَنَّهٗ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ) گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہے اور اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ حافظ ابن کثیر کا یہ فرمانا بھی بالکل صحیح اور درست ہے جس طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ (پ ۳ آل عمران ع ۲)

اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے بغیر کوئی الٰہ نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی گواہی دی۔

اور قرآن کریم کی اس آیت فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (پ ۷ رکوع ۱۹) سو تو لکھ ہم کو گواہی دینے والوں کے ساتھ کا مطلب حِبْرُ الْاُمَّة ترجمان القرآن رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ (دیکھئے مستدرک ج ۲ ص ۳۱۳) بیان کرتے ہیں۔ کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں لکھ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیز دیگر حضرات انبیاء عظام علیہم السلام کے لئے یہ گواہی دی ہے۔ کہ واقعی حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے ہیں۔ اس آیت کا بھی یہ معنی تو قطعاً نہیں۔ کہ اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دے جو حاضر و ناظر ہیں۔ بلکہ ان لوگوں میں ہمارا شمار ہو جو خدا کی وحدانیت اور پیغمبروں کے لوگوں تک احکام پہنچانے کی گواہی دیتے ہیں۔ اور امام راغب اصفہانیؒ وغیرہ نے شاہداً کے معنی مُعَلِّماً بھی کئے ہیں۔ دیکھئے مفردات راغب ص ۔

غرضیکہ خود قرآن مجید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جمہور اہل تفسیر شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر مراد لینا باطل سمجھتے ہیں۔ یہ فریق مخالف کی چالیں ہیں جو بے چارے سادہ لوح مسلمانوں کو دام تزویر میں لے آتے ہیں اور بیچارے عوام ہم سے بلا وجہ بغض اور عداوت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا بھی زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

مخالفین کی غلطی کا سبب

قارئین کرام بڑے متعجب ہوں گے۔ کہ مخالفین کو یہ غلطی کیوں ہوئی؟۔ کہ انہوں نے شاہد اور شہید کے لفظ سے حاضر و ناظر کا معنیٰ لے لیا۔ سو ہم عرض کرتے ہیں۔ کہ مخالفین نے لفظ شہادت سے ٹھوکر کھائی ہے وہ کہتے ہیں کہ شہادت وہ ہوتی ہے جس میں مشاہدہ اور معائنہ ہو۔ لہذا جب آپ گواہ اور شاہد ہوں گے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ آپ نے بچشم خود ہر اُمتی کو دیکھا۔ اور اس کے ظاہر و باطن کے احوال کا مشاہدہ اور معائنہ کیا ہوگا۔ اور یہی ہے حاضر و ناظر کا معنیٰ۔

جواب:۔ قارئین کرام کو اصل مرکزی نقطہ سمجھ آگیا ہوگا۔ کہ شہادت فریقِ مخالف کے خیال کے مطابق معائنہ کئے اور دیکھے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ ان علم کے یتامیٰ کی سخت جہالت ہے۔ شہادت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ گواہ اور شاہد بچشم خود اصل واقعہ دیکھے اور معائنہ کرے۔ بلکہ کسی ثقہ اور معتبر کے بتلانے پر اور کسی معقول وجہ سے علم ہونے پر بھی شہادت اور گواہی دینی جائز اور اس پر شہادت کا اطلاق درست اور صحیح ہے۔ آپ مندرجہ ذیل دلائل پر غور سے توجہ فرمائیے۔

(۱) قرآن کریم کی یہ آیت کہ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ یعنی اے امتِ محمدیہ تم پہلے تمام لوگوں پر گواہ ہو گے۔ ہم عرض کر چکے ہیں اور اس کی تفسیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث بھی ہدیۂ قارئین کر چکے ہیں۔ اگر بغیر معائنہ اور مشاہدہ کے گواہی اور شہادت درست نہیں ہے تو امتِ محمدیہ پہلی امتوں پر کیوں شہادت دے گی جب کہ انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام اور اسی طرح دیگر انبیاء عظام علیہم الصلوۃ والسلام کا زمانہ دیکھا نہ پایا۔ مگر نص قطعی شاہد ہے کہ امتِ محمدیہ گواہی ضرور دیگی اگر گواہ کے لئے معائنہ اور واقعہ میں حاضر ہونا اور دیکھنا ضروری ہوتا تو امتِ محمدیہ یقیناً پہلی امتوں پر گواہ نہ بن سکتی۔ حالانکہ قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ امت پہلی امتوں پر ضرور گواہی دے گی۔ اگرچہ یہ امت پہلی امتوں کے پاس حاضر اور ان کے زمانہ میں موجود نہ تھی۔ اور اگرچہ اس امت نے پہلی امتوں کو اور ان کے اعمال و احوال کو بچشم خود نہیں دیکھا۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

وسلّم نے اس امّت کے پاس یہ قطعی اور یقینی خبر پہنچا دی ہے کہ مثلاً حضرت نوحؑ اور اسی طرح دوسرے انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کی ہے، اور خدا اور رسول سے بڑھ کر سچا اور معتبر اور کوئی بھی نہیں لہذا ان کے ارشاد پر یقین اور اعتقاد کرتے ہوئے یہ امت شہادت پیش کرے گی۔

(۲) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۱، ترمذی ج ۲ ص ۱۳۲ اور سنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۶۵ وغیرہ میں مروی ہے۔ کہ ایک شخص حضرت بدیلؓ نامی جو مسلمان تھے، دو شخصوں (حضرت تمیمؓ اور عدیؓ) کے ساتھ جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ نصرانی تھے، ملک شام کو تجارت کے لئے گئے۔ شام پہنچ کر بدیلؓ بیمار پڑ گئے۔ انہوں نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے اسباب میں رکھ دی اور اپنے ساتھیوں کو اطلاع نہ دی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو انہوں نے ان دونوں کو وصیّت کر دی کہ میرا سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے حسبِ وصیّت سامان وارثوں کو دے دیا۔ مگر ایک چاندی کا جام وہ ہضم کر گئے۔ میّت کے وارثوں نے پوچھا کہ متوفّی نے کوئی سامان فروخت بھی کیا ہے۔ یا وصیّت اور خیرات یا علاج پر بھی کچھ صرف ہوا ہے؟۔ جواب ملا نہیں۔ وارثوں نے کہا۔ کہ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک جام فہرست میں لکھا ہوا ہے۔ مگر تم نے دیا نہیں۔ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ چونکہ میت کے وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے۔ اس لئے مدعیٰ علیہ یعنی غیر مسلموں سے قسم لی گئی اور معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ کچھ دنوں کے بعد جام ان دونوں نے کسی سنار کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب میت کے وارثوں کو معلوم ہوا۔ تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر قرآن کریم کی چند آیات نازل ہوئیں جن کا ترجمہ یہ ہے :-

اے مومنو! گواہی میں جب پہنچے کسی کو صدمہ موت کا وصیّت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں تم میں سے ہوں (یعنی مسلمان) یا غیر (مسلم) ہوں (الی قولہ) پھر اگر خبر ہو جائے۔ کہ دونوں حق دبا گئے۔ تو دو گواہ اور کھڑے ہوں۔ ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق دبا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہیں میّت کے۔ آگے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَا اَحَقُّ پھر قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری شہادت اور گواہی

Marfat.com

مِنْ شَهَادَتِهِمَا ۔ الآیۃ ۔ (پ ۷، مائدہ، ع ۱۴) زیادہ قابل قبول اور تحقیق ہے پہلوں کی گواہی سے ۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت بدیلؓ کے وارثوں نے شہادت دی کہ جام ہمارا حق ہے۔ چنانچہ آپ نے ان کو ان کا حق دلوایا۔ اس واقعہ میں بھی میت کے دو وارثوں کی ایک تحقیقی اور یقینی بات پر شہادت کا اطلاق ہوا ہے جو اصل موقعہ پر نہ حاضر تھے نہ موجود۔ اور قرآن کریم کی ان آیات میں موت کے وقت وصیت کا سفر کی حالت میں بہتر ہونے کا یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے ہر مومن کیلئے حکم ہے ۔ اگر شاہد کے لئے اصل واقعہ میں حاضر ہونا اور واقعہ کو بچشم خود دیکھنا ضروری ہوتا تو میت کے قریب تر وارث جو اصل واقعہ میں بالکل موجود اور شریک نہ تھے ۔ کیوں کہتے ہیں لَشَهَادَتُنَا اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ۔ ہماری گواہی پہلوں کی گواہی سے زیادہ قابل قبول ہے ۔ اس کا فیصلہ تو فریق مخالف ہی کریگا ۔ کہ جب اصل واقعہ میں یہ موجود ہی نہیں ۔ تو شہادت کا اطلاق کیوں کرتے ہیں ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو ایسے قرائن سے علم ہو چکا تھا جن میں وہ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے ۔ اور اس پر ہی انہوں نے شہادت بھی دی ۔ اس سے بھی معلوم ہوا ۔ کہ شہادت کے لئے اصل واقعہ میں حاضر ہونا اور اسکا معائنہ کرنا اور دیکھنا ضروری نہیں ۔ بلکہ کسی معقول ذریعے سے اس چیز کا علم یقینی ہی شہادت کے لئے کافی ہے اور یہ واقعہ حضرت بدیلؓ کے وارثوں کے لئے ہی مخصوص نہیں ۔ بلکہ ہر مومن کو حسب ارشاد خداوندی یہ حکم ہے کہ جب بھی تمہیں میت کے گواہوں پر اعتماد نہ ہو ۔ تو تم کھڑے ہو کر شہادت اور گواہی دو ۔ اصل واقعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں ۔ ہاں بقدر ضرورت علم ہونا ضروری ہے ۔ جو کسی معتبر اور ثقہ کے بتلانے نیز دیگر عقلی اور نقلی قرائن اور شواہد سے حاصل ہو سکتا ہے ۔

یہ واقعہ سورۂ مائدہ کا ہے اور یہ سورت ان سورتوں میں شمار ہے جو آخر میں نازل ہوئی ہیں ۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو عالم الغیب تھے اور نہ حاضر و ناظر ۔ ورنہ آپ پہلے ہی اصحاب حق کا حق ان کو دلوا دیتے جیسے بعد کو (جبکہ صحیح واقعہ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اور) حق بحق دار رسید پر عمل کر کے دکھا دیا ۔ کیا حاضر و ناظر بھی دیدہ دانستہ حق تلفی کیا کرتا ہے ۔ العیاذ باللہ ۔ بیّنوا توجروا

(۳) نسائی ج ۲ ص ۱۹۹ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲ سنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۴۶ اور مستدرک ج ۲ ص ۱۸ وغیرہ میں ایک

Marfat.com

حدیث آتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دیہاتی سے (جس کا نام سواد بن الحارث تھا) ایک گھوڑا خریدا۔ لیکن اس وقت آپ کے پاس رقم موجود نہ تھی۔ رقم لینے کے لئے آپ جلدی سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔ کوئی اور گاہک آیا۔ اور اس نے پہلی طے شدہ رقم سے زیادہ رقم اور قیمت اس دیہاتی کو بتلائی۔ اس نے اس کے ساتھ معاملہ کر دیا۔ جب آپ رقم اور قیمت اس کے ساتھ طے چکے تھے تو اصولاً معاملہ پورا ہو گیا تھا۔ اس گنوار کو گھوڑا فروخت کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ لیکن اس نے زیادہ رقم کے لئے بے ایمانی کی اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ میں نے تو گھوڑا آپ پر فروخت ہی نہیں کیا۔ آپ مجھ سے کس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ خدا سے خوف کرو میرا اور تمہارا معاملہ طے ہو چکا ہے۔ میرے ذمہ فقط رقم ادا کرنی ہی باقی ہے۔ سو اپنی رقم لے لو اور گھوڑا میرے حوالے کرو۔ دیہاتی بولا۔ آپ براہِ مہربانی گواہ پیش کریں کہ میں نے واقعی گھوڑا آپ پر فروخت کر دیا ہے۔ جس وقت یہ معاملہ طے ہوا تھا۔ اس وقت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اس دیہاتی کے علاوہ کوئی اور آدمی پاس موجود نہ تھا۔ لیکن حضرت خزیمہؓ گواہی دینے پر آمادہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: جب تم وہاں موجود ہی نہ تھے تو تم کس طرح گواہی دیتے ہو۔ حضرت خزیمہؓ نے عرض کیا یہ ٹھیک ہے کہ میں اس وقت موجود نہ تھا۔ لیکن مجھے اس کا یقین ہے۔ کہ اِنَّكَ لَا تَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا: بے شک آپ سچ ہی کہا کرتے ہیں۔

جب آپ فرماتے ہیں کہ میں نے گھوڑا خریدا ہے تو یہ بات یقینی ہے کہ آپ نے ضرور خریدا ہی ہے کیونکہ آپ صادق ہیں۔ اس لئے میں گواہی دیتا ہوں۔ حضرت خزیمہؓ کی اس عقیدتمندی اور خلوص کو دربارِ خداوندی میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ۔ ارشاد ہوا جس کے لئے تنہا حضرت خزیمہؓ گواہی دے وہ گواہی پوری ہو گئی۔ حضرت خزیمہؓ کے ساتھ کسی اور گواہ کی ضرورت نہیں۔ وہ تنہا دو گواہوں کے برابر اور قائمقام ہیں۔

اس حدیث سے بھی روز روشن کی طرح یہ ثابت ہوا کہ گواہ کے لئے اصل حادثہ میں حاضر اور موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ کسی معقول ذریعہ سے اصل واقعہ کا علم ہو جانا ہی شہادت کے لئے کافی ہے۔ حضرت خزیمہؓ اگرچہ خرید و فروخت کے وقت موجود نہ تھے۔ لیکن مخلوق میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلّم سے بڑھ کر سچا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ لہذا آپ کے بیان پر یقین اور اعتماد رکھتے ہوئے حضرت خزیمہؓ شہادت اور گواہی دینے پر تُل آئے۔

(۴) قرآن کریم اور حدیث شریف سے اسکا ثبوت آپ سُن چکے کہ گواہ کے لئے اصل واقعہ میں حاضر اور موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ صحیح حالات کا علم ہو جانا ہی گواہی کے لئے کافی ہے۔ اب آیئے فقہاء کرام سے بھی سُن لیجئے۔ اور ہم حوالہ بھی صرف فقہاء حنفیہ کثر اللہ جماعتہم کا پیش کرتے ہیں۔ تاکہ بنا سمجھتی حنفیوں کی آنکھیں کھل جائیں۔ قدوری ص۱۷۹ میں ہے کہ گواہ کے لئے درست نہیں کہ بن دیکھے کسی چیز کی شہادت دے۔ مگر نسب، موت، نکاح، جماع اور قاضی اور جج کی تقرری کی شہادت بن دیکھے بھی درست ہے۔

اذا اخبرہ بھا من یثق بہ — جب کہ کسی ثقہ اور معتبر آدمی نے گواہی دی ہو۔

یعنی یہ شہادت کہ فلاں شخص فلاں کا لڑکا ہے۔ یا فلاں فوت ہو چکا ہے۔ یا فلاں کا نکاح ہو گیا ہے یا فلاں نے اپنی بیوی سے ہمبستری کی ہے۔ یا فلاں جج یا قاضی منتخب کر لیا گیا ہے اگرچہ ان واقعات اور حالات کو بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ لیکن ثقہ اور معتبر آدمی کی خبر اور اطلاع دینے پر گواہی اور شہادت دینا درست اور صحیح ہے۔ اور صاحب ہدایہ ج ۳ ص۱۵۷ میں اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

انما یجوز للشاھد ان یشھد بالاشتھار وذالک بالتواتر او لخبار من یثق بہ۔

یعنی جو چیز کہ تواتر کی وجہ سے مشہور ہو جائے یا کسی ثقہ اور معتبر نے خبر دی ہو۔ تو شاہد کو جائز ہے کہ گواہی دیدے

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ہر بات اور واقعہ میں گواہ کو حاضر ہونا اور اس کا دیکھنا شہادت کیلئے ضروری نہیں بلکہ اگر وہ خبر مشہور اور متواتر ہو یا کسی معتبر کی بیان کردہ ہو تو اس کی شہادت بھی درست ہے کہنے والے فقہاء کرامؒ ہیں۔ اور لطف یہ کہ فقہاء حنفیہؒ۔ دیکھئے فریق مخالف کیا کہتا ہے۔

(۵) لعنت والے بھی شہادت کا اطلاق ایسی صحیح خبر اور بات پر کیا کرتے ہیں جو اگرچہ خود دیکھی اور سُنی نہیں۔ لیکن کسی معتبر نے خبر دی ہو۔ ملاحظہ فرمائیے۔ سراج ۱۲ ص۱۳۴ میں لکھا ہے۔ شہادت خبر درست و آگاہی قاطع۔ یعنی سُنی ہوئی بات بھی گواہی ہے جس کا معائنہ نہیں ہوا۔ اور وہ معائنہ بھی گواہی ہے۔

Marfat.com

بچشم خود کیا ہو۔ تو جیسے آگاہی قاطع پر شہادت کا اطلاق صحیح ہے۔ اسی طرح خبر درست بھی گواہی ہے۔ اگر شہادت کے لئے حاضر اور موجود ہونا ضروری ہوتا تو خبر درست کے پنکچر لگانے کی الٰہ لغت کو کیا مصیبت پڑی ہے؟ اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی یقینی بات پر اور درست خبر پر بھی شہادت کا اطلاق درست ہے۔

عرف عام میں بھی ضروری نہیں کہ گواہ صرف اپنی ہی چیز کی شہادت دے جس کو خود اس نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ بلکہ کسی چیز سے متعلق صحیح علم ہونے پر بھی شہادت درست ہے۔ مثلاً ہم ذات باری تعالیٰ کو دیکھا نہیں لیکن ہم شہادت دیتے ہیں کہ وہ یقیناً موجود ہے۔ اسی طرح ہم گواہی دیتے ہیں کہ فرشتے موجود ہیں جنت اور دوزخ موجود ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دنیا میں تشریف لانے اور رسول ہونے کی شہادت ہم دیتے ہیں۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کے وجود کی شہادت بھی دیتے ہیں۔ مگر ہم نے بچشم خود ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ ہم عذاب قبر، میدان حشر اور پلصراط وغیرہ سینکڑوں چیزوں کی شہادت دیتے ہیں۔ مگر ہم نے ابھی تک کچھ نہیں دیکھا۔ ہم اس کی بھی شہادت دیتے ہیں۔ کہ بے شمار قومیں دنیا میں آئیں اور تباہ ہوئیں۔ زمین سے اُبلتے ہوئے اور آسمان سے برستے ہوئے پانی کا طوفان آیا۔ آندھی کا جھکڑ آیا۔ زلزلے کی صاعقہ انداز کڑک آئی۔ آسمان سے پتھر برسے۔ مگر ہم نے دیکھا کچھ بھی نہیں۔ کیوں شہادت دیتے ہیں؟ اس لئے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پختہ خبریں دی ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس سینکڑوں بادشاہ دنیا میں آئے اور گئے۔ آج بھی ہم بے شمار ملکوں اور قوموں، بادشاہوں اور شخصیتوں کے وجود کی شہادت دیتے ہیں۔ مگر ہم نے دیکھے نہیں کیوں شہادت دیتے ہیں؟ اس لئے کہ ہمارے پاس بہت سے دلائل اور براہین موجود ہیں یقینی اور صحیح خبریں ہیں۔ اگر شہادت کے لئے یہ ضروری ہوتا کہ بچشم خود دیکھا ہی جائے یا گواہ اصل واقعہ میں حاضر اور موجود ہو تو ہم ایک چیز کی شہادت نہیں دے سکتے۔ اذان تک نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہمیں اس کی گواہی دینا پڑتی ہے۔ کہ

اشھد انّ محمّد رسول اللہ — میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں۔

بتلائیے آج کل کس موذّن نے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا ہے؟ اور کس موذّن نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پر وحی لے کر آتے دیکھا ہے۔ مگر گواہی اور شہادت وہ باقاعدہ دیتا رہتا ہے۔ الحاصل قرآنِ کریم، حدیث شریف، فقہ، لغت اور عرفِ عام سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شاہد اور گواہ کے لئے اصل واقعہ میں موجود اور حاضر ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ کسی معقول وجہ سے اس چیز کا علم ہو جانا ہی کافی ہے۔ مگر فریقِ مخالف کی کوتہ فہمی اور جہالت دیکھئے کہ اس نے کاغذ کی کشتی پر سفر کی ٹھان لی ہے۔ کیا فریق مخالف مدینہ طیبہ کے وجود کی شہادت دیتا ہے؟ اور کیا ہر فردِ بشر نے مدینہ منورہ کی زیارت کی ہے؟ اگر نہیں تو شہادت کا کیا مطلب! ہم تو مدینہ طیبہ سے عقیدت اور محبّت کو ایمان کی جزو سمجھتے ہیں۔ سنئے کیا خوب کہا گیا ہے ؎

الٰہی! کیسی پُر انوار گلیاں ہیں مدینہ کی! خداوندا! انہیں دیکھا نہیں ہے نام سنتے ہیں
درِ محبوب پر پہنچیں یہی ارمان ہے دل میں مریضِ عشق پاتا ہے وہاں آرام سنتے ہیں
وہ یاد آتے ہیں تو اک ہوک سی اٹھتی ہے سینہ میں کلیجہ تھام لیتے ہیں جب ان کا نام سنتے ہیں

ایک شبہ

ہو سکتا ہے کہ قارئین کرام کے خیال میں یہ اعتراض پیدا ہو جائے کہ جب شاہد اور شہید کے لئے اصل واقعہ میں حاضر اور موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ کسی معتبر کے بتلانے پر بھی وہ شہادت دے سکتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ پر شاہد اور شہید کا اطلاق صحیح اور درست نہ ہوگا کیونکہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ اور وہ اپنے علم اور قدرت و ذات کے لحاظ سے جیسا کہ اسکی شان کے مناسب ہے ہر جگہ موجود اور حاضر ہے۔

جواب :- اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ ایک ہی لفظ اپنے محل اور موقع کے اعتبار سے اگر ایک معنیٰ ادا کرتا ہے تو یہی لفظ دوسرے محل اور موقع پر الگ اور جدا معنیٰ دے گا۔ دیکھئے لفظ مولیٰ عربی زبان کے لحاظ سے خادم پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اور آقا اور مالک وغیرہ پر بھی۔ یعنی دو متضاد مفہوموں پر بولا جاتا ہے مگر اپنے محل اور موقع میں وہ جداگانہ معنیٰ دیتا ہے۔ یا دیکھئے رؤف اور رحیم خدا تعالیٰ کی صفت ہے مگر قرآنِ کریم میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفت بھی رؤف اور رحیم آئی ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کے لئے

ذاتی قدیم اور وہ صفت مراد ہوگی۔ جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفت ہوگی جو مخلوق کے اعلیٰ اور افضل فرد کے لئے ہوسکتی ہے یا جیسے حفیظ اور علیم اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور یہ صفت قرآنِ کریم میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی آئی ہے مگر ہر ایک موقع اور محل پر مناسب معنیٰ میں مستعمل ہے۔ یا قرآن کریم دیکھئے کہ سمیع اور بصیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر قرآن کریم ہی میں یہ انسان کی صفت بھی بیان کی گئی ہے۔ اور انسان بھی عام ہے کہ مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت سمیع اور بصیر ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس معنیٰ میں سمیع اور بصیر جو اس کے شایانِ شان ہے۔ اور انسان اس معنیٰ کے لحاظ سے سمیع اور بصیر ہے جو اس کے مناسبِ حال ہے۔ ہمیں آئیے اپنے مشہور و معروف محاورہ کو دیکھ لیجئے کہ لفظ "میاں" متعدد مقامات پر بولا جاتا ہے مگر اپنے اپنے موقع اور محل پر وہ جداگانہ معنیٰ دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ سب جگہوں پر ایک ہی معنیٰ ہو۔ مثلاً کہتے ہیں، اللہ میاں، میاں بیوی، بڑے میاں، مسجد کے امام کو میاں جی، باپ دادا اور نانا وغیرہ کو بھی میاں کہتے ہیں اور طوطے کو بھی کہتے ہیں۔ سنا ہی ہوگا "میاں مٹھو چوری کھا" لیکن ہر ایک جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہی مراد ہوگی جو اس کی شانِ رفیع کے لائق ہے اور میاں مٹھو کے لئے بھی وہی ہوگی جو اس کے مناسب ہے۔ اسی طرح آپ شاہد اور شہید کو سمجھئے کہ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے گا تو اس کے لئے وہی معنیٰ ہوگا جو اس کے لائق ہے چونکہ وہ ہر ایک کے قریب ہے۔ دیکھتا ہے اور سنتا ہے ہر ایک ظاہر و باطن سے واقف ہے اس لئے جیسا کہ اس کے لئے شاہد اور شہید سے گواہ کا معنیٰ درست ہے اسی طرح اس کے لئے حاضر و ناظر کا معنیٰ بھی درست ہے لیکن کسی اور کے لئے دلائل مذکورۃ الصدر کے رُو سے شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر مراد لینا صحیح نہیں ہے بلکہ غلط اور کفر و شرک ہے۔ ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

قارئین کرام ہم نے لفظ شاہد اور شہید سے فریقِ مخالف کا استدلال اور اس کا پس منظر آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے۔ اب فریقِ مخالف کے ہاتھ میں ؎

شیشہ ہے جام ہے نہ خم اصل تو رونقیں ہیں گم
لاکھ سجا رہے ہو تم بزم ابھی سجی نہیں

Marfat.com

فریقِ مخالف کی دوسری دلیل اور اس کا حال

مخالفین قرآن کریم کے اس جملہ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا کرتے ہیں۔ (دیکھئے مقیاسِ حنفیت ص۲۷۰ وغیرہ) ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم قارئینِ کرام کے سامنے قرآن کریم کے اس جملہ کا محلِ وقوع بتا کر اس سے جواب کی طرف توجہ کریں۔ ملاحظہ فرمائیے: ایک مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ یَرُدُّوْکُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کٰفِرِیْنَ ۝ وَکَیْفَ تَکْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ اٰیٰتُ اللّٰہِ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ (پ۴، آل عمران، رکوع ۱)

اے ایمان والو۔ اگر تم کہنا مانو بعض اہل کتاب کا تو پھر کر دیں گے وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو۔ اور تم پر پڑھی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں۔ اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔

(۲) اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْکُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ یُطِیْعُکُمْ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (پ۲۶، حجرات، رکوع ۱)

اے ایمان والو۔ اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کئے پر پچتانے لگو اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول ہے۔ اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے۔

فریقِ مخالف کا کہنا ہے کہ جملہ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ (اور تم میں اللہ کا رسول ہے) سے تمام امت مراد ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ہر وقت امت میں حاضر رہتے ہیں، تو آپ حاضر و ناظر ہوئے۔

جوابِ اوّل :۔ قرآن کریم کے جملہ وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ سے خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام

Marfat.com

امّت کو نہیں بلکہ آپ کے بعض صحابہ کرامؓ کو (جو اِن آیات کے نزول کا داعیہ اور سبب تھے اور جن کی اصلاح اور طہارت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی) خطاب ہے۔ چنانچہ واقعہ اوّل کا شانِ نزول یہ ہے کہ انصار مدینہ کے باہم دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج زمانۂ جاہلیت میں ان کی آپس میں سخت عداوت اور دشمنی تھی۔ اور بعاث کی مشہور جنگ ان میں ایک سو بیس سال تک رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ہجرت پر انکی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسلام کی تعلیم اور جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیضِ صحبت نے دونوں قبیلوں کو جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ملا کر شیر و شکر کر دیا تھا۔ یہود مدینہ کو ان دونوں قبیلوں کا مل کر بیٹھنا اور متفقہ طاقت سے اسلام کی حمایت کرنا بڑا ناگوار تھا۔ چنانچہ یہود مدینہ نے ایک دفعہ موقع پا کر ان دونوں قبیلوں میں جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا۔ چند اشعار سنائے اشعار کا سننا ہی تھا کہ ایک مرتبہ بجھی ہوئی آگ کی چنگاریاں پھر سُلگ گئیں۔ زبانی جنگ سے گزر کر ہتھیاروں کی جنگ شروع ہونے کو تھی کہ جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع مِل گئی۔ آپ جماعت مہاجرین کو ساتھ لے کر موقع پر پہنچ گئے اوس اور خزرج کو سمجھایا۔ وہ سمجھ گئے۔ ان آیات میں پہلے یہود کو ملامت کیا گیا ہے اور پھر مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا رسول تم میں موجود ہے پھر ان کی موجودگی میں تم کیوں لڑائی پر آمادہ نظر آتے ہو؟ اور کیوں یہود بے بہبود کے کہے لگ کر خون خرابہ پر تلے ہوئے ہو (دیکھئے تفسیر ابن کثیرؒ ج ۱ ص ۳۸۹ وغیرہ کتب تفسیر)

دوسرے واقعہ کا شانِ نزول یہ ہے۔ اور حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ اس پر مفسرین کرامؒ کا اجماع ہے (بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۴) کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ولیدؓ بن عُقبہ کو قبیلہ بنی مُصطلق کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کے لئے روانہ کیا۔ چونکہ حضرت ولیدؓ کا قبل از اسلام قبیلہ مذکور سے اختلاف تھا اسی قدیم عداوت کی وجہ سے وہ اپنے دل میں اس قبیلہ سے خائف تھے جب یہ گئے اور قبیلہ مذکور نے سنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے قاصد اور عامل ہمارے پاس آ رہے ہیں تو وہ استقبال کرتے ہوئے بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ آگے کو آئے حضرت ولیدؓ کو یہ وہم ہوا کہ شاید دیرینہ عداوت کی بنا پر یہ مجھے قتل کرنے آئے ہیں۔ حضرت ولیدؓ واپس ہو گئے۔ کیا بعید کہ تیز گامی پر بھی انہوں نے عمل کیا ہو اور

Marfat.com

قبیلۂ مذکور نے ان کی بلا وجہ واپسی اور سرعت رفتاری پر ان کا تعاقب بھی کیا ہو۔ جس سے ان کے بے
وہم میں اور بھی اضافہ ہوا ہو۔ الغرض یہ واپس ہوئے۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
اس قبیلہ کی شکایت کی۔ کہ حضرت! وہ تو مرتد ہو گئے ہیں اور مجھے قتل کرنے آرہے تھے قسمت نے یاوری
کی کہ میں بھاگ نکلا۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجا وہ وہاں گئے اور حالات کا جائزہ
لیا۔ بات کچھ بھی نہ تھی۔ وہ لوگ مخلص مسلمان تھے یہ فقط حضرت ولیدؓ کا بیجا وہم تھا (دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج
۴ ص ۲۰۹ وغیرہ) اس پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں۔ اگرچہ حضرت ولیدؓ فاسق نہ تھے۔ لیکن اللہ
تعالیٰ نے آئندہ کے لئے ایک عام قانون بتلایا کہ جب بھی کوئی شریر آدمی کوئی بات کہے تو بلا تحقیق اس
پر عمل نہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی ایسی قوم پر چاڑھ جو مجرم نہ تھی۔ انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو
ارشاد فرمایا ہے کہ تم حزم و احتیاط سے کام لیا کرو۔ کیونکہ تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اگر وہ تمہاری بہت
سی باتیں مان لیا کریں تو تم دین اور دنیا کے مصائب اور تکالیف میں گھر کر رہ جاؤ گے۔ غرضیکہ جملہ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ
سے خطاب صحابہ کرامؓ کو ہے نہ کہ تمام امت کو۔ اور اگر بالفرض یہ خطاب عام بھی ہو تب بھی صرف مومنوں کو
ہوگا۔ (جیسا کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے ظاہر ہے) اور ہر جگہ اور ہر ایک کے حق میں حاضر و ناظر ہونے کا
دعویٰ پھر بھی باطل ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

جواب دوم:- پہلا واقعہ سورۂ آل عمران میں مذکور ہے، جس کے بعد پچیس سورتیں (جن کا ذکر ہم پہلے کر
چکے ہیں) نازل ہوئی ہیں۔ (تفسیر اتقان ص ۱۹) اور دوسرا واقعہ سورۂ حجرات کا ہے جس کے بعد سات سورتیں
(تحریم، جمعہ، تغابن، صف، فتح، مائدہ اور توبہ) نازل ہوئی ہیں (تفسیر اتقان ص ۱۹)۔ اگر جملہ وَفِيكُمْ
رَسُولُهُ سے آپ کا ہر وقت اور ہر ایک کے لئے حاضر و ناظر ہونا مراد ہوتی۔ تو اس واقعہ کے بعد جو
قرآن کریم کی سورتیں نازل ہوئی ہیں ان میں آپ کی ہر جگہ عدم موجودگی اور غیر حاضری کا ثبوت کیوں ہے؟
ہم سورۂ تحریم سے شہد والا قصہ اور ایک زوجہ مطہرہؓ کا آپ سے ایک نجی واقعہ کے متعلق "آپ سے کس نے بیان
کیا ہے"؟ کا سوال عرض کر چکے ہیں، سورۂ آل عمران سے بعد کو نازل ہونے والی سورت منافقین کا شانِ
نزول اور حضرت زید بن ارقمؓ کا واقعہ بھی عرض کر چکے ہیں۔ سورۂ مائدہ کا میت کے وارثوں کے متعلق شہادت

کا واقعہ بھی پیش کر چکے ہیں۔ سورۂ نساء سے بشیر نامی منافق کا قصہ بھی نقل کر چکے ہیں۔ اور تفسیر اتقان کے حوالہ سے یہ بھی نقل کر چکے ہیں کہ سورۂ نساء، سورۂ آل عمران کے بعد نازل ہوئی ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت توبہ سے مسجد ضرار اور منافقین کی سازشوں کے واقعات بھی نقل کر چکے ہیں اور یہ بھی کہ سورۂ آل عمران سے سورۂ نور بعد کو نازل ہوئی۔ اب آپ سورۂ نور کی چھ آیات کا شانِ نزول حضرت عائشہ صدیقہؓ سے (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۴ وغیرہ کی سند سے) اجمالاً سن لیجئے وہ فرماتی ہیں کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ (یہ غزوہ مریسیع تھا جو شعبان ۶ھ میں ہوا تھا۔ تاریخ ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۵ علی الزاد) میں شریک تھی۔ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا، مجھے اونٹ پر کجاوہ میں سفر کرنا پڑتا تھا۔ جنگ ختم ہوئی تو واپس ہوئے۔ رات کو ایک مقام پر آپ نے آرام کیا۔ اور اعلان کیا کہ ہم صبح کو سویرے ہی چل پڑیں گے جب صبح ہوئی تو میں قضائے حاجت کے لئے ذرا دور چلی گئی۔ تقدیر آ میرا ایک موتیوں کا ہار ٹوٹ گیا۔ میں اسے تلاش کرتی رہی اور دیر ہو گئی۔ جو آدمی میرا کجاوہ اونٹ پر لادنے پر تعینات تھے انہوں نے میرا کجاوہ اٹھایا اور اونٹ پر رکھ دیا۔ یہی خیال تھا کہ حضرت عائشہؓ کجاوہ میں ہوں گی۔ جب میں دیری کے بعد اپنی جگہ واپس آئی تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ قافلہ جا چکے ہیں۔ میں وہیں حیران ہو کر بیٹھ گئی۔ حضرت صفوان بن معطلؓ قافلہ کے پیچھے آ رہے تھے۔ مجھے نزولِ حجاب سے پہلے انہوں نے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے۔ اپنا اونٹ بٹھایا اور مجھے اس پر سوار کیا اور قافلہ میں جا پہنچایا۔ منافقوں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عائشہؓ کو صفوان سے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا (العیاذ باللہ) غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرامؓ کو تقریباً ایک ماہ پریشانی رہی حتیٰ کہ سورۂ نور نازل ہوئی۔ اور معاملہ صاف ہوا۔

قارئین کرام! :- یہ بات نہ بھول جائیں کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ کی عفت کے بارے میں حالات اور قرائن سے یہ خیال تھا۔ کہ حضرت عائشہؓ کا کوئی قصور نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی ذاتی پاک دامنی اور عفت کے اثبات کے لئے اپنے معلومات کی بنا پر منبر پر یہ حلفیہ بیان بھی ارشاد فرمایا تھا۔ کہ واللہ مجھے اپنی اہلیہ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ مگر اس سے قطعی علم پر استدلال

Marfat.com

جیساکہ مولوی محمد عمر صاحب نے کیا ہے (دیکھئے مقیاس ص۹۰۴) باطل ہے۔ علم قطعی اور یقینی نزولِ وحی سے پہلے بھی بھی نہ تھا۔ صحیح بخاری ج ۲ ص۵۹۶ کے یہ الفاظ دیکھئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یاعائشۃؓ ..... ان کنت بریۃ	اے عائشہؓ! اگر تو اس تہمت سے بری ہے تو اللہ تعالےٰ
فسیبرئک اللہ وان کنت الممت	تجھے اس تہمت سے پاک کردے گا۔ اور اگر تجھ سے گناہ
بذنب فاستغفری اللہ وتوبی الیہ	صادر ہوچکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور توبہ کر۔
فان العبد اذا اعترف ثم تاب	کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کرکے توبہ کرتا ہے تو اللہ
تاب اللہ علیہ۔	تعالیٰ ضرور قبول کرتا ہے۔

چلئے اس واقعہ کے تمام اجزاء سے نگاہ ہٹا لیجئے اور فقط اسی حصّہ کو دیکھئے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ہر جگہ حاضر و ناظر (اور عالم الغیب) تھے۔ تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیدہ دانستہ پیچھے کیوں چھوڑا؟ جس پر آپ کو بھی اور دیگر اکابر صحابہؓ کو اور خصوصیت سے حضرت عائشہؓ کو بے حد پریشانی ہوئی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے دیدہ دانستہ اپنی اہلیہ محترمہ کو ایک مہینہ پریشان کیا؟ اور قصداً و ارادۃً منافقوں سے اتہام لگوایا (العیاذ باللہ) بیّنوا توجروا۔ ؎

جسے سمجھ نہ سکیں گے جُز اہل حق بسمل
وہ اختیار کیا طرزِ زندگی میں نے

حضرت مولانا علی القاری الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں :-

ولما جری لام المومنین عائشۃؓ	اور جب حضرت ام المومنین عائشہؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا
ماجری ورماها اهل الافك لم یكن یعلم	اور بہتان تراشوں نے ان کو متہم کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ
حقیقۃ الامر حتیٰ جاءہ الوحی من اللہ تعالےٰ	وسلّم کو اصل حقیقت کا علم نہ ہو سکا تا آنکہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے
ببرأتها وعند هؤلاء الغلاۃ انہ علیہ السلام	وحی نازل ہوئی اور اسمیں حضرت عائشہؓ کی برأت کا ذکر کیا گیا
كان یعلم الحال وانہ غیرها بلا ریب	مگر اس غلو پرست فرقہ کا یہ خیال ہے کہ آپ بلاشک و شبہ
واستشار الناس فی فراقها ودعا ریحانۃؓ	حقیقت حال سے آگاہ تھے اور معہذا لوگوں سے حضرت عائشہؓ
فسالها وهو یعلم الحال وقال لها ان كنت	کی جدائی اور طلاق کا مشورہ کرتے رہے اور باوجود علم کے حضرت ریحانہؓ

Marfat.com

المت بذنب فاستغفری اللہ وھو یعلم علما یقینا انھا لم تلم بذنب ولا ریب ان الحال لھؤلاء علی ھذا الغلو اعتقادھم انہ یکفر عنھم سیئاتھم ویدخلھم الجنۃ وکلما غلوا کانوا اقرب الیہ واخص بہ فھم اعصی الناس لامرہ واشدھم مخالفۃ لسنتہ وھؤلاء فیھم شبہ ظاھر من النصاریٰ غلوا علی المسیح اعظم الغلو وخالفوا شرعہ ودینہ اعظم المخالفۃ والمقصود ان ھؤلاء یصدقون بالاحادیث المکذوبۃ الصریحۃ ویحرفون الاحادیث الصحیحۃ واللہ ولی دینہ فیقوم من یقوم لہ بحق النصیحۃ۔

(انتھیٰ بلفظہ

موضوعات کبیر ص ۱۲۰)

سے بھی آپنے دریافت کیا اور آپنے علم کے باوجود یہ بھی کہا کہ اے عائشہؓ اگر تجھ سے گناہ صادر ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے اور یہ فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو علم یقینی حاصل تھا کہ حضرت عائشہؓ میں کوئی عیب نہیں مگر جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے (عیاذاً باللہ) اسمیں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ اس فرقہ کا باوجود اس غلو کے یہ عقیدہ ہے کہ وہ ان کے گناہوں کو مٹا دیں گے اور ان کو جنت میں داخل کر دینگے اور یہ بھی ان کا خیال ہے کہ جتنا بھی وہ غلو کریں گے اتنا ہی حضور علیہ السلام کا تقرب اُن کو حاصل ہوگا اور وہ آپکے خاص تر میں لوگوں میں ہونگے درحقیقت یہ لوگ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سب سے زیادہ نافرمان اور آپکی سنت کے سب سے بڑھ کر مخالف ہیں۔ اور ان میں نصاریٰ کی سی مشابہت پائی جاتی ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں انتہائی غلو کیا اور ان کے دین اور شریعت کی بڑی مخالفت کی اور ان لوگوں کا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ خاص جعلی اور جھوٹی روایتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور صحیح احادیث کی تحریف کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کا نگران ہے اسلئے خدا تعالیٰ کے دین کی حفاظت کے لئے اہل حق ضرور کھڑے ہوتے رہیں گے جو خالص دین لوگوں کے سامنے پیش کریں گے۔

یہ عبارت بھی ملاحظہ کیجئے اور مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ کیجئے کہ صدیقہ سید الانبیاء کی زوجہ پاک ہیں ان سے یہ قصور ہو سکتا ہی نہیں۔ الی ان قال غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا (جاء الحق ص ۱۲۱)

سبحان اللہ ایسے مفتی پیدا ہوتے رہے تو دین کا خدا ہی حافظ ہے۔

قارئین کرام علامہ موصوف نے جو کچھ بھی ارشاد فرمایا ہے وہ سب کچھ فرقہ بریلویہ میں موجود ہے جس

کی وکالت مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کر رہے ہیں۔

جواب سوم :- اگر فِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا مراد ہو۔ جیسا کہ فریقِ مخالف کا خیال ہے تو لازم آئے گا کہ قرآن کریم کی آیات کا آپس میں تعارض اور تضاد واقع ہو اور یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تعارض کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ کیونکہ اگر وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ سے مراد یہ ہو کہ آپ ہر جگہ اور ہر مکان میں حاضر و ناظر ہیں تو قرآن کریم ہی کی ایک دوسری آیت کا یہ مضمون ہے کہ آپ کو بُری مجلسوں میں حاضر اور شریک ہونے کی قطعاً اجازت نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْ اٰیَاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔

(پ ۔ انعام ۔ رکوع ۸)

اور جب دیکھے تو ان لوگوں کو جو مزاح اڑاتے ہیں ہماری آیات سے تو ان سے کنارہ کر۔ یہانتک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں۔ اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آنے کے بعد ظالموں میں۔

اس آیت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف شرع مجالس میں شریک اور حاضر ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ خلاف شرع مجالس میں کتنی قسم کی ہے۔ شراب کی مجلس، زنا کی مجلس، قرآن کریم سے استہزاء اور مقابلہ کی مجلس، گانے اور بجانے کی مجلس، غیبت اور چغلی کی مجلس، ڈاڑھی ترشنے کی مجلس، جوا بازی کی مجلس، ننگے ناچ کی مجلس، تھیٹر اور سینما وغیرہ کی ہزارہا ایسی مجالس ہیں جن میں ہمارے جیسا گنہگار انسان بھی شریک ہونا ہرگز گوارا نہیں کرتا چہ جائے کہ ایسی ناپاک اور غیر شرعی مجالس میں خدا تعالیٰ کے نیک اور بزرگ بندوں کو حاضر و ناظر سمجھا جائے۔ اور خصوصاً فخر موجودات، سردارِ رُسل امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) اور پھر مزید لطف یہ کہ معاصی اور اعمال سیئہ کی بدبو، رائحہ کریہہ اور تعفّن ایسی گندی چیزیں ہیں جن کو ملائکۃ اللہ انبیاء اللہ اور کبھی کبھی عباد صالحین بھی محسوس کر لیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ منذریؒ ترغیب و ترہیب ج ۳ ص ۳۰۰ میں مسند احمد کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں حضرت

Marfat.com

جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک سفر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے کہ یکایک ایک بدبو اٹھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا جانتے بھی ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ بدبو ان لوگوں کے منہ سے آرہی ہے جو اسوقت مسلمانوں کی غیبت کر رہے ہیں۔ اور ترمذی ج ۲ ص۱۹ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ جب فرشتہ اتنی دور چلا جاتا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ایسی بدبو میں کیوں حاضر ہو سکتے ہیں جن کی لطافت اور پاکیزگی کی مثال دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے۔

قارئین کرام آپ انہیں ڈالڈا قسم کے محبّوں سے پوچھئے کہ تم تو گندگی اور غلاظت کے انبار میں ہر وقت حاضر رہتے ہو۔ کفر، شرک اور بدعت اور کذب بیانی تمہارا سرمایہ ہے۔ بھلا تمہارے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم تو کیا حاضر ہوتے رحمت کے فرشتے بھی بھاگ جاتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں فوٹو دیکھ کر داخل نہیں ہوئے تھے۔ تاوقتیکہ اس کو پھاڑ کر پرزہ پرزہ نہ کر دیا گیا تھا (بحوالہ مشکوٰۃ ص۳۸۵ وقال متفق علیہ) مگر آج دیکھئے ہر گھر صنم کدہ اور بت خانہ بنا ہوا ہے (اِلّا ماشاءَ اللہ)

اور ان محبّوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ہر جگہ موجود اور حاضر ہیں۔ لاحَولَ وَلا قوّۃَ اِلّا باللہ ؎

رشتۂ عمر میں اک اور گرہ ڈال گئے　　دل کو بھی توڑ گئے ناخنِ تدبیر کے ساتھ

قارئین کرام! یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو حکم تھا کہ آپ ناجائز اور بُری مجالس میں قطعاً شریک نہ ہوں۔ اب آپ عام مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنیئے:-

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ

(پ۵، نساء، رکوع ۲۰)

کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیات پر مجرمین کیطرف سے انکار اور ہنسی کرتے سنو تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں ورنہ تم بھی ان جیسے (ظالم) ہو جاؤ گے

قارئین کرام! اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم بردار بندوں کو یہ حکم ہے کہ وہ خلافِ شرع مجالس میں نہ بیٹھیں ورنہ وہ بھی ظالم ہو جائیں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین اور اولیاء اللہ بھی زنا وغیرہ کی بُری مجالس میں قطعاً شریک نہیں ہوتے۔ لیکن نسیمِ مخالف کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ

Marfat.com

بزرگ عورت کے رحم میں نطفہ پڑنے کو بھی دیکھتے ہیں۔ عام اس سے کہ نطفہ حلال کا ہو یا حرام کا۔ لاحول و لاقوۃ۔

قارئین کرام! فریقِ مخالف سے پوچھئے۔ کہ تمہارے نزدیک بزرگ وہی ہوتا ہے جو قرآن کریم کی مخالفت پر کمربستہ ہو؟ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو؟ (العیاذ باللہ) اگر فریقِ مخالف کو قرآنِ کریم اور حدیث سے لاعلمی ہے تو وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے وعظ چھوڑ دے۔ ؎

جاؤ تم عالمِ فرصت کا تماشا دیکھو — چھوڑ دو گردشِ تقدیر کو تقدیر کے ساتھ

جوابِ چہارم:- اگر وَفِيكُمْ رَسُولُهُ سے مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود اور حاضر ہیں تو بتلائیے کہ مختلف قسم کے اور گوناگوں عذاب دنیا میں پہلے بھی اور اب بھی کیوں ظاہر اور نازل ہوتے ہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ — اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے۔

(پ۹، انفال، رکوع ۴)

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعلمین ہیں۔ اس لئے آپ کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آسکتا۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم میں دو آمان تھے جن کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا عذاب نازل نہیں ہوتا تھا۔ ایک آمان تو دنیا سے چلا گیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود تھا۔ اور دوسرا باقی ہے وہ دعا اور استغفار ہے (بمعناہ مستدرک ج ۱ ص ۵۴۲) دیکھئے جب صحابہ کرامؓ نے یہود کی گہری سازش سے متاثر ہو کر لڑائی اور جنگ کی ٹھان لی اور جو عرصہ دراز تک ایک دوسرے سے نبرد آزما اور برسرِ پیکار رہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعہ پر تشریف لے جانے کے بعد ان میں ایسی محبت، رقت اور رأفت طاری ہوئی جس کا عالمِ اسباب میں وہم اور گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا۔ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری اور موجودگی کا ہی اثر تھا۔ مگر آج ایک ہی کلمہ گو کے گھر میں باپ اور بیٹے کی آپس میں نہیں لگتی اور بھائی بھائی کا دشمن ہے مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ کہنا کہ عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آوے (جاء الحق ص ۱۳۴)

سراسر باطل ہے کیونکہ مختلف قسم کے عذاب اب تک نازل ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے اور کوئی باشعور انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ کی برکت سے تمام امت پر بیک وقت عمومی عذاب قیامت تک نہیں آئے گا۔ مگر نفسِ عذاب کا کون انکار کر سکتا ہے! جیسا کہ آنے والی حدیثیں اس کا ثبوت پیش کرتی ہیں۔

ایک اور طرز سے

اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں حاضر ہیں جیسا کہ مخالفین کا گندہ خیال ہے۔ اور جس کی بحث آ رہی ہے تو ثابت ہوا کہ کسی بھی مردہ کو عذابِ قبر نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم آپ کی موجودگی میں سزا نہیں دیا کرتے۔ لیکن مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کافروں اور منافقوں کو تو یقیناً اور بعض گنہگار مسلمانوں کو بھی قبر میں ضرور عذاب ہوتا ہے۔ جب آپ کی موجودگی میں مشرکینِ مکہ عذاب سے بچ گئے جن کے لئے اعلیٰ درجہ کی اتمام حجت ہو چکی تھی اور جنہوں نے آپ کی ایذا رسانی میں بھی کوئی کمی نہیں کی تو دوسرے بیچارے مشرک آپ کی موجودگی میں کیوں عذابِ قبر میں گرفتار ہوں۔ ؎

ہے رشکِ آفتاب عالم بغیر پردہ بلا وسیلہ — وہاں لگائی ہے آنکھ دل نے جہاں جمالِ نظر نہیں ہے

صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۸ میں یہ حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا وجود میرے صحابہؓ کے لئے باعثِ امن ہے۔ جب میں چلا گیا تو صحابہؓ پر مختلف فتنے ظاہر ہو جائیں گے اور میرے صحابہؓ میری امت کے لئے باعثِ امن ہیں۔ جب صحابہؓ دنیا سے چلے جائیں گے تو امت پر فتنوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح صحابہ کرامؓ) کا وجود امت کے لئے باعثِ امن اور رحمت تھا۔ اور ابو داؤد ج ۲ ص ۲۳۲ میں حدیث آئی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت، امتِ مرحومہ ہے۔ آخرت میں اس پر کوئی (سخت) عذاب نہ ہوگا۔

Marfat.com

وعذابها فی الدنیا الفتن و الزلازل والقتل۔

میری اُمت پر دنیا میں مختلف فتنوں اور زلزلوں اور بہتات کے ساتھ قتل کی صورت میں عذاب ہوگا۔

یہ روایت مستدرک ج ۴ ص ۴۴۴ میں بھی مروی ہے۔ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس کی تصحیح کرتے ہیں اب فریق مخالف سے پوچھئے کہ کیا امتِ مرحومہ پر مختلف شکلوں میں ایسے عذاب نہیں آئے۔ کیا مختلف صدیوں میں۔ اندلس، روس، کریٹ، مقدونیہ، بوسینیہ، ہرزی گوینہ، بلغاریہ، رومانیہ، مصر، ترکی، ہندوستان مشرقی پنجاب اور کشمیر وغیرہ میں مسلمانوں پر دلگداز واقعات پیش نہیں آئے اور اب الجزائر اور عمان وغیرہ میں فرانس اور برطانیہ جیسے درندے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں! کیا مسجدوں اور عبادت خانوں کی توہین نہیں ہوئی؛ کیا ہماری مسلمان بہنوں کی عزت اور عصمت پر ہاتھ صاف نہیں ہوئے؛ کونسی وہ مصیبت اور عذاب تھا جو مسلمانوں پر ایک ایک کرکے نہیں ٹوٹا؛ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی تو باعثِ امن اور باعثِ رحمت ہے۔ آپ کا حاضر رہنا تو کافروں سے بھی عذاب ٹال دیتا ہے مگر فریقِ مخالف کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ ایک طرف تو آپ کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے یہ مصائب مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اور دوسری طرف مخالفین کے عقیدہ کی رو سے آپ مختار کل ہو کر اپنی امتِ مرحومہ کو مختلف قسم کے عذابوں اور فتنوں کا تختۂ مشق بناتے رہے (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ چونکہ کسی حکم کا مکلّف اور پابند نہیں ہے۔ لہٰذا اسکی ذات ستودہ صفات پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کیوں اپنی مخلوق کو عذاب دیتا رہتا ہے۔ جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے یہ بیہودہ اعتراض کیا ہے (دیکھئے نعیمی ص ۲۷۹ وغیرہ) پیغمبر اور ولی چونکہ پابند شرع ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر اعتراض ہو سکتا ہے۔

لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کیا جا سکتا ہاں مخلوق سے پوچھا جا سکتا ہے

یہ ہے فریق مخالف کی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین سے محبت اور عقیدت۔ واہ سبحان اللہ! اور ہم لوگ بزعم فریق مخالف گستاخ، بے ادب اور بزرگوں کے منکر ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔ کیا خوب؟

دفاؤں کے ہزاروں دے چکے ہیں امتحاں اب تک
مگر وہ ہیں کہ اس پر بھی ہیں ہم سے بدگماں اب تک

Marfat.com

فریق مخالف کی تیسری دلیل اور اس کا بیان

فریقِ مخالف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر قرآن کریم کے اس جملہ اور فقرہ سے بھی استدلال کیا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ۔ اے نبی کیا تو نے نہیں دیکھا؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ اور خصوصیت سے انبیاء سابقین کے زمانہ میں حاضر و موجود نہ تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیوں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اے نبی کیا تو نے فلاں فلاں پیغمبر اور اس کی قوم کے حالات نہیں دیکھے (جاء الحق ص۱۳۵ وغیرہ)

جواب اوّل :- قارئین کرام! فریقِ مخالف نہ تو کسی بات کو سمجھتا ہے اور نہ سمجھنے کی تکلیف ہی گوارا کرتا ہے۔ کیونکہ سمجھ اور عقل سے کام لینے کے بعد کفر۔ شرک اور بدعت سے بیزار ہو کر توحید اور سنّت کا اقرار کرنا پڑتا ہے، اور یہ سودا فریقِ مخالف کو بھاتا نہیں۔ کہ وہ مختلف قسم کے عرسوں اور ختموں اور گیارہویوں اور مجرب قسم کی دعوتوں سے دست بردار ہو کر سوکھے ٹکڑوں پر گذارہ کر سکے۔ اس لئے آپ خود سمجھنے کی کوشش کریں۔ اَلَمْ تَرَ میں لفظ تَرَ رؤیت سے ماخوذ ہے۔ اب آئیے کہ ہم فن لغت سے اس کے معانی دیکھ لیں۔ کہ رؤیت کے لغت میں کیا کیا معانی مستعمل ہیں ملاحظہ فرمائیے

صراح میں لکھا ہے (ص۵۵۱) رؤیت دیدن بچشم ..... و دانستن

یعنی جس طرح رؤیت کا معنیٰ آنکھوں سے دیکھنا آتا ہے اسی طرح کسی چیز کے جاننے اور معلوم ہو جانے پر بھی عربی میں رؤیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام اللغۃ والادب ابو عبداللہ الحسین بن احمد المعروف بابن خالویہؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں۔

وکل ما فی القرآن من اَلَمْ تَرَ فمعناہ اَلَمْ تُخْبَرْ اَلَمْ تَعْلَمْ لیس من رؤیۃ العین (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ص۷۵)

یعنی جہاں کہیں بھی قرآن کریم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ الم تر۔ تو اس سے آنکھوں کے ساتھ دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے دل کی رؤیت اور علم مراد ہے۔

Marfat.com

اور دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں۔ وکل مافی کتاب اللہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَ فھومن رؤیۃ القلب والعلم لامن رؤیۃ العین (ص ۱۹۱) تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۱ اور معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۱ وغیرہ میں اَلَمْ تَرَ کا معنیٰ یہ لکھا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَم یا محمد باعلامی اِیّاکَ — اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا میرے بتلانے سے آپ کو معلوم نہیں ہوا؟

جب اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جان لیا تو اس پر اَلَمْ تَرَ کا اطلاق ہوا۔ آج بھی آپ ادبار کی عبارات میں پڑھ سکتے ہیں کہ کسی قدیم سے قدیم واقعہ کو تعبیر کرتے وقت وہ لکھتے ہیں۔ وہ دیکھو۔ نگاہ اٹھا کر دیکھو وغیرہ وغیرہ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ بچشم خود دیکھا ہو یا بتلانے سے قبل وہ اس کے علم میں ہو۔

جواب دوم :۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّہٖ — کیا آپ کو معلوم نہیں اس شخص کا قصہ جس نے حضرت ابراہیم سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔

اس آیت میں اَلَمْ تَرَ کا جملہ موجود ہے فریق مخالف کی منطق کی رُو سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی حاضر و ناظر تھے۔ آپ مخالفین کی اس خانہ ساز منطق کو ذہن میں رکھ کر ذیل کے واقعات بغور ملاحظہ فرمائیے جو قرآن میں مذکور ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاقہ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس قیام کے واقعات بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا کُنْتَ ثَاوِیًا فِیْ اَھْلِ مَدْیَنَ (پ ۲۰) — اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں

(۲) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے حالات بتلانے کے بعد فرماتا ہے کہ۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ — یہ خبریں ہیں غیب کی ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اسے

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ

(پ ۱۳ ۔ یوسف ۔ رکوع ۱۱)

تو نہ تھا ان کے پاس جب انہوں نے اپنے ایک کام میں اتفاق کر لیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سُنا کر ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ

(پ ۲۰ ۔ قصص رکوع ۵)

اور تو نہ تھا (طور کے) مغربی کنارہ پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم بھیجا۔ اور نہ تھا تو دیکھتا۔

(۴) حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کا انتقال ہو چکا۔ تو ان کی سرپرستی اور کفالت کے بارے میں لوگوں نے باہم جھگڑا کیا۔ نتیجہ قرعہ اندازی میں قلم ڈالنے پہ ختم ہوا۔ اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۔

(پ ۳ ، آل عمران ، رکوع ۵)

یہ غیب کی خبریں ہیں ہم بھیجتے ہیں تجھ کو۔ اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پالے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔

قارئین کرام! اگر اَلَمْ تَرَ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام (وغیرہ) کے عہد میں حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت شعیبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت زکریا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود ہونے اور غیر حاضر ہونے کا مذکورہ بالا آیات سے کیوں ثبوت ملتا ہے؟ اور صاف ارشاد ہوتا ہے کہ آپ نہ تو مدین میں موجود تھے۔ اور نہ طور پر اور وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ نہ تھا تو شاہد اور حاضر۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کے وقت اور زمانہ میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ آپ موجود نہ تھے۔ طالب علم خوب جانتے ہیں کہ ان اکابر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ پہلے گذرا ہے۔ تو اگر اَلَمْ تَرَ سے مراد یہ ہو کہ آپ حاضر و ناظر ہیں تو وہ آیت جو ہم ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں

Marfat.com

کہ "کیا آپ نے دیکھا نہیں اس شخص کو جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا"۔ اس سے ثابت ہوگا۔ کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں حاضر و ناظر تھے اور بعد کی پیش کردہ آیات سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ حاضر و ناظر نہ تھے۔ تو قرآن کریم کی آیات آپس میں ٹکرا کر بازیچۂ اطفال بن جائیں گی (نعوذ باللہ) اور یہ خرابی اسی صورت میں پیش آتی ہے جب کہ اَلَمْ تَرَ سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا مراد ہو۔ مفتی احمد یار خان صاحب نے ان آیات کے جواب میں یوں گلو خلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ۔ ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے۔ ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے۔ اس جسدِ عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان کے واقعات کو مشاہدہ فرمانا اور۔ (جاء الحق ص۱۵۴) مگر مفتی صاحب ہی ازراہِ دیانت اور انصاف یہ فرمائیں کہ ان آیات میں یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے۔ جسم پاک اور جسدِ عنصری کے الفاظ قرآن کی خالص تحریف اور سفید جھوٹ ہے جس سے یہود بے بہبود بھی شرما جائیں۔ مفتی صاحب کو شرم نہ آئے تو الگ بات ہے۔ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات کا معنیٰ اور مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود تھے اور نہ آپ کو ان واقعات کا علم تھا اور نہ مشاہدہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتلا دیئے تو آپ کو ان کا علم ہو گیا۔

جواب سوم :۔ اگر جملہ اَلَمْ تَرَ سے مراد حاضر و ناظر ہو تو لازم آئے گا۔ کہ تمام انسان مومن ہوں یا کافر بوڑھے ہوں یا جوان، مرد ہوں یا عورتیں سب حاضر و ناظر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ (پ۲۹، نوح، رکوع ۱)

اے انسانو! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے۔

اس آیت میں تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اَلَمْ تَرَوْا سے خطاب کیا ہے حالانکہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے تھے اس وقت تو انسانوں کا وجود بھی نہ تھا۔ نیز آسمان دنیا (اوّل) کے سوا دوسرے آسمانوں کو ہر انسان نے کب دیکھا ہے؟ لیکن خطاب اَلَمْ تَرَوْا سے ہو رہا ہے دوسرے مقام پر

Marfat.com

یوں ارشاد ہوتا ہے :-

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا مِنْ قَبْلِھِمْ مِنْ قَرْنٍ

الآیۃ : (پ ۷ - انعام - رکوع ۱)

کیا ان لوگوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنے زمانے ہلاک کر دیئے ہیں۔

اگر رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے تو ثابت ہوگا کہ کافر اور مشرک بھی پہلے زمانے میں حاضر و ناظر تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر خطاب کیا ہے۔ قارئین کرام! آپ نے فریقِ مخالف کا استدلال اور اس کے جوابات ملاحظہ فرمالئے۔ اب انصاف کو دل میں جگہ دے کر حق چیز کو قبول فرمائیے ؎

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

فریق مخالف کی چوتھی دلیل اور اس کا بطلان

فریقِ مخالف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے اور ہر ایک کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہونے پر (بلکہ عرض تمام اعمال کے لئے بھی) قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی ہے۔

یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْھِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰہُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَ رَسُوْلُہٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

(پ ۱۱ - توبہ - رکوع ۱۲)

وہ لوگ بہانے کریں گے تمہارے سامنے جب تم ان کی طرف واپس آؤ گے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دینا مت بہانے بناؤ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو اللہ تعالیٰ تمہارے احوال بتا چکا ہے اور ابھی دیکھیگا اللہ تعالیٰ تمہارے عمل اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف سو وہ بتائیگا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔

مخالفین کا کہنا ہے کہ وَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ (کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھے گا اور اس کا رسول) سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے تمام اعمال کا معائنہ کرتے اور ان کو دیکھتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر اور جمیع ما کان و ما یکون کے عالم تھے۔

(دیکھئے مقیاس الحنفیت ص ۲۶۹ اور تسکین الخواطر ص ۱۳ وغیرہ)

Marfat.com

جواب :- یہ استدلال بھی باطل اور مردود ہے۔ اوّلاً اس لئے اگر سرسری طور پر اس آیت کا شانِ نزول ہی دیکھ لیا جائے تو اس سے ہی استدلال کی خامی واضح ہو جاتی ہے۔ قصّہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک میں (جو رومیوں کی مسلح افواج سے عرب کی سرزمین کی آخری سرحد پر عین فصل کی کٹائی اور سخت گرمی کے موسم میں پیش آیا تھا) کچھ منافقوں نے جھوٹے حیلے اور بہانے کئے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرلی، آپ نے اُن کو یہ سمجھتے ہوئے اجازت دیدی کہ واقعی یہ لوگ معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ۔

(پ۱۰، توبہ، رکوع ۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ہے (مگر) کیوں رخصت دی: آپ نے ان کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ پر سچ کہنے والے اور جان لیتے آپ جھوٹوں کو۔

یعنی آپ نے عجلت سے کام لیا ہے۔ وہ منافق کسی صورت میں آپ کے ساتھ جانے کو ہرگز تیار نہ تھے اگر آپ اجازت نہ دیتے تو خود بخود ان کا نفاق کھل جاتا، اور ان کے عمل اور کاروائی سے آپ اُن کا جھوٹ معلوم کر لیتے۔ اب وہ آپ کی اجازت کو بہانہ اور آڑ بناتے ہیں۔ لیکن بہرحال اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ہے اور کچھ منافق ایسے تھے جنہوں نے آپ کی روانگی کے وقت آپ سے اجازت طلب کرنی ضروری نہ سمجھی اس خیال سے کہ رومیوں کی مسلح افواج سے بچ کر یہ کیونکر واپس آسکتے ہیں لہذا ہمیں خواہ مخواہ اجازت طلب کرنے کی کیا حاجت ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم تقریباً چالیس ہزار فوج کے ساتھ وہاں (تبوک کے مقام پر) پہنچے تو عیسائی مرعوب ہو گئے اور لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی۔ جب آپ کی واپسی کا علم ان منافقین کو ہوا تو ان کے طوطے اڑ گئے، اور انہوں نے غلط اور باطل حیلے کرنے کا مشورہ طے کر لیا، اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت (بلکہ اس کے بعد کی کئی آیات) نازل کی اور فرمایا کہ جب تم مدینہ طیبہ واپس جاؤ گے تو یہ لوگ اعذارِ باطلہ پیش کریں گے تاکہ آپ کو مطمئن کیا جا سکے آپ ان سے کہہ دیں۔ جھوٹی باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ تمہارے سب اعذار لغو اور بے کار ہیں۔ کیونکہ ہم کو حق تعالےٰ تمہارے کذب اور نفاق پر مطلع کر چکا ہے۔ پھر کس طرح ہم تمہاری ان لغویات کو باور کر سکتے ہیں۔ اب

پچھلے قصّہ کو چھوڑو آئندہ تمہارا طرزِ عمل دیکھا جائیگا۔ کہ اپنے دعوے کو کہانتک نبا ہتے ہو۔ سب سچ جھوٹ ظاہر ہوکر رہیگا۔ اور پھر ایسا وقت آئیگا کہ تم عالم الغیب والشہادۃ کے پاس پیش کئے جاؤگے جس سے کوئی ملّہ اور عمل یا نیت پوشیدہ نہیں ہے۔ الحاصل اس مضمون سے یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ان باطل اعذار پیش کرنے والے منافقین کی ظاہری کاروائی اور طرزِ عمل کو دیکھنا مراد ہے۔ اور باطنی راز اور بھید کا جاننا یا تمام امت کے اعمال کو دیکھنا صرف علیم بذاتِ الصدور کا خاصہ ہے جیسا کہ خود اسی آیت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ و ثانیاً[۲] اگر اس آیت میں رؤیت سے بصری رؤیت مراد ہو۔ اور وہ بھی تمام امت کے لئے تو لازم آئے گا کہ جملہ مومن بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہوں۔ اور تمام امت کے ظاہر اور باطن سے آگاہ ہوں۔ چنانچہ اسی پارہ اور اسی سورت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(پ۱۱ - توبہ - رکوع ۱۲)

اور آپ ان سے فرما دیجئے۔ عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھ لیگا اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو اور اس کا رسول اور مومن اور تم لوٹائے جاؤگے اس کے پاس جو تمام کھلی اور چھپی چیزوں سے واقف ہے پھر وہ جتادے گا تم کو جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس آیت میں اس کا صاف اور صریح حکم موجود ہے کہ ان لوگوں کے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے علاوہ مومن بھی دیکھ لیں گے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہو (اور یقیناً ہے بھی صرف یہی) کہ آگے دیکھا جائیگا کہ تم کہاں تک صدق و استقامت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہو اگر اس غزوہ میں غیر حاضری کا قصور ہوا تو آئندہ اور جہاد ہونگے۔ جناب پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اور خلفاءِ راشدینؓ اور دیگر مومنوں کے سامنے تمہارے اس دعویٰ کی حقیقت کھل جائے گی۔ کہ تم کس درجہ کے مسلمان اور مجاہد ہو اور تحریک جہاد میں شریک ہونے کی تڑپ رکھتے ہو۔ پھر عالم الغیب والشہادۃ کے یہاں تو ہر عمل کا بدلہ مل کر رہیگا۔ تو اس سے فریقِ مخالف کا استدلال باطل ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ اس رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے اور تمام امت کے ظاہر و باطن پر حاوی ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ تمام مومن بھی حاضر و ناظر ہوں۔ اور جو شخص ہر جگہ ان کو حاضر و ناظر تسلیم نہ کرے تو وہ نصِّ قرآنی کا منکر اور کافر ہے۔ کیا فریقِ مخالف کا یہی عقیدہ ہے؟ مولوی

Marfat.com

محمد عمر صاحب تو لکھتے ہیں کہ اولیاء کرام بھی دیکھیں گے۔ تمہارے تمام اعمال کو (مقیاس ص۲۶۹)۔ اگر یہی عقیدہ ہے تو جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور عام مومنوں میں اس صفت کے لحاظ سے تو کوئی فرق نہ ہوا۔ کیا فریقِ مخالف خود بھی مومن ہے یا نہیں؟ اگر مومن ہے تو وہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ اس صفت میں برابر ہوگیا۔ تو پھر جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فوقیت اور مزیّت کیا باقی رہی (العیاذ باللہ) اگر فریقِ مخالف مومن ہے اور اسکا خود اپنے متعلق حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ ہے تو ذرا اجازت مرحمت فرمائے کہ ہم اُن کا امتحان کرلیں کہ وہ کیسے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تاکہ اس کو بھی عِنْدَ الامتحان یُکرم الرّجل اویھُن کا لطف آجائے۔ وثالثاً۔ ان آیتوں کا شانِ نزول اور سیاق و سباق منافقوں کے بارے میں متعین ہے۔ اگر سَیَرَی سے رویت بصری (اور حاضر و ناظر ہونا) مراد ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ آپ (اور دیگر مومن بھی) صرف منافقوں کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ اس سے مومنوں کے اعمال کا دیکھنا یا کھلے طور پر کافروں کے اعمال کا دیکھنا یا مسلمانوں کے علاوہ دیگر حیوانات اور جمادات و نباتات وغیرہ کا دیکھنا تو ہرگز ثابت نہ ہوگا اور فریقِ مخالف کا دعویٰ عموم کا ہے۔ اور خدا کے باغیوں اور کافروں کے جاسوسوں کی کڑی نگرانی کی جائے تو قرینِ قیاس بھی ہے۔ مخلص مسلمانوں کے اعمال کی کڑی نگرانی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے اگر فریقِ مخالف کے اعمال کو جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور دیگر مومن دیکھتے ہیں۔ اور ان کی کڑی نگرانی کرتے ہیں۔ تو ہوسکتا ہے۔ مگر اس سے آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرنا اور ہر ایک مخلص مومن کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہونے پر احتجاج کرنا باطل ہے اور مخلص و وفادار مسلمانوں کی نگرانی کا کوئی مطلب بھی نہیں ہے۔ ورابعاً یہی وہ آیت ہے جس سے شیعہ حضرات نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور دیگر ائمہ کے ہاں امت کے سب اعمال پیش ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے اصول کافی باب عرض الاعمال علی النبیّ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم و الائمۃ۔ کتاب الحجۃ جزء ۳ ص۱۳۹ مع الصافی طبع نولکشور) درحقیقت عرض سب پر جملہ اعمال شیعہ کا مسلک ہے۔ مگر افسوس کہ خود کو سُنّی کہلانے والے بھی اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں! وخامساً۔ پہلے لُغت کے حوالہ سے یہ نقل کیا جاچکا ہے کہ رویت کا معنیٰ دانستن بھی آتے ہیں۔ اور وحی کے ذریعہ سے علم حق ہے اور یہی جملہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ مگر فریقِ مخالف

ہے کہ جو شیعہ وغیرہ باطل فرقوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ حیف بر حیف ہے اس حق پرستی پر ؎

یہ مدعیٔ اسلام تو ہیں ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے — تقویٰ کی وہ بُو ہی ان میں نہیں وہ رنگ نہیں ایمانوں کے

فریقِ مخالف کی پانچویں دلیل اور اس کی تردید

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعلمین کا لقب عطا فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ — اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

(پ ۱۷ - الانبیاء - رکوع ۷)

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے :

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ — بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے۔ نیک کام کرنے والوں سے۔

(پ ۸ ، اعراف ، رکوع ۸)

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ — یعنی میری رحمت تمام چیزوں کو وسیع ہے۔

مخالفین کا کہنا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں تو ہر ایک کے (اور کم از کم مسلمانوں کے) قریب ہیں۔ لہذا آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ٹھہرے (دیکھئے مقیاس حنفیت ص ۲۹۶ وجاء الحق ص ۱۳۴ وغیرہ)

جواب :- یہ استدلال و احتجاج بھی بے کار اور بے حقیقت ہے۔

اوّلاً : اس لیئے کہ بلاشک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کی اصلاح و فلاح کے لئے بھیجا ہے اور آپ کا رسول بنا کر بھیجنا خدا تعالیٰ کی تمام جہانوں پر رحمت کرنا ہے۔ اس لئے کہ رَحْمَةً "مفعول لہٗ" ہے اور اس کا اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہی ہوتا ہے (دیکھئے متن متین وغیرہ) مولوی محمد عمر صاحب نے گرائمر سے ناواقفی کی بنا پر اس آیت کا معنیٰ کرتے ہوئے جو جو تحریفات کی ہیں وہ قابل دید ہیں (دیکھئے مقیاس حنفیت ص ۲۹۶) تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ ہمارا بھیجنا تمام جہانوں پر

Marfat.com

اپنی رحمت کرنا ہے اور آپ کا دین اور شریعت و نظام اور قانون ایسا جامع اور مانع، مفید اور سہل ہے۔ کہ تمام جہان والے اس سے مستفیض و مستفید ہو سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ حیوانات اور اڑتے جانوروں کی خیر خواہی کے لئے بھی احادیث میں صریح ارشادات موجود ہیں۔ اور جن سے آپ کا عمومی معنیٰ میں رحمت للعلمین ہونا آسانی سے سمجھ آسکتا ہے اور یہی ہمارا دین و ایمان ہے اور جہاد کا مجموعۂ عالم کے لئے رحمت ہونا بھی ظاہر ہے۔ کسی ماؤف اور زہر آلود عضو کو کاٹ کر پھینک دینا یقیناً اعضاء کے لئے رحمت ہی ہوگی۔ لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا مصداق اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ مثلاً بارش پر رحمت کا اطلاق ہوا ہے :-

بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ (پ۱۹، نمل ع۷) سختی اور تکلیف کے بعد جو چین اور آرام حاصل ہوتا ہے وہ بھی رحمت ہے۔ ثُمَّ اِذَا اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً الآیۃ (پ ۲۱، روم، ع۴) بیوی اور خاوند کے درمیان جو اُلفت اور محبت ہوتی ہے اس پر بھی رحمت کا اطلاق ہوا ہے۔ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (پ۲۱ روم، ع۳) حضرت خضر علیہ السلام وغیرہ کو جو کرامات وغیرہ عطا ہوئی تھیں ان پر بھی رحمت کا لفظ بولا گیا ہے وَاٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا - الآیۃ (پ۱۵، کہف، ع۹) دنیا و آخرت میں روحانی اور جسمانی طور پر خدا تعالیٰ کی جو نوازشیں ہوتی ہیں وہ بھی رحمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کے امیدوار ہوتے ہیں۔ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ (پ۱۵، بنی اسرائیل، ع۶) قذف اور بدکاری کی تہمت سے برأت پر بھی خدا کی رحمت کا اطلاق وارد ہوا ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا۔ (پ۱۸، النور، ع۳) اس کے علاوہ اولاد، عزت، مرتبہ، دین، ایمان اور تمام نیک کام خدا کی رحمت ہی ہیں۔ اور یہ خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو اور ان کی برکت سے غیروں کو ملتے ہیں (اور درحقیقت زمین و آسمان کا نظام ہی نیکی اور نیک بندوں سے قائم ہے۔ ورنہ آناً فاناً یہ سب کچھ تباہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ قیامت بھی صرف ان لوگوں پر آئے گی جن میں ایک بھی خدا تعالیٰ کی توحید خالص کا اقرار کرنے والا نہ ہوگا۔ (دیکھئے مستدرک ج ۴ ص۴۹۴ وغیرہ) البتہ خدا تعالیٰ کی غیر متناہی اور غیر محدود بے پایاں رحمت کو صرف ایک ہی رحمت میں (گو وہ اپنے مقام پر بہت ہی بڑی رحمت ہے) منحصر سمجھنا خدا تعالیٰ کی جلالتِ شان

سے عقیدت نہیں بلکہ کھلی بغاوت ہے۔

وثانیاً: اگر اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ سے جناب رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں تو دنیا میں اور خاص طور پر مومنوں پر خدا تعالیٰ کے عذاب کیوں آئے؟ کیا دو متضاد چیزیں بیک وقت جمع ہو سکتی ہیں؟ کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی قوم پر خدا کا عذاب بھی نازل ہو اور اس کی رحمت بھی ان میں موجود ہو۔

وثالثاً اگر بالفرض اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی مراد ہے تو آپ صرف مُحْسِنِیْنَ کے لئے حاضر و ناظر ہوں گے (اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جمادات و نباتات و حیوانات کا تو قصہ ہی چھوڑیئے۔ عام انسانوں سے مسلم کا اور مسلم سے مؤمن کا مفہوم خاص ہے اور محسن کا مفہوم تو خاص الخاص ہے اور مؤمنوں میں بھی مُحْسِنِیْنَ معدودے چند افراد ہی ہوتے ہیں اور اس پُرفتن دور میں تو مؤمن ہونا بھی مشکل تر بات ہے) کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت (جو بقول مخالفین اس آیت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں) مُحْسِنِیْنَ سے قریب ہے تو آپ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا باطل ہوا۔ فریق مخالف کو چاہئے کہ وہ ہر آن، ہر مکان اور ہر ایک کا قصہ ہی فراموش کر دے اور صرف یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مُحْسِنِیْنَ کے لئے حاضر و ناظر ہیں۔ شرط یہ ہے کہ وہ مُحْسِنِیْنَ بھی گندی اور ناپاک خلاف شرع مجالس میں موجود نہ ہوں کیونکہ ایسے مواقع پر آپ کو حاضر ہونے کی قرآن کریم سے مطلقاً اجازت ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ تفصیلاً آپ پڑھ چکے ہیں۔ باقی رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت مراد ہے اور خاصہ خداوندی میں تعمیم ظاہر ہے اور رَحْمَتِیْ میں اضافت اس کی دلیل ہے جس کے دل میں ذرا سی خوف خدا ہوگا اور خدا تعالیٰ اور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور محبت ہوگی وہ یقیناً ان دلائل کے سامنے گردن جھکا دے گا۔ ؎

دل میں اگر حضور ہو سر تیرا خم ضرور ہو
جس کا نہ کچھ ظہور ہو عشق وہ عشق ہی نہیں

Marfat.com

فریق مخالف کی چھٹی دلیل اور اس کی حقیقت

صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ قبر میں فرشتے میت سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ:

ما کنت تقول فِی ھٰذا الرّجل — تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے۔ مومن جواب فاما المؤمن فیقول اشھد انہ عبدہ ورسولہ۔ — دے گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ لفظ ھٰذا اشارہ قریب کے لئے ہوتا ہے۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں ہر میت کے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ فرض کرو کہ بسیطۂ زمین کے طول و عرض میں دس لاکھ انسان ایک ہی وقت میں وفات پاتے ہیں اور ان سے اس حدیث کے پیش نظر قبور میں ھٰذا الرّجل سے سوال ہونا ہے تو آپ ایک ہی وقت میں خدا جانے کتنے مقامات پر حاضر ہو جاتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ (دیکھئے مقیاس حنفیت ص۲۷۶ و جاء الحق ص۱۳۶ وغیرہ) قارئین کرام نے مخالفین کا استدلال تو ملاحظہ کر لیا ہے۔ اب اس کے جوابات بھی سنئے:۔

جواب اوّل:۔ جب کوئی آدمی یا مقام یا کوئی بھی چیز مشہور و معروف ہو یا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو تو اس کو حاضر کے ساتھ تعبیر کرنا جائز اور صحیح ہے۔ اگرچہ وہ پاس حاضر اور موجود نہ بھی ہو۔ اور گو یہ استعمال استعمال عام کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے۔ لیکن ہے ضرور۔

ویجوز علی قلۃٍ لفظ الحاضر نحو — یعنی کبھی کبھی حاضر کے لفظ سے غائب کو تعبیر کیا جاتا ہے جیسے قاتل ھٰذا الرّجل وان کان غائبًا — کہتے ہیں جھگڑا کیا اس شخص نے اگرچہ وہ شخص غائب ہو کیوں نہ ہو۔ مگر غائب کو ھٰذا سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔ (مطول ص۱۳۱)

آپ اگر اس قاعدہ کو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پرکھنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل احادیث کا بغور مطالعہ فرمائیے۔

(۱) بخاری ج ۱ ص۴ اور مسلم ج ۲ ص۹۷ میں مروی ہے کہ ہرقل (بادشاہ) روم نے شہر دمشق میں حضرت ابو سفیانؓ سے جب کہ آپ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق سوال کیا تھا۔

ایکم اقرب نسبا بهذا الرجل (الی قولہ) فی سائل عن هذا الرجل۔

تم میں سے اس شخص کا زیادہ قریبی کون ہے میں اس شخص کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھنے والا چونکہ عیسائی بادشاہ تھا، اور مخالفین کی اُلٹی گنگا کے رُو سے حاضر و ناظر کا عقیدہ مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ کافروں کا نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ تو یقینی بات ہے کہ ہرقل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہیں مانتا تھا۔ فریقِ مخالف کو تو عرسوں اور دیگر بدعات سے کب فرصت ملتی ہے کہ وہ تاریخ اور جغرافیہ سے بھی واقف ہوں۔ البتہ سکول کے مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ مدینہ طیبہ سے دمشق تک ۱۳۰۲ کلومیٹر (یعنی ۸۱۰ میل انگریزی) کی مسافت ہے لیکن ۸۱۰ میل کی مسافت پر ہرقل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو هذا الرجل سے تعبیر کرتا ہے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو پاس حاضر تھے اور نہ ہرقل کا یہ عقیدہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ اس نے کبھی آپ کی صورت مبارک دیکھی تھی۔

(۲) بخاری ج ۱ ص۴۹ میں ایک حدیث آتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مشرکہ عورت کہیں دور سے جاکر اونٹ پر پانی لایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ ایک خاص وجہ سے دیر ہو گئی۔ گھر والوں نے پوچھا کہ تم نے کیوں دیر کی ہے تو اس عورت نے جواب دیا:۔

لقینی رجلان فذهبا بی الی هذا الرجل الذی یقال له الصابی

مجھ سے دو آدمی ملے اور وہ مجھے اس شخص کی طرف لے گئے جس کو صابی (بے دین) کہا جاتا ہے (العیاذ باللہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود نہ تھے۔ بلکہ کوسوں دور تھے۔ اور عورت مشرکہ تھی جس کا عقیدہ حاضر و ناظر کا ہو نہیں سکتا تھا۔ لیکن آپ کی عدم موجودگی میں وہ آپ کو هذا الرجل سے تعبیر کرتی ہے

(۳) صحیح بخاری ج ۱ ص۳۷۹ میں ایک طویل حدیث مروی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں بدیل بن ورقاء مشرکین مکہ کی طرف سے شرائط صلح طے کرنے کے لئے سفارت پر آیا اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلّم سے گفتگو کر کے واپس مکّہ مکرمہ پہنچا۔

فانطلق حتّٰی اتی قریشا قال

انا قد جئناکم من عند ھٰذا الرجل

جب قریش مکہ کے پاس گیا۔ تو کہنے لگا۔ ہم تمہارے پاس اس شخص کے پاس سے آئے ہیں۔

دیکھئے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مکہ مکرمہ سے کئی میل دور حدیبیہ کے مقام پر مقیم تھے۔ اور بدیل مکہ میں قریش کے سامنے ھٰذا الرجل سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تعبیر کرتا ہے۔ حاضر و ناظر کا عقیدہ تو مخالفین کے نزدیک اس کا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ تھا وہ مشرک۔

(۴) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴۴ اور مسلم ج ۲ ص ۲۹۷ میں ایک حدیث آتی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت اور نبوت کا چرچا دُور دُور تک پہنچا تو حضرت ابوذر غفاریؓ نے اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لئے روانہ کرتے وقت فرمایا۔

ارکب الی ھٰذا الوادی فاعلم لی

سوار ہو کر اس وادی (یعنی مکہ مکرمہ) کو جاؤ اور مجھے واپسی

علم ھٰذا الرجل

پر اس شخص کے حالات سے آگاہ کرو۔

عرب کا قدیم جغرافیہ ذرا اٹھا کر دیکھئے کہ قبیلہ غفار مکہ مکرّمہ سے کتنی دور آباد تھا۔ اور چونکہ اس وقت تک ابوذرؓ مسلمان نہ تھے اس لئے بقول مخالفین ان کا عقیدہ حاضر و ناظر کا نہیں تھا۔ لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو وہ ھٰذا الرجل سے تعبیر کرتے ہیں، اور لطف یہ کہ مکہ مکرمہ کو بھی ھٰذا الوادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیا بعید ہے کہ مخالفین یہ فرما دیں کہ مکہ مکرّمہ بھی حاضر و ناظر تھا۔ کیونکہ حضرت ابوذر نے اس کو بھی ھٰذا الوادی سے تعبیر کیا ہے۔ بلکہ مفتی احمد یار خان صاحب نے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر استدلال کرتے ہوئے اور فقہاء کرامؒ کی عبارتوں کو نہ سمجھتے ہوئے طی الارض کے مسئلہ سے نیز شامیؒ کے اس قول اور نقل سے کہ کعبہ بھی بعض اولیاء کی زیارت کر سکتا ہے یہ لکھا ہے کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی بعض اولیاء کی زیارت کرنے کے لئے عالم میں چکر لگاتا ہے۔ (جاء الحق ص ۱۴۶) مگر مفتی صاحب نے اس پر غور نہ کیا کہ کعبہ معظمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی زیارت کے لئے تو مدینہ طیبہ نہ گیا اور وہاں کا چکر نہ لگایا۔ بلکہ خود ان کو تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کر کے کعبہ معظمہ کی زیارت کے لئے آنا پڑا پھر اور کون ہوگا جس کے لئے کعبہ عالم

Marfat.com

میں چکر لگاتا پھرتا ہے ۔ کرامت اولیاءؒ حق ہے مگر اس کا معتبر اور مستند ثبوت درکار ہے۔ ایسے مسائل میں محض کسی کتاب میں حوالہ موجود ہونے کا نام ہرگز ثبوت نہیں ہوتا یہ بات بالکل بے اصل اور بلا دلیل ہے جو قابل التفات ہی نہیں ہے ۔ باقی لغزشوں کا اور مسائل میں خطارِ اجتہادی کا نام دلیل اور ثبوت نہیں ہے.

علامہ صدرالدین علی بن محمد الدستقی الحنفیؒ المتوفی ۷۴۶ھ زیادقہ اور اُن کے کچھ باطل عقائد بیان کرتے ہوئے یہ حکم صادر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہئے چند باطل عقائد بمع اس مذکور حکم کے گنوا کر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ ۔

وکذا من یقول بان الکعبۃ تطوف برجال منھم حیث کانوا فھلا خرجت الکعبۃ الی الحدیبیۃ نظافت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین اُحصر عنھا وھو یودّ منھا نظرۃً۔ (شرح عقیدۃ الطحاوی ص۲۳۶ طبع مصر)

اور یہی حکم ہے ہر اُس شخص کا جو یہ کہتا ہے کہ کعبہ اولیاء اللہ کا طواف کرتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اگر یہ نظریہ درست ہے تو کعبۃ اللہ نے حدیبیہ کے مقام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف کیوں نہ کیا ؟ جس وقت مشرکین نے آپ کو طواف کرنے سے روکا تھا جبکہ (آپ سردار اولیاء ہیں اور) آپ کعبہ کو دیکھنے کے سخت مشتاق تھے ۔

یہ عبارت مفتی احمد یار خان صاحب کو ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار پڑھنی چاہئے کہ علم عقائد کے مسلم امام اور لطف یہ کہ وہ بھی حنفی کیا کہہ گئے ہیں ؟ اور کیا مفتی صاحب کو پناہ لینے کے لئے کوئی اوٹ ملتی ہے! سچ ہے کہ ۔

ع ۔ صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

(۵) صحیح بخاری ج ۲ ص۶۱۵ میں مروی ہے ۔ حضرت عمرو بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے ایک چشمہ پر رہتے تھے ۔ لوگ کثرت سے وہاں آتے جاتے تھے ۔ ہم ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر اس وقت بھی لوگوں سے یہ پوچھا کرتے تھے کہ ۔

ماللناس ماھٰذا الرجل

اہلِ عرب کا اور اس شخص کا کیا رویہ ہے ۔

ھٰذا الرجل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال ہے مگر آپ وہاں حاضر نہ تھے

Marfat.com

اور مخالفین کے نزدیک کافروں کا یہ عقیدہ بھی نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ آپ کو حاضر و ناظر تسلیم کرتے۔

(۶) صحیح مسلم ج ۱ ص۱۴۳ اور صحیح ابو عوانہ ج ۱ ص۳۱۲ میں مروی ہے کہ یہود ایام حیض میں نہ تو اپنی عورتوں کو گھروں میں چھوڑتے اور نہ ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، حیض کے دنوں میں جماع کے بغیر سب کچھ جائز ہے۔

فبلغ ذالك اليهود فقالوا ما يريد هذا الرجل (الحديث)

جب یہ بات یہود کو پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو ہماری مخالفت پر ہی تلا ہوا ہے۔

اس حدیث میں فبلغ ذالك اليهود کا جملہ اس معنیٰ کو متعین کرتا ہے کہ یہود آپ کے پاس موجود نہ تھے۔ اور نہ آپ ان کے پاس موجود تھے اور یہود کا عقیدہ بھی حاضر و ناظر کا نہیں ہو سکتا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ هذا الرجل سے تعبیر کرتے ہیں۔

قارئین کرام اگر ہم اس قسم کی حدیثیں پیش کرنا چاہیں۔ تو یقیناً آپ اکتا جائیں گے لیکن ہم اس سے بھی چند قدم آگے چلتے ہیں، اور یہ دعوے کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی صالحین اور نیک بندوں کی عدم موجودگی میں ان کو لفظ هذا سے تعبیر کیا گیا ہے ملاحظہ کریں۔

(۱) بخاری ج ۲ ص۷۴۶ اور مسلم ج ۱ ص۲۹ میں ایک طویل حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی اعرابی اور دیہاتی کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور چند سوالات کر کے چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ اس کو میرے پاس لے آؤ۔ صحابہ کرامؓ اس کو واپس لانے کے لئے گئے

فلم يروا شيئاً فقال هذا جبرائيل

مگر کچھ بھی نہ نظر آیا۔ تو آپ نے فرمایا یہ تو جبرائیلؑ تھے۔

حضرت جبرائیلؑ نہ تو سامنے موجود تھے اور نہ صحابہ کرامؓ کو تلاش کرنے پر مل ہی سکے تھے لیکن آپ هذا جبرائیل سے ایک غائب ہستی کو تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری ج ۱ ص۹ میں مروی ہے کہ حضرت احنف بن قیسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت علیؓ کی مدد کرنے کے ارادہ سے چل پڑا۔ راستہ میں حضرت ابو بکرہؓ ملے۔ اور کہنے لگے کہاں جاتے ہو؟

Marfat.com

فقلت انصر هذا الرجل — میں نے کہا میں اس شخص (یعنی حضرت علیؓ) کی مدد کرنے جا رہا ہوں۔

اس حدیث میں حضرت علیؓ کو هذا الرجل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ کوسوں دُور تھے۔

(۳) صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۳ میں ہے۔ کہ حضرت امیر معاویہؓ نے علاقہ شام سے عبدالرحمن بن سمرہؓ اور عبداللہ بن عامرؓ کو مدینہ طیبہ حضرت حسنؓ کے پاس سفارت کے سلسلہ میں بھیجا اور فرمایا۔

اذهبا الى هذا الرجل — دونوں اس شخص کے پاس جاؤ۔

حضرت حسنؓ پاس موجود نہیں تھے۔ شام اور مدینہ کی درمیانی مسافت کا پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن معہذا حضرت امیر معاویہؓ حضرت حسنؓ کو هذا الرجل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس قسم کی بھی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ لیکن ہم اس سے بھی ترقی کر کے کہتے ہیں۔ کہ کافروں اور فاجروں کو بھی ان کی غیر حاضری اور عدم موجودگی میں لفظ هذا سے تعبیر کیا گیا ہے ذیل کے دلائل ملاحظہ کیجئے۔

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳ اور مسلم ج ۱ ص ۳۲ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سنہ ۹ھ میں قبیلہ عبدالقیس کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جس نے آپ کے سامنے یہ شکایت پیش کی کہ

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ هذا الحي من كفار مضر — ہمارے اور آپ کے درمیان مضر کا یہ قبیلہ ہے۔

ہم ہر وقت آپ کے پاس نہیں آ سکتے لہذا ہمیں اصولِ دین سے اچھی طرح روشناس کر دیجئے ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھئے کہ قبیلہ مضر کی آبادیاں مدینہ سے کتنی دور آباد تھیں۔ لیکن تعبیر کرنے والے مدینہ میں اتنے دُور بسنے والے قبیلہ کو هذا الحي سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاید فریق مخالف کے نزدیک یہ قبیلہ بھی حاضر و ناظر ہو گا؟۔

(۲) بخاری ج ۱ ص ۴۷۴ اور مسلم ج ۲ ص ۲۶۶ میں حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ حضرت سارہؓ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ ظالم اور جابر بادشاہ کے علاقہ سے گزرے۔ حضرت سارہؓ کے حسن و جمال کا ذکر اس ظالم اور جابر بادشاہ کے پاس کسی نے کر دیا تھا۔ بادشاہ کے

Marfat.com

دربار میں تنہا صرف ابراہیمؑ بلائے گئے اور پوچھا گیا۔ بی بی کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میری (دینی) بہن ہے کیونکہ اس مجرم کا یہ طریقہ تھا کہ خاوند والی بی بی کو اس کے خاوند کو قتل کئے بغیر اپنے استعمال میں نہیں لاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ واپس آئے۔ اور اپنی اہلیہ کو فرمایا بادشاہ تجھ سے میرے بارے میں سوال کرے گا۔ تو تم یہ کہنا کہ وہ میرا بھائی ہے۔ اور مجھ سے بھی سوال کیا ہے۔ بخاری میں ہے۔ وان ھذا سألنی کہ اس نے مجھ سے پوچھا ہے۔ اور مسلم کے الفاظ میں ان ھذا الجبار کہ اس جابر نے مجھ سے پوچھا ہے۔ اتنے میں اس ظالم کا نوکر آگیا اور حضرت سارہؑ کو ساتھ لے گیا۔ ادھر سے ظلم کی انتہا تھی۔ ادھر بے بسی کی حد تھی۔ خیر خدا نے اپنے پیغمبر کی بزرگ اہلیہ کو ظالم سے بچانا تھا۔ سو بچا لیا۔ غرض یہ کرنا ہے کہ وہ ظالم اور جابر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس نہیں بلکہ اپنے محل میں تھا۔ اور یہ اس کو ھذا الجبار سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اپنی اہلیہ سے مشورہ کرتے ہیں۔ کہ وہ یہ کہیگا۔ تم یہ کہنا۔ اگرچہ وہ ظالم بہت دور نہ ہوگا لیکن ان کی نظروں سے ضرور اوجھل اور غائب تھا۔ ورنہ آپس میں اس طرح مشورہ کرنے کا کچھ مطلب ہی نہیں نکلتا۔

(۳) مستدرک ج ۳ ص ۵۲۲ میں روایت آتی ہے کہ حضرت معقلؓ بن سنانؓ اور حضرت مسلم بن عقبہؓ کی آپس میں ایک مرتبہ ملاقات ہوئی حضرت معقلؓ نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

انی خرجت کرھا لبیعۃ ھذا الرجل — میں اس شخص کی بیعت کرنے کے لئے مجبوراً نکلا ہوں۔

حالانکہ وہ شراب بھی پیتا ہے اور حرم میں زنا بھی کرتا ہے۔ پھر حضرت معقلؓ حضرت مسلم بن عقبہؓ سے عہد و پیمان لیتے ہیں کہ میری اس گفتگو کا ذکر یزید سے نہ کرنا۔ وہ کہنے لگے۔ اچھا خدا کی قسم میں کسی سے بھی یہ بات بیان نہ کروں گا۔ یزید کو سوں دور ہے۔ لیکن حضرت معقل بن سنانؓ اس فاجر کو ھذا الرجل سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اس سے بھی آگے ترقی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور محدثین کرامؒ ایسے لوگوں کو بھی ھذا سے تعبیر کر لیا کرتے تھے۔ جو نہ صرف غائب ہی ہوتے تھے بلکہ جن کو دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی صدیاں گزر چکی ہوتی تھیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مستدرک ج ۲ ص ۹۷۴ میں ایک حدیث ہے جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق

Marfat.com

ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فرعون مردود نے اپنی بیٹی کی خادمہ اور اس کی اولاد کو (تانبے کی گرم کڑاہی میں) پھینکدیا تو ان میں ایک شیر خوار بچہ بھی تھا جس نے اپنی والدہ کو کہا اماں جان! صبر سے کام لینا کیونکہ تیرا دین سچا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

تکلم اربعة وهم صغار هذا وشاهد یوسف وصاحب جریج وعیسیٰ بن مریم۔

چار بچوں نے بچپن (یعنی شیر خوارگی) میں باتیں کی ہیں۔ اس نے اور یوسف علیہ السلام کے شاہد نے اور (راہب) جریج کے ساتھی نے اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے۔

فرعون اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ ملاحظہ فرمائیے کہ کتنی صدیاں گزر چکی تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسیہؓ کے شیر خوار بچہ کو هذا سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) صحیح ابی عوانہ ج ۱ ص ۳۲۳ میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اہلیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس کا جواب دیا۔ محدث ابو عوانہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابراہیم الحربی کو فرماتے سنا۔ کہ۔

اختلفوا فی اسم هذه المرأة

محدثین اس عورت کے نام میں اختلاف کرتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں صحیح یہی ہے کہ اس کا نام بیبیہ بنت جحش رضؓ تھا۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ محدث ابو عوانہ کی وفات ۳۱۶ھ میں ہوئی تھی (دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۲ اور تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۴۰۷ وغیرہ) گویا تقریباً اس بی بی کو دنیا سے رخصت ہوئے تین صدیاں گذر چکی تھیں مگر محدثین اس کو هذه المرأة سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) مشہور محدث اور فقیہ شیخ موفق الدین ابن قدامہ حنبلی المتوفی ۶۲۰ھ جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی المتوفی ۵۶۱ھ کے شاگرد رشید تھے۔ اپنی مشہور تصنیف مغنی ج ۱ ص ۶۰۲ طبع منار مصر میں لکھتے ہیں کہ۔

قال احمد ما سمعنا احدا من اهل الاسلام یقول ان الامام اذا جهر بالقرأة فلا تجزئ صلاة من خلفه اذا لم یقرأ وقال هذا النبی صلی اللہ علیه وسلم

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی سے نہیں سنا جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے پڑھتا ہو اور مقتدی نے اس کے پیچھے قرأت نہ کی ہو تو مقتدی کی نماز باطل ہوگی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

Marfat.com

واصحابہ والتابعون وھذا مالک فی اھل الحجاز وھذا الثوری فی اھل العراق وھذا الاوزاعی فی اھل الشام وھذا اللیث فی اھل مصر ما قالوا لرجل صلی وقرأ امامہ ولم یقرأ ھو صلاتہ باطلۃ۔

کے صحابہ اور تابعین ہیں، یہ امام مالک ہیں حجاز میں..... یہ ثوری ہیں عراق میں یہ امام اوزاعی ہیں شام میں..... اور یہ امام لیث ہیں مصر میں ان میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ جس نے امام کے پیچھے قرأت نہ کی جب کہ اس کے امام نے قرأت کی ہو تو اس کی نماز باطل ہوگی۔

قارئین کرام ہمیں مسئلہ خلف الامام سے اس کتاب میں کوئی بحث نہیں۔ اس کی تحقیق ہم نے اپنی مبسوط کتاب احسن الکلام میں کر دی ہے۔ یہاں بتلانا صرف یہ ہے۔ کہ امام احمد حنبلؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کو اسی طرح حضرت امام مالکؒ، امام ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ اور امام لیث بن سعدؒ کو لفظ ھذا سے تعبیر کرتے ہیں، امام احمد حنبلؒ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی تھی۔ الحاصل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً سوا دو صدیاں گذر چکی تھیں۔ صحابہ کرامؓ کا زمانہ بھی بالکل ختم ہو چکا تھا اکثر تابعین بھی جا چکے تھے۔ ان کی جگہ اتباع تابعین نے لے لی تھی۔ اور جن ائمہ دین کے نام ذکر کئے گئے ہیں وہ بھی دنیا سے روپوش ہو چکے تھے۔ مگر امام حدیث اور فقہ یعنی امام احمد بن حنبلؒ ان تمام کو لفظ ھذا سے تعبیر کرتے ہیں۔ مخالفین کو کچھ تو فرمانا چاہیئے۔ کیا تمام امت حاضر و ناظر تھی۔ مگر جو کرشن کنہیا کو حاضر و ناظر کہتے ہیں وہ ضرور تمام امت کو حاضر و ناظر سمجھ سکتے ہیں۔ اس عبارت میں اس امر کی واضح تر دلیل ہے کہ ان اکابر کو ان کی شہرت کی وجہ سے لفظ ھذا کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ نہ اس لئے کہ یہ لفظ حاضر و ناظر کو چاہتا ہے۔

اب آئیے اور فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت، مجدد وقت اور حضور پُر نور کی بھی بعض عبارتیں سنتے جائیے تاکہ اگر قرآن کریم اور حدیث شریف کے مدنی سرمہ سے ان کی آنکھوں میں بینائی نہ آ سکتی ہو۔ تو بریلی کا سرمہ ہی شاید اکسیر ثابت ہو۔

(۱) حسام الحرمین ص۱۰۹ میں خانصاحب موصوف حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حفظ الایمان کی ایک عبارت پر گرفت کرتے ہوئے اور اس کو بدمزہ بناتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ کہ "میں

کہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مہر کا اثر دیکھو یہ شخص کیسی برابری کر رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور چنیں وچناں میں الخ

قارئین کرام! ملاحظہ کیجئے کہ یہ شخص اردو میں ھذا الرجل کا ترجمہ ہے۔ اب بتائیے کہ ھذا الرجل یا یہ شخص کہنے سے حضرت تھانوی فریق مخالف اور خانصاحب کے نزدیک حاضر و ناظر ہو گئے؟ حالانکہ خانصاحب تو لکھتے ہیں کہ جو شخص اشرف علی تھانوی اور دیگر دیوبندیوں کو مسلمان سمجھے وہ بھی کافر ہے (دیکھئے مولوی احمد رضا خانصاحب کی عرفان شریعت حصہ دوم ص ۲۹۔ اور فتاوی افریقہ ص ۱۰۹ وغیرہ۔ مزید عبارتیں المنہاج الواضح میں دیکھئے جس میں ہم نے ردّ بدعات پر بحمد اللہ تعالیٰ سیر حاصل بحث کی ہے۔

دیوبند خانصاحب کی کارخانہ فیکٹری کے کوشیے کہ جن بزرگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی خاطر جانیں وقف کر دیں۔ وہ تو کافر ہیں اور ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ اور ان کے بعد بھی سوڈا واٹر کی بوتلیں اور خانہ ساز برفی، مرغ (مرغی) بریانی، مرغ کا پلاؤ، شامی کباب، پراٹھے، گوشت بھری کچوریاں اور آنار کا پانی وغیرہ نہ بھولے وہ مسلمان ہیں (دیکھئے ملفوظات شریف) واہ رے خانصاحب تیری مسلمانی۔

(۲) خانصاحب کوکبۂ شہابیہ ص ۱ میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔ یہ شخص غیر مقلد اور دیوان الٰہی میں ہر گونہ آزادی کا پھاٹک کھولنے کے لیے کہتا ہے۔ اسی کتاب ص ۱۴ میں حضرت شاہ صاحب مظلوم کو یوں تعبیر کیا گیا ہے۔ کاش یہ ظالم۔ اور ص ۲۰ پر ہے یہ شخص رح

قارئین کرام کو معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ ۲۱ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کو شہید ہوئے تھے اور مولوی احمد رضا خانصاحب ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ خانصاحب کا مولد و مدفن بریلی ہے اور حضرت شاہ شہیدؒ ہزاروں میل دور بالاکوٹ کی سنگلاخ زمین میں شہید ہوئے۔ اب دیکھئے کہ خانصاحب کی ولادت سے تقریباً اٹھائیس برس پہلے حضرت شاہ صاحب شہید ہوتے ہیں۔ اور بریلی اور بالاکوٹ (یعنی ضلع ہزارہ سابق صوبہ سرحد) کی درمیانی مسافت بھی کتنی دور؟ لیکن خانصاحب شہید مظلوم کو تعبیر کرتے وقت یہ شخص یا یہ ظالم کہتے ہیں۔ حالانکہ خانصاحب کے نزدیک حضرت شاہ صاحب

Marfat.com

ظالم اور حضرت مولانا تھانویؒ کافر ہیں۔ اگر ھذا الرجل یہ شخص سے یہ بھی حاضر و ناظر ہیں تو ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کی کیا فضیلت ہے کہ وہ بھی حاضر و ناظر اور کافر اور ظالم بھی حاضر و ناظر اور اگر آپ کے نزدیک یہ شخص سے ان کی شہرت کی بنا پر تعبیر ہے یا کوئی اور وجہ ہے تو وہی ھذا الرجل سے ہمارا جواب سمجھ لیجئے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا ؎

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی　　گر شتِ خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

محدثین اور شراح حدیث بھی یہی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میت کے سامنے قبر میں حاضر نہیں کیا جاتا بلکہ آپ کی شہرت کی بنا پر سوال ہوتا ہے چنانچہ علامہ قسطلانیؒ (م ۹۲۳ھ ج ۳ و قسطلانی علی البخاری ج ۱ ص ۱۸۴ میں) لکھتے ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے۔ کہ میت کو قبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نظر آتے ہیں۔ اگر یہ بات ثابت ہو جائے تو مومن کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے (مفتی احمد یار خانصاحب نے یہیں تک عبارت نقل کی ہے اور آگے کی عبارت کو شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔ دیکھئے جاء الحق ص ۱۳۷) لیکن اولم نعلم حدیثاً صحیحاً مرویاً فی ذالک ہمیں کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں مل سکی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں حاضر کئے جاتے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ اس قائل کو لفظ ھذا سے دھوکہ ہوا ہے حالانکہ ھذا کا اطلاق غائب پر بھی ہو سکتا ہے جب کہ اس کا کچھ نہ کچھ علم ذہن میں محفوظ ہو۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نشر صدور میں لکھتے ہیں کہ

وسئل الحافظ ابن حجر ھل یکشف لہ (ای المیت) حتی یری النبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجاب انہ لم یرد ھذا فی حدیث وانما ادعاہ بعض من لا یحتج بہ بغیر مستند سوی قولہ فی ھذا الرجل ولا حجۃ فیہ لان الاشارۃ الی الحاضر فی الذھن انتھی۔ (شرح صدور ص ۶۰ طبع مصر و نقلہ

حافظ ابن حجرؒ سے دریافت کیا گیا کہ قبر میں میت کے لئے درمیانی پردے اٹھائے جاتے ہیں حتی کہ وہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے؟ تو حافظ صاحبؒ نے جواب دیا کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا بعض ایسے لوگوں نے جن کی بات حجت نہیں ہو سکتی بغیر کسی دلیل کے سند کے ھذا الرجل سے یہ احتجاج کیا ہے مگر ان کی بات حجت نہیں ہے کیونکہ ھذا کا اشارہ حاضر فی الذہن

Marfat.com

فی مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۷)

کے لئے آیا ہے۔

علامہ قسطلانیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ کی اس تصریح سے صاف معلوم ہوا کہ لفظ ھٰذا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کی بات سرے سے حجت ہی نہیں ہو سکتی اور ان کا یہ استدلال بھی بغیر سند کے اور بغیر دلیل کے ہے اور ھٰذا کا اشارہ تو منہو وفی الذہن کے لئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میت جواب دیتی ہے تو یوں کہتی ہے۔ وہ خدا کے رسول ہیں۔ اگر واقعی میّت کے سامنے آپ حاضر ہوں تو جواب میں بھی کہنا چاہئے، یہ خدا کے رسول ہیں بلکہ مستدرک ج ۱ ص ۳۸ کی ایک حدیث میں (جس کی علی شرط مسلم تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں) یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔

فیقال لہٗ ما تقول فی ھذا الرجل الذی کان فیکم وما ذا تشھد بہ علیہ فیقول ای رجل ؟ فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلا یھتدی لہ قال فیقولون محمد فیقول سمعت الناس قالوا فقلت کما قالوا۔ الحدیث۔

اس سے پوچھا جائیگا تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں تھا اور تیری اس کے بارے میں کیا گواہی ہے؟ وہ کہیگا تم کس شخص کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ فرشتے جواب دیں گے۔ اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو تم میں تھا (فرمایا) یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد بھی وہ نہیں پہچان سکیگا کہ مجھ سے کس شخص کے متعلق سوال ہو رہا ہے فرشتے کہیں گے ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کے بارے میں پوچھتے ہیں وہ کہیگا میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا تو میں بھی وہی کہنے لگا جو انہوں نے کہا۔

امام سیوطی نے ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن حبان اور بیہقی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً یہ جملہ بھی نقل کیا ہے کہ

وما تشھد بہ۔ فلا یھتدی لاسمہ فیقال محمد صلی اللہ علیہ وسلم (شرح الصدور ص ۵۵)

تو ان کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے لیکن اس کو ان کا نام تک نہ لیگا سو اس سے کہا جائیگا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

Marfat.com

یہ صحیح روایت اس حدیث کے مفہوم اور مراد کو متعین کر دیتی ہے کہ قبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو میت کو دیکھنے کے ساتھ ہی) یہ معلوم ہو جانا چاہیئے۔ کہ یہ بزرگ ہستی جس کے بارے میں مجھ سے سوال ہو رہا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گو اس روایت کا یہ حصہ کافر سے متعلق ہے لیکن اس سے صراحت کے ساتھ یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر قبر میں آپؐ حاضر و ناظر نہیں ہوتے۔ مومن کے حق میں حاضر و ناظر نہ ہونے کی تصریح حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے حوالوں سے ابھی نقل کی جا چکی ہے۔ بلکہ امام ابن مردویہؒ کی ایک مرفوع روایت میں جو حضرت انسؓ سے مروی ہے یوں آیا ہے کہ۔

ماکُنت تقول فی ھذا الرجل الذی کان بین اظھرکم الذی یقال لہ محمد قال فاما المؤمن فیقول اشھد انہ عبداللہ ورسولہ الحدیث (شرح صدور فی احوال الموتی والقبور ص۵۴ طبع مصر)

تم اس شخص کے بارے میں جو تم میں موجود تھے جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا ہے۔ کیا کہتے ہو؟ مومن یہ کہیگا کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اور ابن ابی شیبہ۔ ابن جریر۔ ابن منذر۔ ابن حبان۔ طبرانی۔ ابن مردویہ۔ حاکم اور بیہقیؒ کی روایت میں جو حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے یوں آیا ہے کہ جب مومن سے یہ سوال ہوگا تو وہ کہیگا۔

انہ رسول اللہ جاءنا بالبینات الحدیث (شرح صدور ص۵۵)

کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے۔

اور اسی طرح مسند احمد اور بیہقیؒ کی روایت میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جس کی سند صحیح ہے کہ مومن کا جواب یہ ہوگا کہ۔

محمد رسول اللہ، جاءنا بالبینات من عند اللہ الحدیث (شرح صدور ص۵۷)

کہ وہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہمارے پاس واضح دلائل لیکر آئے تھے۔

یہ جاءنا بالبینات کا جملہ اس بات کو متعین کر دیتا ہے۔ کہ یہ دنیوی اور تکلیفی زندگی کا آنا مراد ہے۔ کیونکہ قبر میں واضح دلائل لے کر کسی رسول کا تشریف لانا بے معنی ہے اس لئے کہ مرنے کے بعد عملی اور تکلیفی

Marfat.com

زندگی یکسر ختم ہو جاتی ہے۔ ان روایات سے مومن کے حق میں بھی قبر کے اندر آپ کے حاضر و ناظر ہونے پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ مگر عقل و خرد شرط ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور بات بھی خصوصیت سے قابلِ غور ہے۔ وہ یہ کہ فریقِ مخالف کے اعلیٰحضرت خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ۔ ما تقول فی ھٰذا الرجل۔ ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اب نہ معلوم کہ سرکارِ خود تشریف لاتے ہیں، یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی (ملفوظات حصہ چہارم ص۷۵) خانصاحب نے اس عبارت میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ آپ کے تشریف لانے پر شریعت کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے جب شریعت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں تو کسی کو اپنی طرف سے کچھ کہنے کا کیا حق ہے؟ اور صریح اور صحیح حدیثیں عنقریب آرہی ہیں۔ ہم نے نہایت ہی اختصار کے ساتھ پہلا جواب قارئین کرام کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔ اب گویا صدائے غیب سے مخالفین کو کہا جا رہا ہے۔ ؎

خزاں نہ تھی چمنستانِ دھر میں کوئی　　خود اپنا ضعفِ نظر پردۂ بہار ہُوا

جواب دوم:۔ ہمارے پاس ایسے دلائل بھی موجود ہیں۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر میں حاضر و ناظر ہونے کی صاف نفی اور تردید ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

صحیح بخاری ج۱ ص۶۵، مسلم ج۱ ص۳۰۹ اور طیالسی ص۲۲۱ وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرد (یا عورت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد نبویؐ کی صفائی اور خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ رات کے وقت فوت ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو دفن کر دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی کچھ عرصہ گذر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ وہ شخص خادمِ مسجد کہاں ہے؟ صحابہ کرامؓ نے کہا اس کا تو انتقال ہو چکا ہے۔ اور ہم اس کو دفن کر آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

افلا کنتم آذنتمونی بہ، دلّونی　　تم نے مجھے اس کے جنازہ کی اطلاع کیوں نہیں دی

علی قبرہ۔　　چلو مجھے اس کی قبر بتلاؤ۔

Marfat.com

چنانچہ صحابہ کرامؓ نے آپ کو اس کی قبر بتلائی۔ اور آپ نے اس کے لئے دعا کی۔

فریق مخالف سے مؤدبانہ التجا ہے، کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں میت کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو اس شخص سے بھی ما تقول فی ھذا الرجل سے سوال ہوا ہوگا اور فریقِ مخالف کے مزعوم کی بنا پر آپ وہاں تشریف لے گئے ہوں گے۔ اس کو دیکھا ہوگا۔ تو پھر کیوں یہ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کہاں ہے؟ اس کو کیا ہوا؟ تم نے مجھے جنازہ پر کیوں اطلاع نہ دی؟ چلو مجھے اس کی قبر بتلاؤ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدہ دانستہ صحابہ کرامؓ سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا؟ یہ جھوٹ ہوگا یا سچ (العیاذ باللہ) فرمایئے:۔ ع

کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

مولوی محمد صاحب اس حدیث کا یوں جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ انہوں نے اذن بھی نہیں لیا تھا اسی واسطے آپ نے فرمایا۔ ھلا آذنتمونی کہ تم نے مجھ سے کیوں اجازت نہیں لی۔ پھر بے اذنی کو معمولی سمجھا۔ فکانھم صغروا امرھا۔ یہ تو آپ کے علم غیب پر دال ہے۔ پھر تمہارا یہ کہنا کہ اگر آپ کو علم غیب ہوتا تو دلونی علی قبرہ کیوں فرماتے کہ تم مجھے اس کی قبر بتاؤ تو یہ بھی آپ کے عدم علم کی دلیل نہیں کیونکہ انہوں نے آپ کی اجازت کے بغیر جنازہ پڑھا تھا اور جنازہ بغیر ولی کی اجازت کے درست نہیں ہوتا۔ اس عورت کی ولایت آپ کے ہی سپرد تھی۔ (بلفظہ مقیاس ص۴۲۰) مولوی محمد عمر صاحب سے پوچھئے۔ کہ ھلا آذنتمونی کا یہ معنی کس کتاب میں ملیگا۔ کہ تم نے مجھ سے اجازت کیوں نہیں لی۔ پھر یہ کس کتاب میں ملیگا فکانھم صغروا امرھا۔ کا یہ معنی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بے اذنی کو معمولی سمجھا تھا؟ اور پھر اس کا ثبوت کس کتاب میں ملیگا کہ اس عورت کی ولایت آپ کے سپرد تھی؟ اور یہ بھی بتائیں کہ دلونی علی قبرہ میں اجازت کے بغیر جنازہ پڑھانے کی تردید کیسے صحیح ہوئی؟ یہ تردید تو بقول مولوی محمد عمر صاحب ھلا آذنتمونی کے جملہ سے ہو چکی ہے پھر اس کی کیا ضرورت رہی؟ ہوش سے جواب دینا ہوگا۔ صحیح معنی تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مجھے اس کے جنازے کی اطلاع کیوں نہ دی؟ اور گویا کہ صحابہ کرامؓ نے اس بی بی کے معاملہ کو معمولی سمجھا کہ اس کے جنازہ کے لئے خواہ مخواہ آپ کو کیوں تکلیف دی جائے اور یہ حدیث

نفی علم غیب اور حاضر و ناظر میں نص صریح ہے۔

(۲) : موطا امام مالک ص ۷۸ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک غریب عورت بیمار ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی بیماری کی اطلاع ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر اس کی وفات ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا۔ تاکہ میں اسکا جنازہ پڑھاؤں۔ تقدیراً اس کی وفات بھی رات کو ہو گئی۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دیئے بغیر اس کو دفن کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وفات کا علم تک بھی نہ تھا۔ صبح ہوئی تو بعض صحابہؓ نے اس بی بی کی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی۔ کہ فلاں عورت رات کو دفن کر دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا:

الم آمرکم ان توذنونی بھا — کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ مجھے ضرور اطلاع دینا؟

صحابہ کرامؓ نے عذر پیش کیا کہ حضرت رات کا وقت تھا۔ آپ آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر اس کے لئے دعا کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرامؓ کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ میت کے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ ورنہ آپ کو اس کی اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی۔ کہ حضرت فلاں عورت رات کو وفات پا چکی ہے۔ ما تقول فی ھذا الرجل سے سوال اس سے بھی ہوا ہوگا۔ اور بقول مخالفین آپ وہاں حاضر ہو کر اس کو دیکھ بھی آئے ہوں گے لیکن باوجود اس کے صحابہ کرامؓ سے اس طرز سے گفتگو فرماتے ہیں کہ بالکل لاعلمی کا ثبوت ہو رہا ہے

حضرات! نبوت اور رسالت کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ پیغمبر ظاہر اور باطن قول اور فعل میں کبھی متضاد رنگ اختیار کر کے تلون مزاجی کا ثبوت نہیں دیا کرتے۔ اور نہ ہی العیاذ باللہ اس کی نسبت ہی ان کی طرف کی جا سکتی ہے۔ یہ تو فریب کار لوگوں کا کام ہے کہ وہ ہاتھی کے دانتوں کا نمونہ ہوتے ہیں کہ کھانے کے اور اور دکھانے کے اور۔ کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے ؎

نمی باشد مخالف قول و فعل راستاں باہم — کہ گفتار قلم باشد رفتار قلم پیدا

(۳) نسائی ج ۱ ص ۲۲۰، ابن ماجہ ص ۱۱۱، مسند احمد ج ۴ ص ۲۸۸، طحاوی ج ۱ ص ۲۹۵، سنن الکبریٰ ج ۴ ص ۴۲ وغیرہ میں ایک حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ حضرت یزید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت

صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ چند صحابہ کرامؓ باہر نکلے۔ آپ نے ایک تازہ قبر دیکھی اور فرمایا یہ قبر کس کی ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا۔ ھولاۃ بنی فلان فعرفھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم: کہ یہ فلاں خاندان کی لونڈی کی قبر ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بتلانے پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کو پہچان لیا اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا نے جنازہ پڑھی اور پھر آپ سے صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا روزہ بھی تھا اور آرام بھی فرما رہے تھے۔ لہذا ہم نے آپ کو اس کے جنازہ پر مطلع کرنا نامناسب سمجھا۔ آپ نے فرمایا۔

لا یموت فیکم میت ما دمت بین اظھرکم الا اذنتمونی بہ (الحدیث)

جس وقت تک میں تمہارے اندر موجود ہوں کسی بھی میت کو مجھے اطلاع دیئے بغیر دفن نہ کیا جائے کیونکہ میری دعا باعث رحمت ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم قبر میں میت کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو اس بی بی سے بھی ما تقول فی ھذا الرجل سے سوال ہوا ہوگا۔ اور آپ اس کے سامنے حاضر ہوئے ہونگے۔ تو پھر نہ معلوم آپ نے صحابہ کرامؓ سے ان الفاظ سے۔ کہ یہ قبر کس کی ہے"! کیوں لاعلمی کا اظہار کیا اور پھر یہ کیوں فرمایا کہ جب بھی کسی کی وفات ہو تو مجھے ضرور اطلاع کر دیا کرو۔ کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب سے بھی کسی کی موت مخفی رہ سکتی ہے؟ اور پھر فریق مخالف کے اس مشرکانہ عقیدہ کو بھی ساتھ ملا لیجئے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم مختار کل بھی ہیں۔ یعنی مارنا، زندہ کرنا، رزق دینا وغیرہ وغیرہ امور باذن خداوندی آپ ہی انجام دیتے ہیں۔ گویا آپ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کے ساتھ خود کسی کی زندگی کو بھی ختم کر دیں۔ اس کو ابدی نیند سلا بھی دیں۔ اور خود ہی فرمائیں جب کسی کی وفات ہو جائے مجھے ضرور اطلاع کرنا۔ فریق مخالف کی یہ عجیب ہوائی منطق ہے دعا کیجئے کہ یہ انہیں کو مبارک ہو۔

ایک اور طرز سے

اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور اپنی امت میں موجود ہیں تو آپ نے یہ کیوں فرمایا۔ کہ میں جب تک تمہارے اندر موجود ہوں مجھے اطلاع دیئے بغیر کسی کو دفن نہ کرنا اور اگر آپ

Marfat.com

ہر وقت موجود ہیں تو مخالفین ہی فرما دیں کہ انہوں نے اپنے جنازوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اطلاع دی ہے۔ اور آپ کی موجودگی میں وہ خود کیوں نماز جنازہ پڑھاتے ہیں، نماز تم خود پڑھاتے ہو، خطبہ خود پڑھتے ہو، فتویٰ خود دیتے ہو تمہیں کیا حق ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تم خود محراب اور منبر کی زینت بنے رہو۔ اور امت کو آپ کی امامت سے محروم رکھو؟ اور قرآن کریم میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنا اعمال کے حبط ہونے کا موجب ہے۔ مگر یہ رسمی محب یہ عقیدہ رکھنے کے باوجود کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں گلے پھاڑ پھاڑ کر قوالیاں کرتے اور نعرے لگاتے ہیں اور بآواز بلند مل کر مسجدوں میں درود شریف پڑھتے ہیں اور اسی طرح زندگی بھر آپ کی موجودگی میں بلند آواز سے چلا چلا کر باتیں کرتے ہیں ؎

ستعلم لیلیٰ ای دین تداینت وای غریم فی التقاضی غریمها

اس سے قبل کہ ہم حدیث سے متعلق ایک فائدہ لکھ کر فریق مخالف کے ایک عام اغلوطہ کا جواب عرض کریں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک اصولی بات عرض کر دیں، وہ یہ کہ اس جواب کے نمبر اول اور نمبر دوم میں ہم نے جو حدیثیں پیش کی ہیں۔ وہ طبقہ اولیٰ (یعنی مسلم، بخاری اور موطا امام مالکؒ) کی ہیں جن کی سند پر کسی کو کلام اور جرح کرنے کا محدثین کرامؒ کے نزدیک حق نہیں پہنچتا۔ البتہ ہم نے جو حدیث نمبر دوم میں ہدیہ قارئین کی ہے وہ طبقہ اولیٰ کی نہیں لیکن اس کی بھی جملہ اسانید میں جلیل القدر ائمہ حدیث ہیں۔ جن پر ذرہ برابر بھی کلام نہیں ہو سکتا ضرورت تو نہیں لیکن ہم فقط نسائیؒ کی سند کے رواۃ اور ان کی توثیق کتب رجال سے عرض کر دیتے ہیں۔ نسائی کے رجال یہ ہیں[1] اور سب ثقہ ہیں ماتیہ ہیں دیکھ لیں

---

[1] : ابو قدامہ عبید اللہ بن سعید جو ثقہ مامون اور امام اہلسنت تھے (تقریب ص ۲۵۱)

[2] : عبد اللہ بن نمیرؒ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الامام لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۹) (۳) عثمان بن حکیم امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے امام ابن معین، ابو داؤد، ابو حاتم، نسائی، بیہقی، ابن نمیر، یعقوب بن شیبہ، ابن سعد، ابو زرعہ اور ابن حبان سب ان کو ثقہ کہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۱۲) (۴) خارجہ بن زبیر ثقہ اور فقیہ تھے (تقریب ص ۱۰۰) (۵) حضرت زید بن ثابتؓ جلیل القدر صحابی تھے (تجرید اسماء صحابہ ج ۲ ص ۱۱۷)

فائدہ عظیمہ : فریقِ مخالف یہ کہا کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے جو سوالات کیا کرتے تھے ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو پہلے علم نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ ارادہ دانستہ کسی مصلحت کی بنا پر سوال فرما لیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ باوجود عالم الغیب ہونے کے کسی مصلحت کے پیش نظر سوال کرتا ہے۔ مثلاً

مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

یا اس کے علاوہ بھی قرآن اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت سوال کرتا ہے۔ اس قسم کے سوالات سے (نعوذ باللہ) اس کا جہل لازم نہیں آتا۔ اسی طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے عظامؑ اور اولیائے کرامؒ نے بھی اگر کسی وقت کسی سے کوئی چیز پوچھی ہے تو یہ بھی مصلحت اور حکمت پر مبنی ہے، ان کی نادانی اور بے خبری پر مبنی نہیں (دیکھئے مقیاس ۲۲) وغیرہ) اس مغالطہ کے ہم صرف دو جواب عرض کرتے ہیں۔ ناظرین کرام غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

جواب اوّل :۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی کو شک نہیں کہ وہ ہر چیز کو جانتا اور دیکھتا ہے۔ بلکہ ہر مسلمان اور صاحبِ عقل اور انصاف کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے متعلق سوال کریگا تو یقیناً اس کا سوال حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوگا۔ بخلاف اس کے جب انبیاء عظامؑ اور اولیاء کرامؒ وغیرہ سوال کرتے ہیں تو چونکہ وہ عالم الغیب نہیں اس لئے اصل یہی ہے کہ ان کو معلوم نہیں۔ ہاں البتہ اگر کسی چیز پر کوئی اور دلیلِ قاطع قائم ہو سکے کہ جس چیز کا انہوں نے سوال کیا تھا وہ ان کو اس سے قبل معلوم تھی تو اس صورت میں ان کے صرف اس سوال کو مصلحت اور حکمت پر حمل کیا جائے گا۔ الحاصل مخلوق میں اصل اور قاعدہ یہی ہے کہ چونکہ وہ عالم الغیب نہیں اس لئے ماننا پڑیگا کہ ان کا اس چیز کے بارے میں سوال بے خبری اور لاعلمی پر مبنی ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس کا سوال کسی حکمت اور مصلحت کے خلاف اور کچھ نہیں ہو سکتا تو مخلوق کو خالق پر قیاس کرنا، حادث کو قدیم پر قیاس کرنا اور بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ پر ایسی ہستیوں کو قیاس کرنا جن کا علم بقول خضر علیہ السلام دریا کا ایک قطرہ ہو کتنا صریح ظلم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ فریقِ مخالف سے یہ بھی مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ کوئی ایسی صریح

Marfat.com

اور صحیح حدیث پیش کرے جس کا مضمون یہ ہو کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شرعی (یعنی تکوینی) امور میں جس پیز کے متعلق بھی سوال کیا۔ آپ اس کو خوب جانتے تھے بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ باوجود اس کے کہ ہر چیز کو جانتا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں، پھر بھی ہم آپ کو چند حدیثیں سرِ دست سُنائے دیتے ہیں۔

(۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۴ میں یہ حدیث آتی ہے کہ جب فرشتے ذکر و تدریس کی مجالس سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس انسانوں کے اعمال کی ڈائری سناتے ہیں تو

فیسئال اللہ منہم وھو اعلم — اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے

(۲) مستدرک ج ۱ ص ۵۵ میں (جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں) ایک حدیث ہے

فیسئال اللہ عنہم وھو اعلم — اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے

(۳) اسی مضمون اور الفاظ کی حدیث مسند طیالسی ص ۲۱۹ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ایسے ہی مواقع میں کان اعلم (آپ خوب جانتے تھے) کے الفاظ صحیح احادیث میں موجود ہیں؟ بلکہ آپ یہی پائیں گے کہ آپ نے بارہا ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا کہ آپ کو پہلے علم نہ تھا۔ اور صحابہ کرامؓ کے سامنے بھی آپ نے لاعلمی اور بے خبری کا اظہار کیا۔ اندریں حالات مخلوق کے ایسے سوالات کو خالق پر قیاس کرنا نرا زندقہ اور الحاد ہے۔ (عیاذاً باللہ)

جوابِ دوم: ہم نے جو حدیث نسائی وغیرہ کے حوالہ سے ہدیۂ قارئین کی ہے اور جس کے رواۃ اور رجال کی توثیق بھی عرض کر دی ہے۔ اس حدیث میں یہ جملہ بھی موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نئی اور تازہ قبر کے متعلق سوال کیا۔ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ کہ فلاں خاندان کی لونڈی کی قبر ہے۔ آگے یہ لفظ بھی موجود ہیں۔ فعرفہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ صحابہ کرامؓ کے بتلانے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہچان لیا۔ کیا مخالفین یہ بتلا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کے متعلق سوال کیا اور اس کے جواب بلکہ پر اللہ تعالیٰ نے اس کو پہچان لیا؟ قرآن کریم کی آیت اگر نہیں پیش کر سکتے تو کوئی صحیح حدیث پیش کریں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سوال کیا اور مجیب کے جواب کے بعد فعرفہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

نے اس کو پہچان لیا۔ اور خدا کو معلوم ہو گیا (العیاذ باللہ) کالی اور گوری کے قصے اور کہانیاں سنا سنا کر گمراہ کرنے والو۔ اور وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى سے پیغمبروں کا علم غیب ثابت کرنے والو۔ آؤ۔ اور آ کر ہمیں جواب دو۔ ؎

صراحی در بغل، ساغر بکف مستانہ وار آجا　　لگائے آسرا بیٹھا ہے اک مستانہ برسوں سے

قارئین کرام! میں اصل مضمون سے دور جا پڑا مگر کیا کرتا مجبور تھا الشئ بالشئ یذکر میں یہ عرض کر رہا تھا۔ کہ اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میت کے پاس قبر میں ماتقول فی ھذا الرجل سے خاص استدلال کی بنا پر حاضر ہوتے ہیں۔ تو بیشمار حدیثیں ایسی موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار مُردوں کے دنیا سے چل بسنے کا علم نہ تھا۔ آپ نے کئی ایک آدمیوں سے متعلق ان کی جنت دغیرہ کے بارے میں ان کے احباب سے سوالات بھی کئے اور کئی ایک قبور کے بارے میں بھی سوال کیا کہ یہ قبر کس کی ہے؟ مستدرک ج ۱ ص ۲۶۷ میں ایک حدیث آتی ہے (جس کی امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں تصحیح کرتے ہیں) مضمون اس کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک ہوئے۔ تو ایک (جدید) قبر نظر پڑی۔ آپ نے فرمایا قبر من ھذا؟ یہ کس کی قبر ہے! صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ ایک حبشی غلام کی قبر ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ قدرت کے کرشمے دیکھو۔ اس کو خاکِ گور کس طرح اپنے وطن سے کھینچ کر لائی اگر آپ قبر میں حاضر ہوتے تو اس سوال کا کیا مطلب حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے قریب سے گذرے اور آپ نے فرمایا متی دُفِنَ ھٰذا۔ اس کو کب دفن کیا گیا ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا رات کو۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں اطلاع نہ دی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ حضرت ہم نے اس کو رات کے وقت دفن کیا ہے اور ہم نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔ چنانچہ آپ نے اور صحابہؓ نے اس کی قبر پر کھڑے ہو کر جنازہ پڑھایا (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۵ متفق علیہ) قارئین کرام سر دست ہم اس استدلال کے انہی جوابات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر آپ آنکھیں کھول کر انصاف سے دیکھیں گے تو آپ کو حق اور صداقت صاف طور پر نظر آجائے گی۔ اور اگر ؎

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے　　اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

Marfat.com

فریقِ مخالفؑ کی ساتویں دلیل اور اس کا حشر

مخالفین کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تو نماز میں آپکو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ (سلامتی ہو تجھ پر اے نبی) سے خطاب کیوں کیا جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ آپ ہر نمازی کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور نمازی آپ کو خطاب کرتا ہے (دیکھئے جاء الحق ص۱۴۶ و مقیاس حنفیت ص۲۸۲ و تسکین الخواطر ص۵۸ وغیرہ)۔

جواب اوّل :- قارئین کرام! یہاں دو مقام ہیں۔ ایک یہ کہ اگر آپ حاضر و ناظر نہیں تو عَلَیْکَ (تجھ پر) سے کیوں خطاب ہوتا ہے۔ دوسرا اَیُّھَا النَّبِیُّ (اے نبی) سے کیوں خطاب ہوتا ہے؟ ہم شق ثانی کا جواب آئندہ عرض کریں گے۔ یہاں شق اوّل یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کے جوابات ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

بزرگانِ دین یہ فرماتے آئے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے۔ اور آپ نے وہاں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ کہ تمام زبانی۔ بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں۔ (اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ الخ) تو اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ — سلامتی ہو تجھ پر اے نبی

چونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپکو مخاطب کیا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت اور صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے وقت صرف خطاب کو جس طرح کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے سنا تھا برقرار رکھا۔

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

اگر گویند کہ خطاب حاضر را بود و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں مقام نہ حاضر است پس توجیہ ایں خطاب چہ باشد جوابش آنست کہ چوں ورود ایں کلمہ در اصل یعنی شب معراج بصیغۂ خطاب بود دیگر تغیر شش ندادند

(ترجمہ) اگر کہیں کہ خطاب تو حاضر کو ہوتا ہے اور آپ اس مقام میں حاضر نہیں ہیں تو اس خطاب کی توجیہ کیا ہوگی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ کلمہ در اصل شب معراج میں بصیغۂ خطاب وارد ہوا ہے اور اس کو اسی پر برقرار

Marfat.com

دربہماں اصل گذاشتند۔ (مکتوبات حضرت شیخ برحاشیہ اخبار الاخیار ص۳۱۶) رکھا گیا اور اس میں کوئی تغیر نہ کیا گیا۔

یہی بات متعدد کتابوں میں مذکور ہے کہ شبِ معراج میں یہ خطاب ہوا تھا اور اس کو برقرار رکھا گیا۔

(مثلاً ملاحظہ ہو مرقات ملا علی قاری ج ۱ ص۵۵۶ و بحر الرائق ج ۱ ص۳۲۴ و شامی ج ۱ ص۴۷ وغیرہ)

اور اس کی قرآن کریم میں بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اگر کسی وقت کسی شخصیت اور فرد کو اس کی موجودگی اور حاضری میں خطاب ہوا تھا۔ تو آج بھی حرف یا اور خطاب کی ضمیر سے اسے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کو ضمیر خطاب سے یاد کرنے سے اس کا حاضر و ناظر ہونا کوئی بھی مراد نہیں لیتا۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو تبلیغ کی اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ دلائل کا گستاخانہ الفاظ میں رد کیا تو فرعون کی اس گستاخی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا — اور بیشک میں تجھے خیال کرتا ہوں اے فرعون کہ تو تباہ کردیا جائے گا

اس آیت میں یافرعون کے جملہ کو ذہن میں محفوظ رکھیے تاکہ کام آئے۔ داشتہ بکار آید البتہ ملاحظہ کیجئے کہ آج بھی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں قرآن کریم پڑھنے والے مسلمان لاظنک کو خطاب کی ضمیر سے ہی پڑھتے ہیں۔ لیکن اس سے فرعون کو کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں سمجھتا۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام سے عزیزِ مصر کی بیوی نے ایک مخصوص ڈرامہ کھیلنا چاہا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی، طہارت اور عصمت پر عزیزِ مصر کی بیوی کے خاندان ہی سے ایک (شیر خوار بچہ) کو جب گواہ بنایا۔ اور عزیزِ مصر پر جب یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا تو بالکل کوئی قصور نہیں بلکہ سارا قصور ہی میری بیوی کا ہے تو اس پر وہ اپنی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ — اپنے گناہ پر معافی مانگ بے شک تو ہی

مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ۔ (پ ۱۲) — خطا کاروں میں تھی۔

اس آیت میں بھی لِذَنْۢبِكِ اور اِنَّكِ سے عزیزِ مصر کی بیوی کو خطاب ہے اور سارے مسلمان اس کو اسی طرح پڑھتے ہیں۔ مگر عزیزِ مصر کی بیوی کو کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں سمجھتا ممکن ہے کہ فریقِ مخالف کرشن کنہیا کافر کی طرح اس کو بھی حاضر و ناظر جانتا ہو۔ کیونکہ فریقِ مخالف کے ولی اور بزرگ تو رحم میں نطفہ پڑتے

Marfat.com

بھی دیکھتے رہتے ہیں اور جماع کے وقت بھی پاس موجود ہوتے ہیں)۔ (العیاذ باللہ)

(۳) مصر کے جیل خانہ میں بے قصور حضرت یوسفؑ کیساتھ چند دیگر اخلاقی مجرم بھی تھے۔ دو آدمیوں نے خواب دیکھے حضرت یوسفؑ نے ان کو تعبیر بتائی جس قیدی کو رہائی اور نجات ہونے والی تھی حضرت یوسفؑ نے اُس سے کہا۔

وَاذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ — میرا ذکر بھی اپنے آقا کے سامنے کر دینا۔

اس آیت بھی حضرت یوسفؑ نے ایک قیدی کو خطاب کیا تھا مگر آج بھی مسلمان عِنْدَ رَبِّكَ کے الفاظ سے ہی اس آیت کی تلاوت کرتے ہیں۔ لیکن اس قیدی کو کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں کہتا۔ مگر یہ خیال رہے کہ یہ حکایت محض حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء اور دعا ہے۔ چنانچہ درمختار ج ۱ ص۷۶ میں ہے کہ۔

ویقصد بالفاظ التشهد ـــــ الانشاء — کہ الفاظ تشہد سے انشاء مراد ہونی چاہیئے۔

اور الدر المنتقیٰ فی شرح الملتقیٰ ج ۱ ص۱۰۱ میں ہے کہ۔

لابُدّ ان یقصد بالفاظ التشهد الانشاء — کہ الفاظ تشہد سے انشاء مراد لینا ضروری ہے

اور اسی کے قریب عالمگیری ج ۱ ص۷۳ میں ہے اور اوجز المسالک ج ۱ ص۲۶۵ میں ہے کہ

وحکایة ما فی المعراج علیٰ طریق الانشاء — کہ جو الفاظ معراج کے موقعہ پر آپکو ملے تھے ان کو انشاء کے طور پر اپنی طرف سے کہے۔

اور شیخ عبدالحق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ۔

"درحقیقت ایں دُعا است در نماز اگرچہ بصیغۂ خطاب است" (مدارج النبوۃ ج ۱ ص۲۰۵)

اور اس انشاء اور دُعا کی اہل عرفان اور صوفیاء کرامؒ کے طور پر تشریح بقول حافظ ابن حجرؒ (یہ عبارت عینی شرح بخاری ج ۶ ص۱۱۱ - زرقانی شرح مؤطا امام مالکؒ ج ۱ ص۱۷۰ و شرح مواہب ج ۷ ص۲۲۹ و فتح الملہم ج ۲ ص۴۳ اور اوجز المسالک ج ۱ ص۲۶۵ وغیرہ میں بھی مذکور ہے) یہ ہے کہ

ویحتمل ان یقال علی طریق اهل العرفان ان المصلین لما استفتحوا — اور اس کا احتمال بھی ہے کہ اہل عرفان کے طریقہ پر یہ کہا جائے کہ نمازی جب التحیات کیوجہ سے ملکوت کا دروازہ کھلواتے

Marfat.com

باب الملكوت بالتحيات اذن لهم
بالدخول فی حرم الحی الذی
لا یموت فقرت اعینهم بالمناجاة
فنبهوا علی ذالك بواسطة نبی
الرحمة وبرکة متابعته فالتفتوا
فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر
فاقبلوا علیه قائلین السلام علیك ایها
النبی ورحمة الله وبرکاته (فتح الباری ج ۲ ص ۲۵۰)

ہیں۔ تو ان کو اُس پروردگار کی درگاہ میں داخل ہونے کی اجازت
مل جاتی ہے جو زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آتی سو اس مناجات
سے انکی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور انہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ
یہ جو کچھ ملا ہے بواسطہ نبی رحمت اور انکی پیروی کی برکت ہی سے ملا ہے
جب اس مقام پر وہ پہنچے تو انہوں نے نظر اٹھا کر جو دیکھا کہ حبیب حقیقی
(اللہ تعالیٰ) کے دربار میں حبیب کبریا (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف فرما
اور حاضر ہیں تو حبیب کو اس مقام پر حاضر پا کر نمازی یہ تحفہ پیش کرتے
ہیں کہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اور یہ تحقیق اس حدیث کے پیش نظر کی گئی ہے جو ان تعبد اللہ کانك تراہ کے الفاظ سے کتب احادیث میں آتی ہے۔ یہ بحث بھی اس پر مبنی ہے کہ نمازی گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور گویا کہ اس کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور وہاں آنحضرت صلی اللہ وسلم موجود ہوتے ہیں اور اس رنگ میں آپ سے خطاب کیا جاتا ہے۔ تصوف اور تصرف کے اس شاعرانہ یا عارفانہ نکتہ سے بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے بلکہ نمازی کو خود کمال پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حبیب کے سلام کے لئے حاضر ہونا پڑتا ہے۔ مگر یہ مقام کتنوں کو حاصل ہے! جس کو خدا دے۔ ع

اس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت

جواب دوم:- اگر ہم اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ سے حکایت نہ سمجھیں بلکہ صرف دعا اور انشاء ہی سمجھیں تو بھی اس سے حاضر و ناظر مراد لینا قطعاً باطل ہے جیسا کہ ہم اپنے خطوط میں دور دراز ملکوں میں اپنے دوستوں بھائیوں اور اکابر کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لکھا کرتے ہیں۔ تو اس کا یہ معنی تو نہیں ہوتا کہ وہ سب ہمارے پاس حاضر اور موجود ہوتے ہیں۔ ورنہ ان کو خط لکھنے ہی کی کیا ضرورت! بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب ہمارا خط دوستوں کو پہنچ جائیگا تو اسوقت ان سے خطاب ہو جائیگا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہِ روم کو خط میں لکھا تھا۔

Marfat.com

ادعوك بدعاية الاسلام — میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

اس کا یہ معنیٰ تو نہیں تھا کہ ہرقل آپ کے پاس حاضر اور موجود تھا۔ اسی طرح آپ یہاں بھی سمجھئے کہ ہم اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب کرتے ہیں تو اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ آپ ہمارے پاس موجود ہوتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب سلام آپ تک پہنچ جائیگا تو خطاب ہو جائیگا فریق مخالف کے مسلم اور مشہور محقق عالم مولوی عبدالسمیع صاحب بخاری شریف کی ایک روایت کا حوالہ دیکر ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

امّا بعد فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم اس میں خطاب حاضر کا ہے۔ بادشاہ روم کو حالانکہ آپ ملک عرب میں تھے اور وہ روم میں تھا۔ اور وہ اصحابِ کشف سے نہ تھا۔ کہ حضرت کا خطاب وہاں سے معلوم کر لیتا۔ لیکن چونکہ یہ بات تھی کہ قاصد اس خط کو لے جاکر اس کے ہاتھ میں دے دیگا یہ خط اس کی نظر کے سامنے سے گذرے گا۔ خطاب صحیح ہو جاوے گا۔ اسی طرح اب تک رسم جاری ہے کہ ہم خطوط میں مکتوب الیہ کو خطاب لکھ دیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیج دو اور تاکید جانو فقط۔ اسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط ان کو دے دیگا تو ہمارا خطاب حاضر صحیح ہو جاوے گا۔ (بلفظہٖ انوار ساطعہ ص۲۲۷) اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں۔ اب یہ ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کو کن الفاظ سے صلوٰۃ وسلام کا تحفہ بھیجا جائے بخاری شریف ج ۲ ص۷۰۸ میں حضرت کعب بن عجرہؓ سے مروی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ (قرآن کریم میں جو صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا مرجود ہے) ہم سلام کا معنیٰ اور مطلب تو سمجھ چکے ہیں (کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ سے پڑھا جاتا ہے) آپ ہم سے صَلُّوْا کا معنیٰ اور مطلب ارشاد فرمائیے۔ آپ نے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ الخ سے درود کی تعلیم فرمائی جس کو ہم نماز میں پڑھا کرتے ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک آپ پر سلام پہنچانے کا وہی طریقہ اور الفاظ تھے جو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ سے وہ پڑھتے تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں بھی ملاحظہ فرمائیے کہ سلام آپ تک کس طرح پہنچایا جاتا ہے! نسائی ج ۱ ص۱۴۳، مسند دارمی ص۳۰۲ اور مشکوٰۃ ص۸۶ اور البدایہ والنہایہ ج ۱ ص۵۴ وغیرہ میں۔

حضرت عبداللہ[1] ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام

کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں کچھ فرشتے اس کام پر مقرر ہیں کہ میری امت کیطرف سے مجھے سلام پہنچائیں۔

علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں۔ حدیث صحیح۔ یہ حدیث صحیح ہے (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۱۸) اسی طرح اس مضمون کے قریب قریب الفاظ سے حضرت اوس بن اوسؓ سے بھی روایت موجود ہے۔ جو ابوداؤد ج ۱ ص ۱۵۰، دارمی ص ۱۹۵، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، مستدرک ج ۱ ص ۲۷۸ وغیرہ میں موجود ہے جس کی امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ بخاری کی شرط پر تصحیح فرماتے ہیں۔ امام ابن خزیمہؒ، ابن حبانؒ، دارقطنیؒ اور نوویؒ بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴) علامہ ابن عبدالہادیؒ لکھتے ہیں۔ کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے سب راوی صدق و امانت اور ثقاہت و عدالت میں مشہور ہیں اور اسی ہی واسطے حفاظِ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے مثلاً ابن حبانؒ، حافظ عبدالغنی المقدسیؒ اور ابن دحیہؒ وغیرہ اور کوئی شخص ایسا نہیں آیا جس نے اس پر حجت اور دلیل سے کلام کیا ہو (الصارم المنکی ص ۱۸۴ طبع مصر) بعض حضرات نے بلاوجہ زاذان کی شیعیت کو اس حدیث کے ضعف کا سبب بنایا ہے مگر بے سود ہے کیونکہ اس دور کی شیعیت کی مراد اس دور کی رافضیت ہرگز نہیں ہے۔ اس زمانہ میں تمام صحابہ کرامؓ سے حسن ظنی رکھتے ہوئے بعض مذہبی اور سیاسی وجوہ سے حضرت

---

[1] : ضرورت تو نہیں۔ کہ ہم جلیل القدر محدثین کی تصحیح کے بعد اور بھی کچھ عرض کریں۔ لیکن زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی سند کے تمام رواۃ اور ان کی توثیق بھی ہدیہ قارئین کر دیں۔ رواۃ یہ ہیں (۱) عبدالوہاب بن عبدالحکیم وراق جو ثقہ تھے (تقریب ص ۲۴۹) (۲) معاذ بن معاذ جو ثقہ اور متقن تھے (تقریب ص ۳۵۷) (۳) سفیان ثوری جو ثقہ حافظ، فقیہ، عابد، امام اور حجت تھے (تقریب ص ۱۵۱) (۴) عبداللہ بن السائب ثقہ تھے (تقریب ص ۲۰۰) (۵) زاذان، امام ابن معین فرماتے تھے کہ زاذان ایسے ثقہ تھے جن کی مثل کے متعلق سوال نہیں ہو سکتا۔ علامہ ابن سعد انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے تھے محدث خطیب اور عجلی کہتے تھے کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن عدی اور ابن حبان ان کی توثیق کرتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۳)

(۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جلیل القدر صحابی تھے۔

Marfat.com

علیؓ کی طرف مائل ہونے والے شیعہ کہلاتے ہیں۔ امام نسائیؒ۔ عبدالرزاق بن ہمامؒ اور حاکمؒ صاحبِ مستدرک وغیرہ اسی قبیل سے تھے اور ایسے شیعہ کی روایتوں سے کتب صحاح بھری اور اٹی پڑی ہیں اور نہ صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ کوئی شیعہ کا ہے تاکہ داعیہ الی البدعت کا شبہہ ہو۔ اسی مضمون کی تیسری روایت حضرت ابو الدرداءؓ سے بھی مروی ہے۔

قارئین کرام! ہم نے ایک ایک راوی اور اس کی توثیق اور محدثین سے اس روایت کی تصحیح آپ کے سامنے عرض کر دی ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک امت کیطرف سے درود وسلام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرشتے متعین اور مامور ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر حاضر و ناظر ہوتے اور خود بہ نفسِ نفیس درود وسلام سنتے ہوتے تو فرشتوں[1] کے تعین کی کیا ضرورت ہے؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ فریقِ مخالف قیامت تک ایک بھی حدیث صحیح سند کے ساتھ ایسی نہیں پیش کر سکتا جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ میں درود وسلام خود بلا توسطِ ملائکہ سن لیتا ہوں۔ وَاَنّٰی لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ اگر فریقِ مخالف میں جرأت اور ہمت ہے تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ایک ہی ایسی حدیث پیش کر دے۔ جو سند کے ساتھ اور تمام روات ثقہ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا مرفوع فرمان ہو۔ ؎

چمن میں تھیں ڈالیاں ہزاروں مگر مقدر کا کھیل دیکھو
گری اسی شاخ پر ہے بجلی بنایا جس پر تھا آشیانہ

---

[1] حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ درود وسلام پہنچانے کے لئے فرشتوں کا تقرر مخصوص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور (مرقات ج ۲ ص ۶) اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے دور ہو اور نیز لکھتے ہیں کہ۔ لئلا یظن ان دعاء الغائب لا یصل الخ (مرقات ج ۲ ص ۶) تاکہ یہ گمان قائم نہ کر لیا جائے کہ شاید آپ تک غائب کا سلام نہیں پہنچتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے درود وسلام پہنچانے کے لئے فرشتے متعین کر دیئے ہیں۔ اور اسی مسئلہ کو انہوں نے شرح شفا میں پیش کیا ہے کہ لا لان روحہ حاضر فی بیوت المسلمین یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مومنوں کے گھروں میں موجود ہے (بلکہ بتوسط ملائکہ آپ تک سلام پہنچتا ہے) بعض نسخوں میں حرف لا چھوٹ گیا ہے جس سے بعض لوگوں کو یوں ہی بلا وجہ اشتباہ ہوا ہے۔ جن میں مفتی احمد یار خاں صاحب وغیرہ بھی ہیں (دیکھئے جاء الحق ص ۱۴۲) حضرت ملا علی القاری نے ایک مستقل

(باقی حاشیہ ص ۱۶۶ پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ ص۱۶۵)

کتاب لکھی ہے جس کا نام الدرۃ المضیئۃ فی الزیارۃ المصطفویۃ اس میں وہ لکھتے ہیں:-

ومن اعظم فوائد الزیارۃ ان الزائر اذا صلّی وسلّم علیہ عند قبرہ سمعہٗ سماعا حقیقیاً وردّ علیہ من غیر واسطۃ بخلاف من یصلی ویسلم من بعید فان ذالک لا یبلغہٗ الا بواسطۃ لما جاء بسند جید من صلّی عندی سمعتہٗ ومن صلّی علیّ نائیا اُبلغتہٗ

کہ زیارت کے فوائد میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب آپ پر قبر کے نزدیک زیارت کنندہ درود وسلام پڑھتا ہے تو آپ بغیر واسطہ (ملائکہ) کے حقیقی طور پر سنتے ہیں بخلاف اس کے جو دُور سے درود وسلام پڑھے۔ کیونکہ وہ آپ کو واسطہ کے بغیر نہیں پہنچتا کیونکہ جیّد سند کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر صلوۃ پڑھی تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھی تو وہ میرے پاس پہنچائی جاتی ہے۔

غرضیکہ خود حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ کی صریح عبارتوں سے حاضر وناظر کے عقیدہ کی صاف طور پر نفی ثابت ہے۔ ان کی بعض مواقع میں مجمل اور مختصر عبارتوں سے جن لوگوں نے استدلال کیا ہے وہ قطعاً اور یقیناً غلط ہے۔ اسی کے قریب عبارت ابن حجرؒ کی کی ہے۔ (دیکھئے الجواہر المنظوم)

نوٹ ضروری:- من صلّی عند قبری۔ الحدیث۔ بطریق ابوالشیخ صحیح ہے۔ اس سند میں محمد بن مروان السدی نہیں ہے۔ اسی ہی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ بسند جید فتح الباری ج۶ ص۳۵۲ اور اسی سند کو علامہ سخاویؒ وسندہٗ جید لکھتے ہیں (القول البدیع ص۱۱۶) اور نواب صدیق خان صاحبؒ لکھتے ہیں اسناد جید (الدلیل الطالب ص۴۴۲) اور غالباً اسی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس مسئلہ کی بنیاد رکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

فاخبر انہٗ یسمع الصلوۃ والسلام من القریب وانہٗ یبلغ ذالک من بعید (مناسک الحج ص۸۴)

کہ آپ نے خبر دی ہے کہ قریب سے صلوۃ وسلام کو بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو صلاۃ وسلام پہنچایا جاتا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی قبر اور برزخ میں زندگی حق ہے امام بیہقی نے ایک صحیح حدیث اس مضمون پر نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج۶ ص۳۵۲ میں اور حافظ سخاویؒ القول البدیع ص۱۱۶ میں اسکی تصحیح کرتے ہیں نیز علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ۔

(باقی حاشیہ ص۱۶۷ پر)

Marfat.com

(بقیہ حاشیہ صـ۱۶۶)

ونحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لاتاکلہ الارض والاجماع علی ھذا (القول البدیع صـ۱۲۵)

ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق دیا جاتا ہے۔ اور آپ کے جسم مبارک کو مٹی نہیں کھاتی اور اسی پر امت کا اجماع اور اتفاق ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک فی الرفیق الاعلیٰ مع ارواح الانبیاء و مع ھذا فلھا اشراف علی البدن واشراق وتعلق بہ بحیث یرد السلام علی من سلّم علیہ (زاد المعاد ج ۲ صـ۴۹)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کیساتھ رفیق اعلیٰ میں ہے لیکن معہذا آپ کی روح مبارک کا بدن مبارک کے ساتھ تعلق ہے اور اس کے ساتھ ربط ہے جس کی وجہ سے آپ سلام دینے والے کا جواب دیتے ہیں۔

صاحب روح المعانی ج ۲۲ صـ۳۶ میں اور علامہ سبکیؒ شفاء السقام صـ۱۴۳ میں تصریح کرتے ہیں کہ یہ قبر کی زندگی تمام احکام میں دنیاوی زندگی کی طرح نہیں اور سب دنیاوی احکام اس پر مرتب نہیں ہوتے کہ مثلاً جیسے دنیا میں دنیوی کھانے پینے کی ضرورت تھی وہاں بھی ایسا ہی ہو وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ وہ زندگی علم اور سماع وغیرہ ادراکات میں دنیوی زندگی کی طرح ہے اور اسی کے بارے میں سبکی وغیرہ فرماتے ہیں کہ فلا مشاحۃ ان ذلک ثابت (شفاء السقام صـ۱۴۳) جو حضرات قبور میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے قائل ہیں۔ ان کی مراد بھی دنیوی زندگی سے صرف یہی زندگی ہے کہ صلوٰۃ وسلام وغیرہ کا عند القبر سماع ہے اور جسم مبارک کے ساتھ روح کا قوی تعلق ہے ان کی مراد دنیا کی یہ فانی اور گھٹیا زندگی اور پابندی اور تکلیف کی زندگی ہرگز ہرگز نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یونہی بلاوجہ شبہ ہوا ہے۔ یہ خیال رہے کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ اور اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ اور اَفَاِنْ مِّتَّ فَھُمُ الْخٰلِدُوْنَ وغیرہ آیات کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا سے وفات قطعاً ثابت ہے۔ مگر اس کے بعد جو اعلیٰ اور ارفع زندگی قبر مبارک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے (جیسا کہ وہ درجہ بدرجہ زندگی شہداء اور عام مؤمنین بلکہ کفار اور عصاۃ کو بھی دیتا ہے) وہ حق اور ثابت ہے کسی صحیح عقلی یا نقلی دلیل سے اسکی نفی ثابت نہیں ہے۔ یہی اکابرین علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کا عقیدہ ہے (المہند علی المفند صـ۱۳ وغیرہ)

قطب وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سماع موتیٰ کے اختلافی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

(باقی حاشیہ صـ۱۶۸ پر)

Marfat.com

جوابِ سوم :- ہر زبان میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ کسی غائب ہستی کے فرضی طور پر تصوّر کرنے اور تخیل کے طور پر اپنے دل میں حاضر سمجھ لینے پر اس سے خطاب کیا جاتا ہے، اس لئے نہیں کہ وہ حقیقتاً حاضر و ناظر ہوتا ہے بلکہ یہ محض اپنے تخیل پر مبنی ہوتا ہے بجائے اس کے کہ میں عربی اور فارسی کے حوالجات اور محاورات نقل کروں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے چند نظائر پیش کرنے کے بعد خاں صاحب بریلی کے بعض اشعار نقل کروں۔ ایک شاعر کہتا ہے : ؎

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷)

"گر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے"۔ (بلفظہٖ فتاوی رشیدیہ حصہ اول صفحہ ۹۹ طبع جیّد مجتبائی پریس دہلی) اور دوسرے مقام پر مسئلہ سماع موتیٰ اور بحرمت فلاں وغیرہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ "انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ اُن کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اور تیسرے یہ کہ دعا مانگے الٰہی بحرمت فلاں میرا کام پورا کردے یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجروں میں موجود ہے رخ (بلفظہٖ فتاوی رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۸)

صد افسوس ہے کہ اس نازک دور میں جبکہ عیسائیت اور پروٹیزیت۔ کمیونزم اور دہریت۔ قادیانیت اور صحابہ کرامؓ اور ائمہ اسلام سے بدظنی وغیرہ چھا جانے کے منصوبے کر رہی ہے تو اپنی ہی جماعت میں حیات النبی کا مسئلہ تشتت و افتراق کا ذریعہ بن رہا ہے اور ایک ہی مادرِ علم کے پستانوں سے شیرِ روحانیت پینے والے ایکدوسرے سے بعید اور متنفر ہوتے جا رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ

راقم ہیچمدان کا یہ نظریہ ہے کہ اگر فریقین ایک دوسرے پر مداہن اور متشدد ہونے کی بدگمانی سے بالاتر ہو کر مسئلہ کو مسئلہ کی حیثیت سے سمجھنا اور حل کرنا چاہیں۔ اور قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی کے بعد اکابر کے دامنِ علم و تحقیق سے وابستہ ہو کر استدلال و احتجاج کریں تو کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ مفاہمت کی کوئی راہ نہ کھلے۔ ورنہ یہ خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جائے گی اور اپنی جماعت کی تبلیغ و اصلاح کا سارا زور اور قوت ہی خود اپنوں کے خلاف صرف ہوگی جس سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچیگا۔ اور علم و عمل اور تقویٰ و ورع کی یہ آہنی دیوار جو دشمنانِ اسلام کی پریشانی کا سبب تھی خود پاش پاش ہو کر "تذہب ریحکم" کا مصداق بن کر رہ جائیگی اور اس شعر کا مفہوم پورا ہوگا (خدا کرے کہ ایسا نہ ہو) ؎

غضب ہے وہ مری ہستی کو یوں برباد کرتے ہیں ۔۔۔ مٹاتے ہیں مجھے غیروں کے دل کو شاد کرتے ہیں

(نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا)

Marfat.com

نہیں آتے وہ، نہ آئیں، مرے گھر تصور میں تو ہیں مہمان دل کے۔

ایک مجذوب صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ؎

چھپ سکیں گے حضور پھر کیوں کر جو تصوّر میں لا کے دیکھ لیا

ان دونوں شاعروں نے یہ بات واضح کردی ہے۔ کہ اگر محبوب ہمارے گھر نہیں آتا۔ تو نہ سہی دل میں تو وہ ہمارا مہمان ہے اور دل میں اس کا تصور تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں۔ فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت خان صاحب بریلوی حدائق بخشش حصہ دوم صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں: (بعض اشعار)

؎ سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا

بیٹھتے اُٹھتے مدد کے واسطے

یا رسول اللہ[1] کہا پھر تجھ کو کیا

یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے بندہ اپنا کر لیا پھر تجھ کو کیا

دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب

نہ تو ان کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا

نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی یہ ہمارا دین ہے پھر تجھ کو کیا

دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض

ہم ہیں عبد المصطفیٰ پھر تجھ کو کیا

قارئین کرام ہم سردست خانصاحب کی شان میں یہی کہہ کر کہ۔

تو اگر مشرک ہوا پھر ہم کو کیا پیٹ کا بندہ بنا پھر ہم کو کیا

تو نے کی تحریفِ قرآن و حدیث راندۂ درگاہ ہوا پھر ہم کو کیا

---

[1] : اگر کوئی شخص محض عشق اور محبت کے نشہ سے سرشار ہو کر یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہے تو جائز اور صحیح ہے ہم اور ہمارے اکابر اس کے قائل ہیں مگر آپ کو حاضر و ناظر سمجھ کر یا استمداد اور استعانت کے طور پر یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں ہے، اور فریق مخالف اسی اعتقاد سے کہتا ہے جیسا کہ خانصاحب کے ان اشعار سے ظاہر ہے۔

Marfat.com

خالقِ کون ومکان کو چھوڑ کر　　غیر کے در پر جھکا پھر ہم کو کیا

شرک و بدعت کو کیا تو نے پسند
توحید و سنت سے پھرا پھر ہم کو کیا

آیۂ ایّاک نستعین کو!!　　گر دیا تو نے بھلا پھر ہم کو کیا

ہم تو ہیں اللہ کے بندے سبھی
تو ہے عبد المصطفیٰ پھر ہم کو کیا

یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ خان صاحب نے نجدیوں اور دیوبندیوں کو تجھ کو کیا کے الفاظ سے بار بار خطاب کیا ہے۔ کیا واقعی تمام نجدی اور دیوبندی خان صاحب کے پاس حاضر و ناظر تھے؟ یا یہی آپ کہیں گے کہ ان کو تخیل کے طور پر حاضر و ناظر جان کر ان سے خطاب کیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ میں خطاب سمجھئے۔ یہ ہمارا ادعا ہی نہیں بلکہ آئیے ہم خان صاحب سے اس کی تصدیق کرا دیتے ہیں۔ خان صاحب امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم ج ۱ ص ۹۹ طبع لکھنؤ سے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی تشریح نقل کرتے ہوئے کوکبۂ شہابیہ ص ۳۵ میں لکھتے ہیں (یہی مضمون مقیاس حنفیت ص ۲۸۳ میں مسک الختام سے اور جاء الحق ص ۱۴۵ میں موجود ہے) معنیٰ بھی خان صاحب کا ہے۔

لیحضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل السلام علیك ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

التحیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دل میں حاضر کرے اور حضور کی صورت کا تصور باندھ اور عرض کر سلامتی ہو تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت۔

قارئینِ کرام! دل میں حاضر کرے اور تصور باندھ کا معنیٰ تو جانتے ہی ہوں گے۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی طور پر حاضر و ناظر ہیں تو دل میں حاضر کرنے اور تصور باندھنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کو اسی طرح سمجھئے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَعْبُدُ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ

کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کر کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے

آپ جانتے ہی ہیں کہ حقیقتاً رویتِ خداوندی دنیا میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے جلیل القدر

پیغمبروں کو بھی نہیں ہوئی تو جس طرح آپ گویا کہ دیکھنے اور حقیقتاً دیکھنے میں فرق کرتے اور جانتے ہیں۔ اسی طرح حقیقتاً حاضر ہونے اور دل میں حاضر کرنے کا فرق سمجھ لیجئے۔ آپ کو اس میں کیوں تردّد اور پریشانی لاحق ہو گئی ہے چنانچہ شیخ عبدالحق صاحبؒ مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں

"ذکر کن اورا و درود بفرست بروے علیہ السلام و باش در حالِ ذکر گویا حاضر است پیشِ تو" (بحوالہ جاء الحق ص ۱۴۲) ؎

آثار سے کہ پیدا ہیں اب ذات کا جادو ٹوٹ چکا ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

جواب چہارم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التحیات کے الفاظ السلام علیک کے ساتھ جن صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ ان میں ہمیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کو کیا کریں۔ کہ یہی اکابر صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بجائے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ پڑھتے بھی تھے اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۶ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے تھے۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو ہم اَلتَّحِیَّاتُ میں اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ پڑھا کرتے تھے۔

(۲) اسی طرح موطا امام مالکؒ ص ۳۱ ابوعوانہ ج ۲ ص ۲۲۹ مسند احمد ج ۴ ص ۶ اور سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۲ وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔

(۳) سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۲ وغیرہ میں حضرت قاسم بن محمدؒ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ہمیں التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ پڑھایا۔ اور اسی کی وہ تعلیم دیا کرتی تھیں بلکہ فتح الباری وغیرہ میں حضرت عطاء تابعیؒ سے یہاں تک منقول ہے کہ صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد السلام علی النبی پڑھا کرتے تھے اور حضرت شاہ عبدالحقؒ لکھتے ہیں:

"و در شرح صحیح بخاری میگوید کہ صحابہؓ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام بصیغۂ خطاب میگفتند و بعد از زمان حیاتش ایں چنیں میگفتند والسلام علی النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ نہ بصیغۂ خطاب" (لمعات ص ۳۱۶)

آپ غور فرمائیے اگر صحابہ کرامؓ کا اور خصوصاً ان بزرگوں کا جن سے السّلام علیک کے الفاظ سے التحیات منقول ہے۔ یہ عقیدہ ہوتا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہمارے اندر موجود اور حاضر ہیں۔ تو ان کو ضمیر خطاب چھوڑنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی تھی؟ بلکہ انہوں نے امّت کی رہنمائی فرمائی کہ اگر امّت السلام علیک کو اس عقیدہ سے پڑھے۔ کہ ہم بطور حکایت پڑھتے ہیں یا حکایت بطور دعا و انشاء ہے اور یہی صحیح ہے اور فرشتے ہمارے سلام کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس پہنچاتے ہیں تو پھر خطاب ہو جاتا ہے جیسے خطوط کی مثال ہم نے پیش کی تھی یا اگر تخیل اور تصوّر میں حاضر سمجھ کر خطاب کرے تو اس کے لئے اس کی گنجائش ہے۔ ورنہ بجائے اس کے السّلام علی النبیّ پڑھیں تاکہ خبط واقع نہ ہو ؎

طریقِ عشق میں ہم یوں سنبھل سنبھل کے چلے ۔ کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

جواب پنجم :۔ اگر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم واقعی السلام علیک ایھا النبیّ کے پیش کردہ استدلال کے رُو سے حاضر و ناظر ہوتے تو ایک تو صحابہ کرامؓ کا (جو نمازی ہونے کے ساتھ عربی النسل بھی تھے اور ضمیر خطاب وغیرہ کے محل وقوع اور مواقع استعمال سے بخوبی واقف تھے۔ اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیضِ صحبت کی برکت سے قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطلب کو بھی اچھی طرح سمجھ سکتے تھے) یہ عقیدہ ہونا چاہئے تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور دوسرے خود جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اگر دوسروں سے نہیں تو ان صحابہ کرامؓ سے جو نمازی بھی تھے۔ اچھی خاصی واقفیت ہونی ضروری تھی لیکن قرآن کریم اور حدیث کا علم رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ کسی صحابی کا یہ عقیدہ نہ تھا۔ جیسا کہ حضرت زید بن ارقمؓ۔ حضرت حفصہؓ۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت رفاعہؓ۔ حضرت قتادہؓ وغیرہ کے واقعات ہم قرآن کریم اور صحیح احادیث سے عرض کر چکے ہیں اور حضرت کعب بن مالکؓ کے الفاظ بھی نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اب اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ غرضیکہ صحابہ کرامؓ السلام علیک بھی پڑھتے تھے۔ لیکن حاضر و ناظر کا عقیدہ ان کا نہ تھا۔ اگر السلام علیک سے حاضر و ناظر مراد ہوتی تو ضرور ان کو علم ہوتا۔ ؎

تو جل گیا کہ خانۂ امید جل گیا!
دل بجھ گیا تیرے سخنِ دل کشا کے بعد

فریقِ مخالف کی آٹھویں دلیل اور اسکا انجام

فریقِ مخالف کہا کرتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں تو امت آپ کو یا رسول اللہ سے کیوں خطاب کرتی رہی ہے ؟ اور اب بھی کیوں خطاب کیا جاتا ہے ؟ کیونکہ یا حاضر کے لئے آتا ہے۔

جوابِ اوّل : علمِ نحو میں یہ مسئلہ صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ حرفِ "یا" کا اصلی استعمال کیا ہے ؟ علامہ زمخشریؒ مفصل ص۱۸۷ میں اسکا دعوی کرتے ہیں کہ حرفِ "یا" "ندا بعید کے لئے مستعمل ہے قریب کے لئے یہ مستعمل ہی نہیں۔ ان پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب یا ندائے قریب کے لئے مستعمل نہیں، تو اللہ تعالیٰ تو قریب ہے۔ پھر اس کو یا اللہ سے کیوں ندا کرتے ہیں ؟ تو اس کا جواب علامہ موصوف نے یہ دیا ہے کہ انسان اس اعتبار سے کہ خطا کار اور محتاج مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے۔ اس لئے انسان گویا اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ انسان سے بہت ہی دور ہے۔ اور اس لئے یا اللہ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ لیکن جمہور نحاۃ یہ کہتے ہیں۔ کہ حرف یا ندا قریب اور بعید دونوں میں مساوی طور پر مستعمل ہے دیکھئے ہدایۃ النحو ص۱۱۵۔ کافیہ ص۱۲۰ اور شرح جامی ص۳۶۱ وغیرہ۔ اگر فریقِ مخالف کو خمتوں اور عرسوں سے مہلت نہیں مل سکتی کہ ان کتب کی طرف مراجعت کر سکیں تو ہم شرح مائۃ عامل ص۳۴ کا حوالہ ہی لکھ دیتے ہیں تاکہ فریقِ مخالف کو یہ بخوبی معلوم ہو سکے۔

یا دھی تستعمل لنداء القریب والبعید — حرف یا ندا قریب اور بعید دونوں میں مستعمل ہے۔

قارئین کرام دیکھئے کہ کفر اور شرک کو ثابت کرنے کے لئے فن سے کس طرح بغاوت کی جاتی ہے۔ اگر حرف یا محض ندا قریب کے لئے ہی مستعمل ہوتا تو پھر فریقِ مخالف کا کہنا ممکن ہے کہ صحیح تسلیم کر لیا جاتا۔ اگر دوسرے دلائل اسکے خلاف نہ ہوتے۔ لیکن عضب تو یہ ہے کہ یا جیسے ندائے قریب کے لئے مستعمل ہے اسی طرح ندائے بعید کے لئے بھی مستعمل ہے۔ تو اس سے حتمی طور پر حاضر و ناظر پر استدلال کرنا حماقت اور جہالت نہیں تو اور کیا ہے ؟

جوابِ دوم : اگر حرف یا سے حاضر و ناظر ہی مراد ہوتی ہے تو براہِ کرم ذیل کی آیات کا مطلب ہمیں

سمجھا دیجئے۔

(۱) یَاهَامَانُ ابْنُ لِی صَرْحاً — اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت تعمیر کر

(۲) یَا اَهْلَ الْکِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِی دِیْنِکُمْ — اے یہود و نصاریٰ دین میں تجاوز نہ کرو۔

(۳) وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یَا فِرْعَوْنُ مَثْبُوْراً — اے فرعون میرے خیال میں تو ہلاک کر دیا جائیگا۔

(۴) اسی طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یَا اَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ (اے کافرو) کے الفاظ موجود ہیں۔ اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وہ تقریریں بھی قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو خطاب کرتے ہوئے یَا قَوْمِ (اے میری قوم) سے تعبیر کیا ہے۔ کیا ہامان، فرعون، یہود، نصاریٰ اور جملہ مشرکین و کفار جن کو حرف یَا سے خطاب ہے۔ فریقِ مخالف کے نزدیک حاضر و ناظر ہیں۔ کیا بعید ہے۔ کہ کرشن کنہیا کیطرح وُہ بھی حاضر و ناظر ہوں، اگر آپ کہیں کہ جس وقت ان قوموں کو خطاب ہوا تھا اس وقت تو وہ موجود تھیں، اور اب ہم اس کی حکایت کرتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ اسی طرح آپ یا رسُول اللہ کو سمجھ لیجئے۔ کہ صحابہ کرامؓ آپ کی موجودگی میں یہ کہا کرتے تھے۔ اور اب ہم اس کی حکایت کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نہ بھول جائیے کہ حرفِ ندا قریب اور بعید دونوں کے لئے برابر اور مساوی درجہ میں مستعمل ہے۔

جواب سوم : مولوی عبد السمیع صاحب لکھتے ہیں کہ ہم چوتھی توجیہ خطاب کی اور بتاویں قرآن شریف (میں) وارد ہے یَا حَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ یہاں یَا حرفِ ندا ہے جس سے مخالف حاضر کو پکارا کرتے ہیں یہ لفظ یَا داخل ہو رہا ہے حسرت پر اور حسرت ایسی چیز بے ادراک و شعور ہے کہ اس کو قیامت تک کبھی خبر نہ ہوگی کہ کوئی مجھ کو پکار رہا ہے۔ امام رازیؒ کا کلام اس مقام میں ہے : المقصود ان ذالك وقت الحسرة فان النداء مجاز و المراد الاخبار۔ غرضیکہ سب مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ ندا، کلام عرب میں شائع ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ وقت حسرت کا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ حسرت (کو) پکارتے ہیں اور بُلاتے ہیں۔ اس مقام پر ندا ہے مجازاً جب یہ ثابت ہوئی کہ کہیں ندا مجازاً ہوتی ہے اور مراد اس سے خبر دینا ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح اس مقام میں سمجھ لو جو کوئی کہتا ہے۔ ؎

Marfat.com

تمہارے نام پہ قربان یارسُول اللہ فدا ہو تم پہ میری جان یارسُول اللہ

اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پہ قربان ہے اور مراد اس کی جملہ خبریہ ہے. گو اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے. کیا ضرور کہ یوں کہو یہ شخص خدا کی طرح حاضر و ناظر جان کر پکارتا ہے۔ ہاں البتہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو یہ کہہ کر کہ لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے. کلام صحابہؓ میں غائب کو خطاب اور ندا موجود ہے (بلفظہٖ انوارِ ساطعہ ص۲۹۹) عام فریقِ مخالف سے عموماً اور مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی سید احمد سعید صاحب سے خصوصاً التماس ہے کہ وہ اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور فرمائیں کہ حرفِ یا سے حاضر و ناظر مراد لینے کو صرف دیوبندی ہی کفر و شرک کہتے ہیں یا مولوی عبدالسمیع صاحب کا بھی یہی نظریہ ہے؟ اور کیا حرفِ یا سے حاضر و ناظر کی نفی مراد لے کر صرف دیوبندی ہی کافر ہیں یا ان کے ساتھ مولوی عبدالسمیع صاحب بھی شریک ہیں۔

نوٹ: انوارِ ساطعہ کے آخر میں کم و بیش چوبیس ۲۴ علماء کی تصدیقات اور تقریظات موجود ہیں جنہوں نے اس کتاب کو صحیح کہا ہے اور اسی کتاب میں آپ نے یہ پڑھ لیا کہ حرفِ یا سے حاضر و ناظر سمجھنا شرک اور کفر کا عقیدہ ہے۔ اور اس سے حاضر و ناظر کا معنیٰ لینا غلط ہے۔ مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں کہ، پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بطورِ خطاب حاضر کئے ہیں۔ اس لئے ہیں چونکہ تصور آپ کا دل میں بندھا ہوا ہے۔ غلبۂ اشتیاق میں خطاب حاضرانہ بباعثِ حضور فی الذہن کے کرتے ہیں (بلفظہٖ انوارِ ساطعہ ص۲۲۸)

اور سلف صالحین کے اشعار وغیرہ میں خطابات ہوتے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں چنانچہ انوارِ ساطعہ میں اس کی متعدد مثالیں دی ہیں۔

(دیکھئے انوارِ ساطعہ ص۲۲۸ وغیرہ)، ؎

مل گئی خاک میں وہ انجمن آرا ہے ہے
قالبِ گور میں ہے جانِ تماشا ہے ہے

فریقِ مخالف کی نویں دلیل اور اس کا ابطال

فریقِ مخالف ایک حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرتا ہے۔ حدیث مسلم ج ۲ ص ۳۹۰ اور مستدرک ج ۴ ص ۴۴۹ وغیرہ میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ زوی لی الارض حتیٰ رأیتُ مشارقھا ومغاربھا۔

کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا (دیکھئے جلاء الحق ص ۶۲ وغیرہ)

جواب: اس حدیث میں زوی اور رأیت کے الفاظ موجود ہیں جو دونوں ماضی کے صیغے ہیں۔ جن کا مطلب یہ ہے۔ کہ معراج کی رات یا کسی اور وقت اللہ تعالےٰ نے زمین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سمیٹا۔ اور آپ نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھ لیا۔ اس حدیث سے یہ کب اور کیوں کر ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت زمین پر ہر چیز کو دیکھتے رہتے تھے یا اب بھی دیکھتے ہیں؟ علاوہ ازیں مخالفین تو یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر رہتی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو دیکھتے ہیں اور آپ خود وہاں حاضر اور موجود ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے سے پہلے کسی ماضی کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر رہے اور اللہ تعالےٰ نے زمین کے اطراف کو اکٹھا کر کے آپ کے سامنے پیش کیا تھا۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ نماز کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت اور دوزخ کو اللہ تعالیٰ نے پیش کیا تھا یا جیسا کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش کر دیا تھا اور جیسا کہ مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۰ میں ایک حدیث ہے جس کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں کہ نجاشی کا جنازہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ قارئین کرام آپ نے علماء کرام سے یہ مسئلہ سنا ہوگا کہ محدثین کرامؒ کا غائبانہ جنازہ پڑھنے میں کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ قائل ہے اور دوسرا منکر، جو منکر ہیں وہ جمہور ہیں، اور جو قائل ہیں وہ تھوڑی تعداد میں ہیں، اور غائبانہ جنازہ کے ثبوت پر وہ مذکور حدیث پیش کیا کرتے ہیں۔ آپ محدثینؒ سے پوچھ

Marfat.com

کہ خدا کے بندو! کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بقولِ مخالفین) حاضر و ناظر تھے۔ تو آپ سے نجاشی
کا جنازہ کیوں کر غائب تھا؛ کیا حاضر و ناظر سے بھی کوئی چیز غائب رہ سکتی ہے۔ محدثین کرامؒ کے اس اختلاف سے
بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہ تھے۔ ورنہ اس حدیث کو نفی یا اثبات میں غائبانہ جنازہ
کی مد میں پیش کرنا بے سود ہے۔ نیز یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
زمین سمیٹی گئی تھی۔ تو کیا آپ نے ہر ہر آدمی اور ہر چیز کو تفصیلاً دیکھا تھا؛ کیا آپ اگر لاکھ دو لاکھ کے مجمع
کو دیکھتے ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ ہر آدمی کو اور اس کے تمام اعضاء حتی کہ سر اور ڈاڑھی
کے ایک ایک بال کو بھی دیکھا کرتے ہیں؛ یا کسی پہاڑ کو اگر آپ دیکھتے ہیں تو کیا اس کے ایک ایک درخت
کی ایک ایک ٹہنی اور ٹہنی کے ایک ایک پتے کو بھی دیکھا کرتے ہیں؛ کہنے کو تو یہی کہا جائیگا۔ کہ میں نے ایک
بھاری مجمع کو دیکھا اور ایک بہت بڑا پہاڑ یا باغ دیکھا۔ کیا آپ نے آسمان کے تارے کبھی نہیں دیکھے؛
اگر دیکھے ہیں۔ تو کیا آپ تفصیلاً دیکھے ہوئے ستاروں کی تعداد گنتی اور پوری کیفیت جانتے ہیں؛ حافظ
ابن حجر عسقلانیؒ (جن کی مجل اور گول مول عبارت سے فریقِ مخالف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجلسِ میلاد
میں حاضر ہونے پر استدلال کیا کرتا ہے) خود شرح نخبۃ الفکر صـ۸۵ میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ بات صحیح طور پر
ثابت ہو جائے کہ لیلۃ الاسراء وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت جتنے بھی آدمی روئے
زمین پر موجود تھے۔ دکھا دیئے گئے تھے اور آپ نے ہر ایک کو دیکھ بھی لیا تھا۔ تو چاہئے کہ ان لوگوں
کو جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان قبول کیا تھا۔ صحابی کہا جائے۔ اگرچہ انہوں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہو اور ملاقات بھی نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
سے تو رؤیت (دیکھنا) ہوئی ہوگی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر آپ نے اسوقت ہر آدمی کو دیکھا تھا تو حافظ
الحدیث کو اگر مگر کے الفاظ استعمال کرنے کی کیا مصیبت پڑی ہے؛ نیز جب آپ کی زندگی میں ایمان قبول
کرنے والے صحابی ٹھہرے۔ اگرچہ دو طرفہ رؤیت نہ سہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے تو رؤیت ہوئی
تھی۔ پھر نہ معلوم حافظ الحدیث کو ان کے صحابی ہونے میں کیا تردد؛ اس عبارت کو پیش نظر رکھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننے اور ماننے والے خود صحابی بننے کا دعویٰ کرتے

ہیں۔ (عیاذاً باللہ) لیکن قارئین کرام خوب جانتے ہیں کہ فریقِ مخالف کفر و شرک، بدعت اور جہالت کو دنیا میں زندہ کرتا ہے۔ اور حقیقی صحابہ کرامؓ کی شان یہ تھی۔ کہ ؎

لئے علم و فن ان سے نصرانیوں نے — کیا کسبِ اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے — کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
جہالت کا رشتہ ہر اک دل سے توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

فریقِ مخالفؒ کی دسویں دلیل اور اس کا ردّ

مفتی احمد یار خان صاحب نے ایک حدیث کے پیشِ نظر صراطِ مستقیم وغیرہ میں صوفیاء کرامؒ کی ایک اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ، اور یہ حدیث قدسی کنتُ سمعَہ الّذی یَسْمَعُ بہٖ و بَصَرَہُ الّذی یَبْصُرُ بہٖ وَیدَہُ الّذی یَبْطِشُ بِھَا ایک اور روایت کی رُو سے وَلِسَانَہُ الّذی یَتَکَلَّمُ بِہٖ اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو خدائی طاقت سے دیکھتا، سُنتا اور چھوتا اور بولتا ہے یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے۔ یہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں۔ اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاویں۔ تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے؟ تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے۔ (بلفظہٖ جاء الحق ص ۱۴۹)

الجواب: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نصاریٰ کو پہلے کافر فرمایا ہے اور پھر ان کا عقیدہ بتلایا ہے کیونکہ انہوں نے یہی کہا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فنا فی اللہ ہو گئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ میں حلول کر گئے ہیں ان میں اور اللہ تعالیٰ میں کامل اتحاد ہو گیا ہے۔ بایں طور کہ ع

تا کس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

ارشاد ہوتا ہے کہ۔

Marfat.com

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ بْنُ مَرْيَمَ ط (پ ۶ ۔ المائدہ ع ۳)

تحقیق سے وہ لوگ کافر ہیں جنہوں نے یہ کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ تو مسیح بن مریم (میں حلول کر گیا) ہے۔

اور اس وجہ سے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم مجھے عبدیت سے نکال کر عیسائیوں کی طرح اوپر نہ لے جائیں تو خدا تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں (بخاری و مسلم وغیرہ) سید شریف علی بن محمد الجرجانی الحنفیؒ المتوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں کہ کفریہ عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ:

حلولہ فی بعض اشخاص الناس — اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں حلول کر جاتا ہے۔

(شرح مواقف ص ۸۷۹ طبع نولکشور)

اور یہی عقیدہ ان ڈالڈا قسم کے محبّوں کا ہے جنہوں نے سنن من قبلکم کی اتباع کرتے ہوئے خالق اور مخلوق کو گڈ مڈ کر دیا ہے۔ (العیاذ باللہ) اور عیسائیوں کو بھی چند قدم پیچھے چھوڑ گئے ہیں فوا اسفا۔

حدیث کُنْتُ سَمْعَهٗ الحدیث کا مطلب ائمہ اہل سنت والجماعت سے سُن لیجئے۔ حضرت امام بیہقیؒ کتاب الاسماء والصفات ص ۳۴۵ میں اور حافظ ابن کثیر ج ۵ ص ۵۷ میں اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ تفسیر عزیزی پارہ تبارک سورۂ مزمل ص ۱۲۷ میں (وغیرہم فی غیرہا) لکھتے ہیں کہ جب بندہ کثرت عبادت سے حق تعالیٰ کا مقبول ہو جاتا ہے تو اس کے سب اعضاء کا حق تعالیٰ خود محافظ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ سب کے سب خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ اس کی مرضی کے بغیر نہ کچھ دیکھے نہ سُنے نہ بولے اور نہ پکڑے (یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس بندہ کے کان خدا کے کان اور اس کی آنکھیں اُس کی آنکھیں اور اس کے ہاتھ اس کے ہاتھ بن جاتے ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذالک لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ) سو یہ مرتبہ نفل عبادت کی کثرت سے ہوتا ہے اس لئے کہ فرائض کے اوقات اور اور تعداد مقرر ہے اور ان میں کثرت ممکن نہیں ہے۔ یہ ہے اس حدیث قدسی کا صحیح مطلب جو ائمہ دین نے بیان کیا ہے۔ نہ تو اس سے غیر اللہ کے لئے علم غیب کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اور نہ حاضر و ناظر اور مختار کل وغیرہ کا جس طرح کہ فریق مخالف نے از روئے جہالت اس کا ثبوت دیا ہے۔ نہ معلوم

Marfat.com

فریقِ مخالف کے مفتی اس حدیث کا کیا معنی کریں گے؟ کہ

اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ یَقُولُ یومَ القیامَۃ یابنَ آدم مَرِضتُ فلَم تَعُدنِی (الحدیث) (مسلم ج۲ ص۳۱۸، مسند احمد ج۲ ص۴۰۴ ومشکوٰۃ ج۱ ص۱۳۴)

تحقیق سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائیں گے اے انسان میں بیمار ہوگیا تھا تو نے میری تیمار داری نہ کی۔ الخ

اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ خدا تعالیٰ کے کسی نیک بندہ کی بیمار پرسی کرنا خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے گویا یہ معاملہ اس بندہ سے نہ ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہوا۔ اسکا یہ معنیٰ تو ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ اور بھوکا اور پیاسا ہو جاتا ہے (چنانچہ اسی روایت میں بھوک اور پیاس کی بھی تصریح موجود ہے) (العیاذ باللہ) مگر کیا کیا جائے فریقِ مخالف فہم معانی میں بجائے سلف صالحین کی اتباع کے اپنے نفس امّارہ کی پیروی کرتا ہے۔ ؎

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

فریقِ مخالف کی گیارہویں دلیل اور اسکی ماہیّت

فریقِ مخالف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حاضر و ناظر ہونے پر ذیل کی حدیث سے قیاس کرتا ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صبح کی نماز کے وقت ایک مرتبہ حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ تم نے اسلام میں کونسا مقبول عمل کیا ہے؟ کیونکہ آج رات میں نے جنّت میں تمہارے جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ سُنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ میں جب بھی وضو کرتا ہوں، نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس حدیث سے فریقِ مخالف نے یہ قیاس کیا ہے کہ حضرت بلالؓ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خادم جنت میں حاضر ہو سکتے ہیں تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کیوں ہر وقت حاضر و ناظر نہیں ہو سکتے؟

الجواب: ہم اس بحث میں تو نہیں پڑنا چاہتے کہ یہ واقعہ آیا معراج کی رات کا ہے یا کسی اور رات کا؟ بیداری کا ہے یا خواب کا؟ مگر امام ترمذیؒ لکھتے ہیں: (یعنی رأیت فی المنام کانی دخلت الجنۃ ھکذا روی فی بعض الحدیث ج۲ ص۲۰۹) کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ اگر معراج کی رات کا ہے تو اس کا

Marfat.com

فیصلہ فریق مخالف ہی کرے گا۔ کہ حضرت بلالؓ کو بھی آیا جسمانی معراج نصیب ہوئی تھی؟ اس بحث سے قطع نظر کر کے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ معنی بھی تو ہو سکتا ہے کہ حضرت بلالؓ جنّت میں نہ گئے ہوں بلکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلالؓ کے جوتوں کی مثالی آواز اپنے سامنے جنت میں سُن لی ہو۔ رہی یہ بات کہ جب حضرت بلالؓ زمین پر موجود تھے اور آپ جنّت میں تھے تو آپ نے یہ آواز کیسے سُنی؟ تو یہ محل تعجب نہیں۔ کیونکہ اس کی ایک نظیر صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۱ میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے ایک مخصوص آواز سُنی۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنّم کے طبقہ بالا سے نچلے طبقہ کی طرف یہ پتھر پھینکا گیا تھا۔ آج ستّر سال کے بعد وہ پتھر نیچے جا کر ٹکا ہے۔ یہ آواز اس کی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ صحابہ کرامؓ دنیا میں زمین پر موجود تھے۔ لیکن جہنم کے پتھر کی آواز سُن لی۔ اسی طرح حضرت بلالؓ اپنی جگہ اور مقام پر ہوں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے سامنے جنت میں حضرت بلالؓ کے جوتوں کی مثالی آواز سُن لی ہو تو کیا تعجب ہے؟ اور اگر ہم اس کو بھی تسلیم کر لیں کہ واقعی حضرت بلالؓ جنت میں تشریف لے گئے تھے تو فریقِ مخالف سے ہمارا یہ سوال ہے۔ کہ کیا حضرت بلالؓ بطور کرامت ایکدفعہ جنت میں تشریف لیگئے تھے یا ہر وقت جنت میں رہا کرتے تھے؟ اور کیا جب حضرت بلالؓ جنت میں حاضر اور موجود تھے تو اس وقت دنیا کے ہر ہر کونہ اور گوشہ میں اور آسمانوں اور زمینوں میں اور العیاذ باللہ ہر بری مجلس میں بھی موجود تھے؟ ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی جگہ پر کسی بزرگ کے بطور کرامت اور طی الارض کے چلے جانے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ وہ چلے گئے ہوں یا جا سکتے ہوں؟ ایسا ہی سمجھئے جیسا کہ کوئی آدمی فریق مخالف کے کسی مولوی صاحب کو کہے کہ آپ روٹی کھا سکتے ہیں پانی پی سکتے ہیں لہذا ثابت ہوا کہ آپ ہر چیز خواہ حلال ہو یا حرام کھا سکتے ہیں جس میں پیشاب گندگی اور تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ قارئین کرام! آپ فریق مخالف کی منطق تو دیکھئے کہ کیا گل کھلاتی ہے لیکن کیا بعید ہے کہ فریق مخالف یہ کہدے کہ ؎

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح
نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں

Marfat.com

فریقِ مخالف کی بارہویں[۱۲] دلیل اور اس کا جواب

فریقِ مخالف کہا کرتا ہے کہ ایک حدیث اس مضمون کی آتی ہے۔ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایک فرشتہ قیامت تک میری قبر پہ کھڑا رہیگا جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے کان دیئے ہیں جو آدمی بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ سُن لیتا ہے۔ اور مجھے پہنچا دیتا ہے اسی طرح ایک دوسری حدیث آتی ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کی بیوی اپنے خاوند کے ساتھ لڑتی ہے تو جنت میں حور اس کی آواز کو سُن لیتی ہے اور اس لڑاکی عورت کو کہتی ہے، اپنے خاوند کو تکلیف نہ دے۔ تیرا تو تھوڑے دنوں کا مہمان ہے۔ اصل میں تو وہ میرا خاوند ہے۔

فریقِ مخالف کے الفاظ میں ان حدیثوں سے نتیجہ سُن لیجئے۔ فرشتے اور حوریں کون ہیں؟ یہ حضور علیہ السلام کے ادنیٰ غلاموں میں سے ہیں۔ یہ تمام خداداد قوتوں سے سُن لیں، تو یہ شرک نہ ہو (اور) اگر ہمارا یہ عقیدہ ہو کہ یہاں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بہ نفس نفیس[۵۱] بغیر ملائکہ کے ہمارے درود و سلام سُن لیتے ہیں، تو یہ کیسے شرک ہو سکتا ہے؟

۵۱: حضرت ابو درداءؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے "بلغنی صوتہ" مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے (بحوالہ جلاء الافہام ص۷۳) دیکھئے مقیاس حنفیت ص۲۸۰ وجاء الحق ص۵۷ وغیرہ مگر اس سے بھی استدلال باطل ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ یہ روایت منقطع ہے کیونکہ سعید بن ابی ہلال ۷۰ھ میں پیدا ہوئے ہیں (تہذیب ج۳ ص۹۵) اور حضرت ابو الدرداءؓ کی وفات ۳۲ھ میں ہو چکی تھی (اکمال ص۵۹۴) وثانیاً اسی روایت میں فرشتوں کی حاضری کا ذکر ہے فانہ یوم مشہود تشہدہ ملائکۃ تو بواسطہ ملائکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو درود پڑھنے والے کی آواز پہنچتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی آپکی قبر مبارک کے قریب درود شریف پڑھتا ہے تو آپ بنفسِ نفیس خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں شاہ عبدالحق صاحبؒ محدث دہلوی لکھتے ہیں: مگر فرق آں باشد کہ سلام زائراں بیواسطہ بسمع شریف آنحضرت رسد وازدیگراں بوساطت ملائکہ سیاحین کہ حضرت عزت ایشاں را بہ تبلیغ صلوٰۃ وسلام از امت بر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم برگماشتہ است چنانچہ در احادیث واقع شدہ است (مکتوبات ص۳۱۶ برحاشیہ لخبار الاخیار وشعۃ اللمعات ج۱ ص۴۳۷) مفتی احمد یار خاں صاحب وغیرہ کو (جو شیخ صاحبؒ کی بعض مجمل عبارتوں سے استدلال کرتے ہیں) حضرت شیخ صاحب کی یہ عبارت (نیز وہ عبارت جو السلام علیک کے جواب میں پہلے عرض کی جا

(باقی حاشیہ ص۱۸۳ پر)

جواب : قارئین کرام ! آپ نے فریقِ مخالف کے اجتہاد کا کرشمہ تو ملاحظہ کر ہی لیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ فرشتے مجھے درود و سلام پہنچاتے ہیں اور یہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرتے ہیں کہ فرشتوں کے بغیر آپ سنتے ہیں۔ آپ اب حدیث اوّل کی سند اور اس کے رواۃ کا حال سنئے۔ پہلی حدیث کا ایک راوی اسماعیل بن ابراہیم ابو یحییٰ تیمی ہے۔ محدث ابن نمیر کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی ضعیف تھا۔ ابن مدینی کہتے تھے کہ وہ ضعیف ہے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور محدثین اس کی تضعیف پر متفق ہیں (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۹۹)، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ تمام محدثین اس کی تضعیف کرتے ہیں جن میں خصوصیت سے امام بخاری، امام ترمذی، امام مسلم، امام نسائی، امام ابوحاتم، امام ابن مدینی، امام دارقطنی، امام ابو احمد حاکم اور امام ابن حبانؒ قابل ذکر ہیں (تہذیب ج ۱ ص ۲۸۱) پہلی حدیث کا دوسرا راوی نعیم بن ضمم ہے علامہ ذہبیؒ میزان ج ۳ ص ۲۴۱ میں لکھتے ہیں بعض محدثین نے ان کی بھی تضعیف کی ہے (و مثلہ فی مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۲) پہلی حدیث کا تیسرا راوی ابن حمیری ہے۔ ناقدین رجال علامہ ذہبیؒ میزان ج ۲ ص ۲۷۶ میں لکھتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں لا یتابع علی حدیثہ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۲) کہ یہ اپنی روایت میں اکیلا ہے اس کا ساتھ نہیں دیا جاتا۔ قارئین کرام نے پہلی حدیث کے رواۃ کا حال محدثین کرامؒ سے سن لیا۔ اب آیئے دوسری حدیث کے رواۃ اور رجال کا حشر بھی محدثین کرامؒ سے سن لیجئے۔ دوسری حدیث ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے جس کا پہلا راوی عبدالوہاب بن ضحاک ہے۔ محدث ابوحاتم کہتے تھے کہ وہ جھوٹا تھا۔ امام نسائی کہتے تھے کہ وہ متروک الحدیث تھا۔ امام دارقطنی اس کو منکر الحدیث کہتے ہیں، امام بخاری اس کو صاحب عجائب کہتے تھے (میزان ج ۲ ص ۱۶۰) امام ابوداؤد کہتے تھے کہ وہ جعلی اور من گھڑت حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ امام بیہقی اور امام عقیلی کہتے تھے کہ وہ متروک تھا۔ امام صالح بن محمد کہتے تھے اس کی اکثر حدیثیں محض جھوٹی ہیں۔ امام حبان کہتے تھے اس سے احتجاج درست نہیں، امام حاکم اور ابونعیم کہتے تھے اس نے جعلی روایات بھی بنائی تھیں (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۶۰، تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۴۲) اس حدیث کا دوسرا راوی اسمٰعیل بن عیاش ہے۔ امام مسلم (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۸ میں)، اور امام ترمذی (ترمذی شریف ج ۲ ص ۳۴ میں) لکھتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۲) چکی ہے، بغور و فکر پڑھنی چاہئے اور عرض اعمال کے پیش نظر شیخ صاحب کے اس قول سے کہ بر اعمال امت حاضر و ناظر است (دیکھئے جاء الحق ص ۱۳۲ وغیرہ) سے متنازع فیہ مسئلہ پر استدلال کرنے والوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

Marfat.com

کہ اسمٰعیل کی کوئی حدیث لکھنے کے قابل نہیں۔ معروف اور مشہور لوگوں سے ہو یا مجاہیل سے۔

فریق مخالف خطیب قسطلانیؒ کی کتاب مواہب لدنیہ اور زرقانی ج۷ ص۲۰۴ وغیرہ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کیا کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے لئے اٹھا کر سامنے رکھ دیا ہے پس میں دنیا کو اور دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے سب کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو"

جواب اوّل: یہ حدیث طبقہ رابعہ کی ہے جس کے متعلق تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ اس طبقہ کی حدیثیں قابل اعتبار نہیں ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ (حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص۲۶۰ میں) اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ لکھتے ہیں ایں احادیث قابل اعتماد نیستند۔ کہ در اثبات عقیدہ یا عملی بآنہا تمسک کردہ شود (عجالہ نافعہ ص۶)

جواب دوم: نہ صرف یہ کہ محض طبقہ رابعہ کی حدیث ہے بلکہ ضعیف اور باطل بھی ہے۔ چنانچہ مشہور حنفی محدث حافظ علی متقیؒ کنز العمال ج۶ ص۹۵ میں لکھتے ہیں سندہٗ ضعیف یعنی اس کی سند کمزور اور ضعیف ہے خان صاحب نے ایک مقام پر کیا خوب کہا ہے۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہیئے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں اور قول مذکور ثابت نہیں (بلفظہٖ عرفان شریعت حصہ سوم ص۲۷) مفتی احمد یار خان صاحب نے جلاء الافہام ص۷۳ اور انیس الجلیس ص۲۲۲ کے حوالہ سے جو یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوموار اور جمعہ کے دن میری وفات کے بعد بھی تم درود شریف مجھ پہ پڑھو کیونکہ۔

فانی اسمع صلوٰتکم بلا واسطۃ (جاء الحق ص۱۵۶ محصلہ) یں تمہاری طرف سے درود کو بلا واسطہ سنتا ہوں۔

تو یہ بالکل بے سند اور بے اصل ہے، ایسی بے سر و پا روایتوں سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا مفتی صاحب کو اس روایت کی سند اور پھر رواۃ کی توثیق اور سند کا اتصال ثابت کرنا ہوگا۔ اور ان سے یہ تا قیامت نہیں ہو سکیگا طبع آزمائی کر دیکھیں۔ دیدہ باید۔

اسی طرح مفتی صاحب نے دلائل الخیرات شریف کی جو روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

اسمع صلوٰۃ اھل محبتی واعرفھم و — میں محبت والوں کے درود کو خود سنتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں

تعرض علیّ صلوٰۃ غیرھم عرضا۔ — اور غیر محبین کا درود ہم پر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ بھی بے سند اور بے حقیقت روایت ہے اور جعلی و من گھڑت روایات سے اہل بدعت کی تسکین تو ہو سکتی ہے مگر اہل سنت والجماعت حدیث کی توثیق اور اتصال سند کے بغیر کوئی روایت سننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں اس بات کو مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ بگوش ہوش سن لیں ؎

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں — جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

قارئین کرام: آپ ان حدیثوں کا حال محدثین کرامؒ سے سن چکے ہیں جن پر فریق مخالف قیاس کرتا اور قرآن کریم اور صحیح احادیث کا مقابلہ کرتے ہوئے کفر اور شرک کی تعمیر استوار کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ہمیں بھی اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے — نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

فریقِ مخالف کی تیرھویں[۱۳] دلیل اور اسکی حقیقت

فریقِ مخالف بندگانِ دینؒ اور صوفیائے کرامؒ کی جہل اور غلبۂ سکر کی حالت کی گوں مولد عبارتیں بھی پیش کرتا ہے کہ فلاں صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز اور ہر آدمی کے لئے حاضر و ناظر ہیں ہر ذرہ میں حقیقت محمدیہ ہے۔ فلاں بزرگ نے کہا۔ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ فلاں صاحب لکھتے ہیں کہ ایک صاحب ایک وقت میں کئی ایک مقامات پر حاضر ہو گئے اس طرح لطائف اور امثال کے بیسیوں شطحیات اور مترشحات پیش کر کے عوام اور سادہ لوح مسلمانوں کو کفر اور شرک کے دام تزویر میں لایا جاتا ہے۔

جواب: قارئین کرام! ہم نے مقدمہ میں وضاحت کے ساتھ یہ بات عرض کر دی ہے کہ عقائد کے اثبات کے لئے نص قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر واحد کو بھی قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش کرنا مولوی احمد رضا خاں صاحب کے نزدیک محض ہرزہ بافی ہے۔

پھر نہ معلوم صوفیائے کرامؒ کی بے سند اور بے ثبوت مجمل اور گول مول باتوں سے قرآن کریم اور متواتر احادیث کا مقابلہ کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ یہی کہا جائیگا کہ ان بزرگوں کی عبارات میں اگر مناسب تاویل کی گنجائش ہوئی تو تاویل کردی جائیگی۔ ورنہ اقبال کی اصطلاح میں ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں ،

پر عمل کیا جائے گا۔ آئیے اب میں آپ کو مولوی احمد رضا خاں صاحب ہی یہ مسئلہ سنوا دوں حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ایک مسئلہ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ایک تحقیق پیش کی تھی جو بظاہر احادیث کے خلاف تھی۔ اس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب برستے ہوئے رقمطراز ہیں (کوکب الشہابیہ ص۹۴) معاذ اللہ اس بھاری شرکِ تقلیدی کو کچھ کہئے۔ کہ مذہب کے مقابل احادیث صحیحہ مشہورہ کو نہیں مانتے اور سنت رسول اللہ کے مقابلے میں اپنے مولویوں کی سنت پیش کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔ شاباش خاں صاحب۔ اگر کسی ایسے مسئلہ میں جس میں قرآن کریم کی کوئی آیت موجود نہیں بلکہ احادیث سے ہی اس کا ثبوت مل سکتا ہے اور ایسے مسئلہ کے مقابلہ میں اگر شیخ احمد سرہندیؒ وغیرہ مولویوں کی بات پیش کرنا نہ صرف شرک ہے بلکہ بھاری شرک تقلیدی ہے تو خاں صاحب اور ان کے اتباع و اذناب کو ذرا ہوش میں آکر فرمانا چاہئے کہ جس مسئلہ پر صدہا آیات اور متواتر درجہ کی حدیثیں بھی موجود ہوں اور دیگر امت کا اور فقہائے احنافؒ کا اجماع بھی ہو۔ ایسے مسئلہ میں اپنے مولویوں کی باتیں پیش کرنا کونسا ایمان ہے؟ اور سنیئے۔ وقف کے ایک اختلافی مسئلہ پر بعض علماء نے ایک مالکی المذہب عالم یعنی امام ابن قاسمؒ کی ایک عبارت پیش کی تھی جس پر مولوی احمد رضا خاں صاحب سیخ پا ہو کر فرماتے ہیں (اہلاک الوہابیین ص۳۳) ذرا براہِ مہربانی تھوڑی دیر کو ہوش میں آکر فرمائیے کہ ابن قاسمؒ نے کہا مقبرے کو بعد بے نشانی کے مسجد کر دینا روا اور ابو القاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مقابر پر مسجد بنانا حرام آپ کے نزدیک، یہ دونوں حکم حالت واحد پر وارد۔ جب تو آپ کا ایمان ہے کہ ابنِ قاسمؒ کی بات حق جانیں اور ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد نہ مانیں۔ انتہیٰ۔ کیا خوب فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت بھی بقولِ شخصے ؎

Marfat.com

یہ بھی لگا کے خون شہیدوں میں مل گیا

اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر شیخ عبدالحقؒ کی کسی مجمل اور گول مول عبارت سے یہ ثابت ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر تھے اور حق تعالیٰ عزّ مجدہٗ کے ارشادات صاف طور پر بتلاتے ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے تو آپ کے نزدیک کونسی بات قابلِ قبول ہوگی؟

اسی طرح اگر شیخ احمد سرہندی اور شاہ احمد ابن عبدالرحیم (شاہ ولی اللہ صاحبؒ) کے کسی کشف یا غلبہ سُکر کی حالت کے کسی قول سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا سمجھا جاتا ہو اور حضرت احمد مجتبیٰ سرورِ دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح احادیث سے آپ کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہوتی ہو۔ تو ذرا مہربانی فرما کر تھوڑی دیر ہوش میں آکر فرمائیے کہ آپ کے نزدیک کس کی بات قابلِ قبول ہوگی؟ ؎

جادو وہ ہے جو سر پہ چڑھ کر بولے

فریقِ مخالف کی چودھویں دلیل اور اس پر ایراد

فریقِ مخالف کے بعض علم سے ناواقف اور عقل کے کورے مولوی یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم یہاں بیٹھے بٹھائے برلن، لندن، پیرس اور نیویارک وغیرہ دور دراز ملکوں کی خبریں ریڈیو کے ذریعے سن سکتے ہیں تو جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم امت کی طرف سے درود و سلام وغیرہ کو براہِ راست کیوں نہیں سن سکتے؟

جواب: ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نص کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا بے دینوں کا کام ہے۔ جب جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے مجھ پر درود و سلام پہنچاتے ہیں۔ تو ہمارا یہی ایمان ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں ریڈیو کی آواز عالمِ اسباب میں بجلی، بیٹری اور ہوا پر موقوف ہے۔ تو جس طرح بغیر بجلی اور بیٹری کے ریڈیو کی آواز سنی نہیں جا سکتی اسی طرح آپ سمجھ لیں کہ بغیر فرشتوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کی طرف سے درود و سلام نہیں

سنتے۔ گویا فرشتوں نے وہی کام کیا جو ریڈیو کے لئے بجلی اور بیٹری نے دیا ہے۔ اب فرمائیے کہ ریڈیو کی مثال ہماری ہے یا فریق مخالف کی؟ ؎

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو خود ہی اپنے دام میں صیاد آگیا

فریق مخالف کی پندرھویں دلیل اور اس کا ازالہ

مفتی احمد یار خاں صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں (واللفظہٗ) قصیدۃ النعمان مصنفہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ص۱۴ ؎

وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْكَ قَوْلًا طَيِّبًا وَاِذَا نَظَرْتُ فَمَا اَرٰى اِلَّاكَ،

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: جب میں کوئی بات سنتا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ ہی کی طرف سے کلام پاک سنائی دیتی ہے اور جب میں دیکھتا ہوں (ہر سُو) تو آپ کے سوا مجھے کچھ نہیں نظر آتا۔

اے حنفی بننے کا دعویٰ کرنے والو یہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان اور عقیدہ اب فرمائیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مشرک کہو گے؟ (جاء الحق ص۱۴۸) و (مقیاس حنفیت ص۲۸۵)

الجواب: حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت کوئی ایسی گمنام شخصیت نہیں ہے کہ ان کی طرف ہر الٹ شتاپ بات نسبت کر دی جائے۔ اور وہ مہضم ہو جائے۔ ان کی زندگی کا ایک ایک پہلو اور ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ رَدّاً و قبولاً امتِ محمدیہ میں مشہور ہے۔ یہ قصیدۃ النعمان خالص جعلی اور من گھڑت ہے۔ حضرت ابوحنیفہؒ کی یہ ہرگز ہرگز تصنیف نہیں ہے۔ بغیر فقہ اکبر کے ان کی اپنی دنیا میں کوئی تصنیف ہی نہیں ان کا جتنا علم اور فقہ ہے وہ ان کے قابل قدر تلامذہ کے ذریعہ سے امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) تک پہنچا ہے۔ جعلی اور بے اصل قصائد سے امام صاحبؒ کا عقیدہ ثابت کرنے والو، دل میں کچھ تو خدا کا خوف کرتے ہوئے شرم کرو آخر ایک دن مرنا ہے، پھر بلا قرینہ اس سے حضور کا

Marfat.com

مراد لینا کیونکر صحیح ہے ؟ کیا معلوم شاعر نے کس کو خطاب کیا ہے ؟

مسلّم محدثین کرامؒ و فقہاء عظامؒ اور ارباب تاریخ کی کم از کم دو شہادتیں ایسی پیش کرو جنہوں نے یہ کہا اور لکھا ہو۔ کہ یہ قصیدہ حضرت امام صاحب نے تصنیف فرمایا ہے۔ محض زبان سے دعویٰ کرنے کا نام ہرگز ثبوت نہیں ہوتا ہے۔ یہ نازک مقام ہے قدم سنبھال کے رکھنا پڑیگا۔ ؎

اُبھری ہوئی ہے چوٹ دلِ دردمند کی
رکھنا قدم تصوّر جاناں سنبھال کے،

فریق مخالف کی سولھویں[۱۶] دلیل اور اس کا دفعیہ

مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نے حاضر و ناظر کا مسئلہ اکابر علماء دیوبند سے بھی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور ان کی عبارات سے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ ان کی عبارتوں سے بھی حاضر و ناظر کا مسئلہ ثابت ہے مگر ایک معمولی سمجھ کا ادنیٰ طالب علم بھی بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان کی عبارتوں سے یہ مسئلہ ثابت کرنا۔ خالص سینہ زوری اور ہٹ دھرمی کی شرمناک اور بدترین مثال ہے جب کہ ان کی عبارتوں میں صراحت اور وضاحت سے اس مسئلہ کی تردید کی گئی ہے چونکہ بانی حضرات کی عبارات بالکل صاف ہیں اُن سے اس مسئلہ کے اثبات کا شبہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا اس لئے ان کے جواب کی اصلاً ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی البتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند (المتوفی ۱۲۹۷ھ) اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) کی عبارتوں سے ممکن ہے کہ کسی کج فہم کو شبہ ہو۔ اس لئے ان کو نقل کر کے ان کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے چنانچہ مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں۔ واللفظ لہٗ

چوتھی فصل حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے۔ تحذیر الناس ص۱۰ میں مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں کہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ کو بعد لحاظ صلہ من انفسھم کے دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی

Marfat.com

امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی اُن کے ساتھ حاصل نہیں ہے کیونکہ ادنیٰ بمعنی اقرب ہے (جاء الحق ص۱۴۸ و مقیاس حنفیت ص۲۸۹)

الجواب: حضرت نانوتویؒ نے اس قرب کا مفہوم خود تحذیر الناس میں اور اس سے بڑھ کر علی وجہ الاتم آبِ حیات میں بیان کیا ہے اس سے حاضر و ناظر کا قرب ہرگز مراد نہیں ہے یہ ہم بجائے دقیق تفصیل میں پڑنے کے خود حضرت مولانا کی ایک عبارت عرض کر دیتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مولانا نانوتویؒ حکیم عبد الصمد صاحبؒ کے نام خط میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

مرشدوں کی نسبت یہ خیال غلط ہے کہ ہر دم ساتھ رہتے ہیں اور ہر دم آگاہ رہتے ہیں۔ یہ خدا کی ہی شان ہے گہ و بیگاہ بطور خرق عادت بعض اکابر سے ایسے معاملات ظاہر ہوئے ہیں۔ جاہلوں کو یہ دھوکا پڑا ہے تصور میں صورت کا خیال امر فضول ہے جیسے کسی کے تذکرہ کے وقت کسی کا خیال آتا ہے۔ ایسا ہی تصور شیخ میں۔ مگر تصور کرو تو اپنے آپ کو اپنی جگہ اور شیخ کو اپنے وطن میں اور اس کے ساتھ یہ خیال رہے کہ اُدھر سے کچھ فیض آتا ہے اللہ الصمد اور بسم اللہ کو برائے چند بار تو ورد رکھو اور الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ بہت مختصر ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ سمجھنا چاہیئے ورنہ اسلام کیا ہوگا کفر ہوگا بلکہ یوں سمجھئے یہ پیغام فرشتے پہنچاتے ہیں (انتہیٰ بلفظہٖ فیوض قاسمیہ ص۴۸)

حضرت مولانا نانوتویؒ کی غیر متعلق عبارتوں سے مسئلہ حاضر و ناظر کشید کرنے والوں کو ذرا ہوش میں آکر یہ عبارت بار بار اور غور سے پڑھنی چاہیئے طبیعت صاف ہو جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز

مولوی محمد عمر صاحب مخالفین کی کتابوں سے حاضر و ناظر ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۹۱ اور فخر عالم علیہ السلام کو مجلس مولود میں حاضر و ناظر جاننا بھی غیر ثابت ہے اور باعلام اللہ تعالیٰ جاننا ہے تو شرک نہیں (مقیاس حنفیت ص۲۸۹)

الجواب: اس عبارت میں "ورنہ شرک ہے" کے الفاظ حذف کر کے اس سے مسئلہ حاضر و ناظر کشید کرنا مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کام ہے۔ صرف مجلس مولود میں باعلام اللہ جاننے کے شرک نہ

ہونے سے یہ کیسے اور کیونکر لازم آیا کہ آپ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا شرک نہ ہوگا۔ لیجئے یہ مسئلہ ہم خود حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ارشاد سے واضح کر دیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔ عقیدہ کرنا کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سب غیب کو جانتے ہیں شرک قبیح جلی ہوو۔ گا۔ معاذ اللہ حق تعالےٰ سب مسلمانوں کو ایسے عقیدۂ فاسدہ سے نجات دیوے۔ آمین۔ پس ایسے عقیدہ والا مشرک ہوا اور جب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کرکے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے۔ اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ کفر ہے۔ البتہ اگر اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ کرے کہ ملائکہ درود شریف آپ کو پیش کرکے عرض کرتے ہیں تو درست ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود بندۂ مؤمن کا آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳۴ ص) حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس واضح تر عبارت کے بعد بھی اگر مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ کی طبیعت میں خلجان باقی رہے تو پہلے آپ کو اپنی طبیعت عالیہ کا علاج کرا لینا چاہیئے پھر دوسروں پر اعتراض کی فکر کرنی چاہیئے۔ ؎

شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر
خود عمل تیرا ہے صورت گر تیری تصویر کا

مفتی احمد یار خاں صاحب کا بزعم خود مولانا گنگوہیؒ کی ایک عبارت سے کہ۔ ہم مرید یقین داند کہ روح شیخ۔ مقیّد بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ از شیخ دور است اما روحانیت او دور نیست الی ان قال پیش شیخ با قلب حاضر آورد و بلسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ القاء خواہد کرد مگر ربط تام شرط است الخ (جاء الحق ص ۱۴۹) نزاعی مسئلہ حاضر و ناظر پر استدلال کرنا مفتی صاحب کا انتہائی کمال ہے اور صوفیاء کرامؒ کی اصطلاحات کو سمجھنے میں بھی مفتی صاحب خوب مہارت رکھتے ہیں۔ اور باوجود اس تصریح کے کہ اگرچہ از شیخ دور است۔ شیخ را بقلب حاضر آورد اس سے نزاعی حاضر و ناظر مراد لینا کیا ہی دیانت ہے۔ اگر ایسے ہی باکمال اور

Marfat.com

ہنرشناس مفتی دو چار اور پیدا ہو گئے تو قوم غنی ہو جائے گی ؏

ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند

فریقِ مخالف کی سترھویں دلیل اور اس کا دفاع

یہ سوال فریقِ مخالف کا معرکۃ الآراء ہے جس کو مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مولوی حشمت علی خان صاحب، مفتی احمد یار خاں صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نے مختلف تعبیرات سے بدرنگ اور بھیانک سے بھیانک صورت اور شکل میں پیش کر کے عامۃ المسلمین کے ایمانی جذبات کو ابھار کر صرف اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی بے جا سعی کی ہے۔ (دیکھئے حسام الحرمین ص۱۰۴، مقیاس حنفیت ص۲۱۲ اور جاء الحق ص۲۰۱ وغیرہ) اس اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک شیطان اور ملک الموت تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں مگر جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں۔ تو ان کے نزدیک شیطان اور ملک الموت کا علم حضورؐ سے زیادہ ہوا (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ۔ صفدر) براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب ص۵۱ جاء الحق ص۲۰۱ محصلہ۔

الجواب: دجل اور فریب کی مثالیں تو دنیا میں بے شمار ہیں، تلبیس اور بددیانتی کے نمونے تو اس جہاں میں لاتعداد ہیں۔ افتراء اور بہتان کے طریقے تو اس دارِ فانی میں اَن گنت ہیں مگر جس رنگ اور صورت میں مکر و خداع کے اوزار فریقِ مخالف نے یہ اعتراض کرتے وقت اختیار کئے ہیں۔ اس کی شاذ و نادر مثال ہی دنیا میں کہیں موجود ہو گی۔ فریقِ مخالف نے یہود کو شرما دیا ہے اور ابلیس لعین کے کان بھی کترلئے ہیں وان کان مکرھم لتزول منہ الجبال آخر ارشادِ خداوندی ہی تو ہے لیکن ؎

وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پُرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

آپ غور سے اس کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اہل بدعت کے مشہور اور محقق عالم مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری نے مجلس میلاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر بزعم خود چند دلائل پیش کئے ہیں جن میں سے ایک دلیل اُن کا یہ فاسد اور باطل خیال بھی ہے کہ جب ملک الموت اور شیطان ہر جگہ موجود ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوں مجلس مولود میں حاضر نہیں ہو سکتے! چنانچہ اس کے لئے انہوں نے چند روایتیں پیش کی ہیں اور پھر لکھتے ہیں: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت تو ایک فرشتۂ مقرب ہے، دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولاد آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا. اس کے بعد لکھا ہے۔

واقدرہ علی ذالك كما اقدر ملك الموت علیٰ نظیر ذالك۔ انتھیٰ (بلفظہ انوار ساطعہ ص۱۸۶)

یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔

اس کے بعد مولوی عبدالسمیع صاحب سورج اور چاند کی مثال دے کر پھر یوں لکھتے ہیں کہ: اب فکر کرنا چاہیے جب چاند سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کرنے سے مشرک اور کافر ہو جائیں۔ معاذ اللہ۔ اور تماشا یہ کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ کا نہیں دعوے کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک و ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے (بلفظہ انوار ساطعہ ص۱۷۷) اہل بدعت حضرات آنکھیں کھول کر بار بار اس عبارت کو پڑھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محفل میلاد میں حاضر و ناظر ہونے کو شیطان لعین وغیرہ کے ہر جگہ حاضر ہونے پر یہ شیطانی قیاس کس نے کیا ہے۔ کسی دیوبندی عالم نے یا مولوی عبدالسمیع صاحب بدعتی نے! پھر یہ کس نے کہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر پاک و ناپاک، مذہبی اور غیر مذہبی مجلس میں حاضر نہیں ہیں اور ابلیس کا حاضر ہونا زیادہ تر مقامات میں

Marfat.com

ہے۔ وہ پاک ہوں، یا ناپاک مجالسِ کفر ہوں یا غیر کفر؟ بتاؤ اہل بدعت حضرات کہ شیطان کے ہر جگہ موجود ہونے پر یہ دلیل پیش کر کے اس کی وسعتِ علمی کس نے بیان اور تسلیم کی ہے؟ کیا یہ براہین قاطعہ کی عبارت ہے یا انوارِ ساطعہ کی؟ یہ مولوی عبدالسمیع صاحب بول رہے ہیں یا قطبِ وقت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ؟ عوام الناس کو دھوکہ دے کر گمراہ کرنے والو بتاؤ یہ کیا قصہ ہے؟ خان صاحب بریلی نے حسام الحرمین ص۱۵۰ وغیرہ میں اور اسی طرح مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ اہل بدعت نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر کیسی ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا ہے، کہ جناب سردار دو جہاں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کو ابلیس لعین پر تو ان کا مولوی قیاس کرے اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حاضر و ناظر ہونے سے زیادہ تر مقامات میں ابلیس لعین کو حاضر و ناظر مان کر اس کی وسعت علمی ثابت کرے اور یہ اس ابلیسی اور شیطانی قیاس کو مؤلف براہین قاطعہ کے گلے مڑ دیں کیا اس سے بڑھ کر بھی بیحیائی کا کوئی مظاہرہ ہوگا؟ مگر کیا ہی خوب کہا گیا ہے ع

کہ بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ اس باطل قیاس کے ذریعہ ابلیس لعین کی وسعتِ علمی کو تسلیم اور بیان کرنے والا مولوی عبدالسمیع صاحب بدعتی رامپوری صاحبِ انوار ساطعہ ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے انوار ساطعہ کے جواب میں جب براہین قاطعہ لکھی تو اس بحث سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ کیا تمام دنیا کو گمراہ کرنے والا صرف ابلیس لعین ہے یا اس کی ذریت اور چیلے چانٹے ہیں اور وہ خود دریا پر تخت بچھا کر آرام کرتا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں آتا ہے (مشکوۃ ج ص۱۷) اور کیا ایک ہی شیطان دن اور رات میں انسان کو گمراہ کرنے پر مامور ہوتا ہے یا دن کا اور ہوتا ہے اور رات کا اور؟ اور اس سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے کہ کیا جان نکالنے والا صرف ایک ہی فرشتہ ہے یا حسبِ ارشادِ خداوندی تَوَفَّتْهُمْ رُسُلُنَا کئی ایک فرشتے ہیں اور ملک الموت ان کے انچارج ہیں؟ اور اس سے نظر ہٹاتے ہوئے کہ کیا کرۂ ارض کے ہر حصہ پر ہر وقت

Marfat.com

سورج اور چاند موجود ہوتے ہیں یا ایک جگہ ان کا طلوع ہوتا ہے تو دوسری جگہ غروب؟ ان تمام امور سے پہلو تہی کرتے ہوئے بغرضِ اختصار حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس باطل قیاس کو یوں رد کیا ہے کہ۔

الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصّہ ہے شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کیا جاتا ہے۔ (براہین قاطعہ)

مولانا یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اے مولوی عبدالسمیع صاحب تم نے شیطان اور ملک الموت کے ہر جگہ موجود ہونے پر بزعم خود چند حدیثیں بطور نص کے پیش کی ہیں جو تمہارے نزدیک مقیس علیہ ہیں بتاؤ کیا ایسی ہی کوئی نص جناب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر بھی موجود ہے؟ اگر ہے تو لائیے اللہ بسم اللہ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ایسے قیاس فاسد سے اُن نصوص قطعیہ کو کیوں رد کرتے ہو، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہے؟ اور اس مخصوص صفت خداوندی کو آپ کے لئے تسلیم کر کے کیوں شرک کا ارتکاب کرتے ہو؟ اور بتاؤ نصوص قطعیہ کو قیاس فاسد سے رد کر دینا کونسا ایمان کا حصّہ ہے؟ غرضیکہ یہ شیطانی قیاس اور شیطان کے لئے وسعتِ علمی فریق مخالف کے پیشوا اور مقتدا مولوی عبدالسمیع صاحب نے تسلیم اور پیش کی ہے۔ مولانا خلیل احمد صاحب نے صرف یہ کیا ہے کہ اس فاسد اور باطل قیاس کو رد کیا ہے۔ مگر فریق مخالف کے مولوی صاحبان بے حیائی کا برقع اور نقاب اوڑھ کر مسجدوں اور اسٹیجوں پر گلے پھاڑ پھاڑ کر یہ الزام مولانا سہارنپوری مظلوم پر عائد اور قائم کرتے ہیں اور اصل ظالم کو کوئی پوچھتا ہی نہیں مگر دنیا میں ایسا ہوتا رہا اور ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہیگا ؎

باش کہ تا طبل قیامت زنند
آن تو نیک آید و یا ایں ما !!

Marfat.com

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلی نے اکابر علماء دیوبند کی عبارات میں قطع و برید کرکے اور مکر و فریب کے جملہ اوزار استعمال کرکے جب علماء حرمین شریفین سے تکفیری فتوے حاصل کئے تاکہ انگریز کی ظالم حکومت مضبوط ہو اور بعض علماء حرمین کو جب شبہ ہوا تو انہوں نے چند سوالات تحریر کرکے مولانا خلیل احمد صاحب کو بھیجے جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا تم نے شیطان کے علم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ تسلیم کیا ہے! مولانا نے دیگر سوالات کے جوابات کی طرح اس کا جواب بھی مفصل تحریر فرمایا ہے چنانچہ اس میں یہ بھی ہے کہ۔ اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے وہ کافر ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے بہتیرے علماء کر چکے ہیں اور جو شخص ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روزِ جزا سے خائف ہو کر دلیل بیان کرے۔ اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔ (المہند علی المفند ص ۲۷، ۲۸ مطبوعہ سنہ ۱۳۵۲ھ، سنہ ۱۹۳۳ء)

ان تصریحات کے باوجود بھی اگر کوئی ہٹ دھرم، اکابرین علماء دیوبند پر الزام رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے نہیں شرماتا تو ہمارا اس میں کیا دخل ہے؟ اِذَا لَمْ تَسْتَحِی فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ مگر ایک وقت ایسا ضرور آئیگا جس میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائیگا اور حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ کہ کون صحیح اور کون جھوٹا تھا؟ اور کس کا ساتھ دینا مناسب اور کس کا نامناسب تھا۔ اور کون صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ کا محب اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع تھا اور کون چوری کھانے والا مجنوں تھا؟ ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روزِ معلومت ۔۔۔ کہ باکہ باختہ عشق در شبِ دیجور

فریقِ مخالف کی اٹھارویں[۱۸] دلیل اور اس کا قلع قمع

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

۹۔ انعام ۵۲ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

اور نہ چھوڑیئے آپ (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو جو خاص اسی کی رضا کے لئے اپنے رب کی صبح شام عبادت کرتے ہیں۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے نہ چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اب تم کہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ نہیں ہیں تو تمہارا یہ کہنا ہم اپنے متعلق کیسے صحیح سمجھیں جب ہم مومن ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے نہ چھوڑنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ ہاں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے منکر ہیں ان کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہیں۔ لہذا ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں۔ (بلفظہٖ مقیاس حنفیت ص۲۶۸)

جواب : دین الٰہی کے اندر تحریف اگرچہ بہت لوگوں نے کی ہے۔ مگر اس فن میں جو کمال مولوی محمد عمر صاحب کو حاصل ہے وہ کسی اور کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنے اس تحریف کے فن میں یکتائے روزگار ہیں اور لطف یہ ہے وہ اس پر شرماتے بھی نہیں ہیں۔ اگر وہ اس آیت کا سرسری شانِ نزول ہی ملاحظہ کر لیتے تو ان کو وَلَا تَطْرُدْ کے لفظی معنی میں نہ چھوڑیئے کہہ کر تحریف کی ضرورت ہی پیش نہ آتی نیز اس آیت کے مفہوم سے جو مضمون انہوں نے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر استدلال کرتے ہوئے کشید کیا ہے اس سے یقیناً ان کو رستگاری ہو جاتی اس آیت کا شانِ نزول جیسا کہ صحیح مسلم ج ۲ ص۲۸۱ معالم التنزیل بر ابن کثیر ج ۳ ص۳۱۴ تاریخ بغدادی ج ۱ ص۱۵۱ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۳۱۵ اور روح المعانی ج ۷ ص۱۳۷ وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے (جو تمام صحابہ کرامؓ میں درجۂ اوّل کے مفسرِ قرآن سمجھے جاتے تھے) یوں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت خبابؓ جیسے دولتِ ایمان سے مالا مال اور اتباعِ رسول سے سرشار مگر دولتِ دنیا سے تہی دست بیٹھے ہوئے تھے کہ مشرکین کے چند ایک سردار آئے اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ان نادار و مفلس غریب و فاقہ مست لوگوں کو اپنی مجلس سے باہر نکال دیں تو ہم آپ کی تقریر و وعظ سن لیں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ایمان لانے کے لئے جو جذبہ اور ولولہ پیدا کیا تھا وہ مخلوقِ خدا میں اور کس کا حصہ ہو سکتا ہے؟ آپ کے دل میں یہ خیال ہی پیدا ہوا تھا کہ اگر یہ لوگ توحید سن لیں اور میں اس مصلحت کے پیشِ نظر اپنے ان مخلص ساتھیوں کو تھوڑی دیر کے لئے مجلس سے نکال دوں اور کھڑا کر دوں تو کیا مضائقہ؟ مگر اللہ تعالیٰ کو غرباء سے جو محبت ہے، وہ عموماً سرمایہ داروں

سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور آپ کو تنبیہہ کی کہ آپ ہرگز ایسا نہ کریں۔ نہ تو اس آیت میں سب مومن مراد ہیں اور نہ ہر ایک کا ساتھ دینے کا ذکر ہے اور نہ حاضر و ناظر کا اس میں سوال پیدا ہوتا ہے یہ صرف مولوی محمد عمر صاحب کی خانہ زاد اختراع اور تحریف ہے ؏

زاغوں کے تصرّف عقابوں کے نشیمن

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ الآیۃ میں بیان کیا ہے اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے کی بھی صاف طور پر نفی ثابت ہوتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں مولوی محمد عمر صاحب کو اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے کہ وہ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت کا مفہوم ہی سمجھ سکیں۔ مفتی اور مولوی تو وہ بن بیٹھے ہیں مگر۔ ؏

نہ ہر کہ موئے برافروخت دلبری داند

قارئین کرام! ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ فریقِ مخالف کے دلائل اور ان کے جوابات آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں ان کے علاوہ بھی بعض نہایت ہی لچر اور پوچ استدلالات فریق مخالف کی طرف سے پیش کئے گئے ہیں لیکن وہ اتنے عامیانہ اور جاہلانہ ہیں کہ ان کی طرف ایک مبتدی طالب علم کو بھی توجہ مبذول کرنا نامناسب اور غیر ضروری ہے۔ فریقِ مخالف کو ایک عمدہ اور نفیس اور جائز ورد بتاتا ہوں، وہ اس کو ہر وقت پڑھتا رہے آخر جائز ورد پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ ورد شریف یہ ہے۔ ؎

اے مرے باغِ آرزو کیا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سُو کوئی کلی کھلی نہیں،

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ اَفْضَلِ الْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ

وَذُرِّيَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ اٰمِيْنَ ثُمَّ اٰمِيْنَ

وَاَنَا الْعَبْدُ الْاَحْقَرُ اَبُو الزَّاهِد مُحَمَّد سَرْفَرَاز خَان صَفْدَر الْحَنَفِی مسلکاً وَالدیوبندی تلمذاً وَالْحُسَینی مشرباً وَالسواتی نسباً

خطیب جامع مسجد گکھڑ ——— ضلع گوجرانوالہ

کتبہ عبد العزیز الحسینی

Marfat.com

اِزَالَۃُ الرَّیْبِ

عن عقیدۃ

عِلْمُ الْغَیْبِ

جس میں بڑی تحقیق و جستجو اور محنتِ شاقہ سے قرآن کریم، صحیح احادیث، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء کرام، محدثین اور علماء متکلمین اور بزرگان دین وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کی واضح اور روشن تر عبارات اور اقوال اور ٹھوس حوالجات سے مستحکم دلائل اور مضبوط براہین کے ساتھ یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالےٰ کو ہے اور بس۔ کسی ولی اور بزرگ، کسی نبی اور فرشتہ حتّٰی کہ جناب امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی علم غیب حاصل نہیں تھا۔ اور اس کے برعکس عقیدہ سراسر غیر اسلامی ہے اور نیز فریق مخالف کے تمام نقلی اور عقلی شبہات کے مُسکت جوابات دے کر بفضلہ تعالیٰ اس مسئلہ کے مثبت اور منفی پہلو کی علمی بحث کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا گیا ہے کتاب پڑھنے سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور ذاتی و عطائی وغیرہ کی تمام دُور از کار بحثیں بیک نظر سامنے آجاتی ہیں ؛

صفحات ۵۷۲ - تقطیع ۲۰×۲۶/۸ کتابت و طباعت عمدہ - قیمت آٹھ روپے علاوہ محصولڈاک

اَلْبَیَانُ الْاَزْھَر ترجمہ الفقہ الاکبر - ۸ ر حُلیۃ المُسلمین ۳ ر

ملنے کا پتہ

(۱) ناظم مدرسہ عربیہ انجمن اسلامیہ - گکھڑ منڈی - ضلع گوجرانوالہ

(۲) ناظم شعبہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم - نزد گھنٹہ گھر - گوجرانوالہ

Marfat.com

اِنکارِ حدیث کے نتائج

جب انسان راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے تو اس کو قدم قدم پر ٹھوکریں لگتی ہیں اور بالآخر کسی مہلک اور عمیق گڑھے میں گر کر عزیز زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ کم و بیش یہی نتیجہ شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ) کے جادۂ مستقیم سے منحرف ہونے کا ہوتا ہے جن لوگوں نے ہوائے نفس کی پیروی یا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر آقائے نامدار خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور متواتر حدیثوں کا انکار کیا ہے۔ خود ان لوگوں کے اقوال اور خود نوشت تحریرات سے باحوالہ یہ معلوم کر لیجئے کہ ترکِ حدیث کے بعد ان کے خدا تعالیٰ۔ ملائکہ۔ تقدیر۔ انبیاء۔ معجزات۔ قرآن۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ قربانی۔ حلال و حرام۔ قیامت و آخرت حتیٰ کہ دین اسلام وغیرہ کے بارے میں کیا نظریات ہیں؟ اور ان کو کس قسم کے اسلام کی حاجت ہے اور چودہ صدیوں سے جو اسلام روئے زمین کے مسلمانوں میں مروّج چلا آتا ہے اسکی ان کے نزدیک کیا حیثیت ہے؟ اس جماعت کے سرکردہ لوگوں میں سے جناب عبداللہ صاحب چکڑالوی، حافظ اسلم صاحب جیراجپوری، نیاز احمد خان صاحب نیاز فتحپوری، ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق، ڈاکٹر احمد الدین صاحب، علامہ مشرقی صاحب تمنا عمادی صاحب مسٹر غلام احمد صاحب پرویز اور طلوع اسلام وغیرہ کے عقائد و افکار کی کچھ جھلکیاں اس کتاب میں ملاحظہ کیجئے۔ قیمت ....

ناظم مدرسہ عربیہ انجمن اسلامیہ۔ گکھڑ منڈی۔ ضلع گوجرانوالہ
ناظم شعبہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر۔ گوجرانوالہ

Marfat.com

اَحْسَنُ الْکَلَامِ

فِیْ

تَرْکِ الْقِرَاءَۃِ خَلْفَ الْاِمَامِ

اس میں قرآن کریم، صحیح احادیث، آثار صحابہ کرامؓ و تابعین و اتباع تابعین اور دیگر جمہور فقہاء اور محدثین عظام سے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ امام کے پیچھے کسی نماز میں کسی بھی قسم کی قرأت عموماً اور سورۂ فاتحہ خصوصاً ممنوع ہے، اور جہری نمازوں میں تو امام کے پیچھے قرأت کرنا قرآن کریم اور حدیث صحیح اور اجماع کے خلاف ہے اور فی نفسہٖ منکر اور شاذ ہے اور جہری نمازوں میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ نیز عقلی اور قیاسی دلائل سے اس مسئلہ پر فیصلہ کن بحث کی گئی ہے اور فریق ثانی کو مسکت جواب دیئے گئے ہیں۔ قیمت جلد اول ۳ سے ۸ جلد دوم ۲ عا

گلدستہ توحید (طبع چہارم) مسئلہ توحید، اصنام و اوثان کی تحقیق اور شرک کی حقیقت کو قرآن کریم، صحیح احادیث اور صدہا تاریخی واقعات سے بے نقاب کیا گیا ہے۔ اردو میں ایسی کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی۔ قیمت دو روپیہ علاوہ محصولڈاک۔

دل کا سرور (طبع سوم اضافات کے ساتھ) مسئلہ مختار کل پر محققانہ بحث کہ تشریعی اور تکوینی طور پر شارع اور حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور مخالفین کو مسکت جواب دیئے گئے ہیں۔ قیمت ۲-۰-۰-۰

تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک (طبع چہارم مع تقریظات و تراجم) مسئلہ حاضر و ناظر پر فیصلہ کن کتاب جس میں قرآن کریم، صحیح احادیث اور فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم کے سینکڑوں حوالجات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچائی گئی ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے اور اس میں مولوی عبدالسمیع صاحب کی انوار ساطعہ، مولوی محمد عمر صاحب کی مقیاس حنفیت اور مفتی احمد یار خان صاحب کی جاء الحق خصوصیت سے پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ قیمت فی جلد دو روپے بارہ آنے صرف۔

ملنے کا پتہ:
(۱) ناظم انجمن مدرسہ عربیہ اسلامیہ مسجد بوہڑ والی۔ گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ
(۲) ناظم شعبہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم۔ نزد گھنٹہ گھر۔ شہر گوجرانوالہ

اَلْمِنْهَاجُ الْوَاضِحُ

یعنی

رَاہِ سُنّت

جس میں بڑی تحقیق و عرق ریزی سے اہلِ سنّت والجماعت کے دلائل کا معیار اور بدعتِ لغوی اور شرعی کا مفہوم اور حکم، قرآنِ حکیم، صحیح احادیث اور صدہا عبارات سے واضح کیا گیا ہے اور تمام مشہور بدعات مثلاً میلاد، عرس، قبروں پر چراغاں کرنا، قبروں کو پختہ بنانا، قبر پر اذان کہنا، نمازِ جنازہ کے بعد دعا کرنا، تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں، جیلۂ اسقاط، دورانِ قرآن وغیرہ وغیرہ پر فرداً فرداً مفصّل بحث کی گئی ہے اور فریقِ مخالف کو مسقط اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اکابر علماءِ دیوبند پکے حنفی اور سُنّی مسلمان ہیں۔ ان کو وہابی وغیرہ کہنا سراسر بہتان، خالص افتراء اور سفید جھوٹ ہے ؛

قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ محصول ڈاک علاوہ

مسئلہ قربانی ۴ر چالیس دعائیں ۸ر

نوٹ :۔ سب کتابوں کا محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا ؛

ملنے کے پتے

(۱) ناظم مدرسہ عربیہ انجمنِ اسلامیہ۔ گکھڑ منڈی۔ ضلع گوجرانوالہ

(۲) ناظم شعبۂ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر۔ گوجرانوالہ

Marfat.com

73
N6

تَبْرِیْدُ النَّوَاظِرِ

فِیْ

تَحْقِیْقِ الْحَاضِرِ وَالنَّاظِرِ

یَعْنِیْ

آنکھوں کی ٹھنڈک

DATA ENTERED

طبع چہارم

☆

صدیق اینڈ
تاجران کتب و
لوہاری دروازہ

مؤلفہ

ابُوالزّاھِدْ محمد سرفراز خاں صفدر

قیمت ۰-۱۲-۲

Marfat.com